حیاتِ فاروقِ اعظم رضؓ

امام عادل خلیفۂ راشد آرزوئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

سیدنا عمرؓ ابن الخطاب

کی آتشیں اور ولولہ انگیز شخصیت کا بھرپور اور جامع تعارف

مصنفہ

امام جمال الدین ابوالفرج بن جوزی

ترجمہ و تعلیق

علامہ شاہ حسن عطا (مرحوم)

نفیس اکیڈیمی

اسٹریچن روڈ - کراچی - پاکستان

نام کتاب ـــــــ حیات فاروق اعظمؓ
مصنف ـــــــ ابن جوزیؒ
مترجمہ ـــــــ شاہ حسن عطا (مرحوم)
طبع دوم ـــــــ مئی ۱۹۸۳ء
ضخامت ـــــــ ۴۵۶ صفحات
آفسٹ ایڈیشن
ٹیلیفون نمبر ـــــــ ۲۱۳۳۰۳
قیمت ـــــــ روپے



مطبوعہ
نفیس اکیڈیمی آفسٹ پرنٹرز
کراچی

حیات فاروق اعظمؓ

از :- چوہدری طارق اقبال گاہندری

انبیاء علیہم السلام کے بعد سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ذات دنیا کی تاریخ میں سب سے افضل و اعلیٰ سمجھی جاتی ہے ان کے بعد سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا درجہ ہے۔ وہ ایک جامع صفات انسان تھے، دائرہ اسلام میں داخل ہونے سے قبل بھی ان کی ہستی نہایت نمایاں تھی، جرأت و بے باکی۔ تدبر و اصابت رائے اور علم و فضل کے اعتبار سے ان کو اپنے اقران و امثال میں بلند مقام حاصل تھا۔ امام ابن جوزی نے ابوبکر بن خیثمہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ "جب کبھی قریش اور دوسرے قبائل میں جنگ چھڑتی تھی تو مابعد از جنگ مذاکرات صلح کے لیے قریش حضرت عمرؓ کا انتخاب کرتے تھے، اسی طرح جب کبھی نوبت مناظرہ یا تفاخر کی آجاتی تھی اُس وقت بھی قریش حضرت عمرؓ کو بہ اتفاق آراء اپنا نمائندہ مقرر کرتے تھے"۔ آپ میں استقامت اور ارادہ کی مضبوطی بدرجہ غایت تھی جب آپ زیور اسلام سے آراستہ ہوئے اُس وقت اسلام کے ایک عظیم ستون بنے، ایسے ہی اصحاب کے لیے نبی کریم کا ارشاد ہے کہ جو زمانہ جاہلیت میں اچھے تھے وہ اسلام میں بھی اچھے ثابت ہوئے، سیدنا فاروق اعظمؓ کی خوبیوں کا اندازہ اسی چیز سے بخوبی کیا جا سکتا ہے کہ دولت اسلام سے بہرہ اندوز ہونے کے وقت ان کی عمر صرف چھبیس سال تھی لیکن مکہ معظمہ جیسی جگہ میں اس سے پہلے ہی ان کا شمار وہاں کے زعماء اور اکابرین میں ہوتا تھا، حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں بھی اُن کو وہ اہمیت حاصل تھی کہ آپؐ بارگاہ رب العزت میں یہ دعا فرمایا کرتے تھے۔

"خداوندا، عمر بن ہشام (ابوجہل) اور عمر بن الخطاب دونوں میں سے جسے تو زیادہ عزیز رکھتا ہو اُس کے ذریعے سے اسلام کی دستگیری فرما"

واضح رہے کہ سیدنا فاروق اعظمؓ کے اسلام لانے سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہم جیسے اکابر دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے، پھر بھی حضور سرور انبیاء کی یہ خواہش تھی کہ حضرت عمر بھی قدوسیوں کی اس جماعت میں شامل ہو کر اسلام کو تقویت پہنچائیں، چنانچہ اُن کے اسلام لاتے ہی مسلمانوں کے طرز عمل میں ایک نمایاں تبدیلی رونما ہو گئی، اس سے پہلے مسلمان کفار کے ظلم و ستم کی وجہ سے حرم کے اندر نماز ادا نہیں کر سکتے تھے، حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے کے بعد حرم کعبہ میں نماز ادا کی جانے لگی، اس سلسلہ میں خود حضرت عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں" اسلام لانے کے بعد میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم اپنی موت و حیات میں دین حق پر نہیں ہیں آپ نے فرمایا

کیوں نہیں، اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم سب حق پر ہو اپنی موت میں بھی اور حیات میں بھی، اس پر میں نے عرض کیا تو پھر اس حق کو چھپانے کا کیا مطلب، قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے ہم ضرور حق کو لے کر نکلیں گے، چنانچہ ہم نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دو صفوں کے درمیان میں نکالا۔ ایک صف میں حضرت حمزہ تھے اور دوسری صف میں میں اور میرے اندر جوش کی وجہ سے چکی کی سی گھڑگھڑاہٹ تھی، یہاں تک کہ ہم مسجد حرام میں پہنچ گئے۔ تو مجھ کو اور حضرت حمزہ کو قریش نے دیکھا۔ یہ دیکھ کر ان کو ایسا صدمہ پہنچا کہ ایسا صدمہ انھیں اس سے پہلے کبھی نہ پہنچا تھا، اس دن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام فاروق رکھا کہ اللہ نے میری وجہ سے حق اور باطل میں فرق کر دیا۔"

داؤد۔ ابن معین اور زہری نے روایت کیا ہے کہ جب عمرؓ اسلام لے آئے تو حضرت جبرئیل امین تشریف لائے اور فرمایا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام آسمان والے عمر کے اسلام سے بہت خوش ہوئے ہیں۔

غرض حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے کا واقعہ تاریخ اسلام کا ایک اہم واقعہ ہے، باوجودیکہ آپ دیر سے اسلام لائے لیکن اپنے تدبر اور اصابت رائے کی وجہ سے بہت جلد حضور سرور کائنات سے آپ کو وہ تقرب حاصل ہو گیا کہ اکثر مشوروں میں حضورؐ سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا فاروق اعظمؓ ہی کو ساتھ رکھتے تھے، چنانچہ متعدد روایت ایسی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ جہاں کہیں حضورؐ جاتے، حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ آپ کے ساتھ ہوتے، وہ جو رائے دیتے تھے وہ اکثر و بیشتر نہایت صائب ہوتی تھی بلکہ ان کی بعض آراء تو ایسی ہیں کہ قرآن کریم نے ان کی تصدیق کی ہے۔

سیدنا فاروق اعظم کا طرز عمل ہجرت کے موقع پر بھی سب سے منفرد تھا، دوسرے صحابہ نہایت خاموشی سے مدینہ تشریف لے گئے لیکن سیدنا فاروق اعظم نے ہجرت فرمائی تو کفار مکہ کو مخاطب کر کے کہا کہ

"میں ہجرت کر رہا ہوں، جس کو اپنی بیوی کو بیوہ اور اپنی اولاد کو یتیم کرنا ہو وہ آکر مجھے روک لے۔" کسی کی ہمت نہیں ہوئی کہ آپ کے سامنے آئے۔

بہرحال دور رسالت اور عہد صدیقی میں سیدنا فاروق اعظمؓ کی حیثیت مشیر اور وزیر کی سی رہی، جب بار خلافت آپ پر پڑا تو دنیا شاہد ہے کہ آپ نے خلافت و حکومت کو اس طرح انجام دیا جس کی مثال نہیں ملتی، مختلف شعبے قائم کیے، فوج، پولیس، تعلیم بیت المال رفاہ عام، شہروں کا بسانا، تبلیغ، ذہنوں کی اصلاح کے کام اس طرح انجام دیئے کہ دنیا نے اس کا اعتراف کیا ہے یہاں دو رائے نقل کر رہے ہیں، مشہور شیعی فاضل جسٹس امیر علی آپ کے متعلق تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں۔

"حضرت عمرؓ کے خلیفہ نامزد کیے جانے سے اسلام کو بہت زیادہ فروغ حاصل ہوا، آپ بلند اخلاق کے سختی سے پابند تھے، آپ عدل و انصاف کے حامی، توانا اور بلند سیرت کے مالک تھے، آپ کی شہادت سے اسلام کو بہت زیادہ نقصان ہوا، مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے آپکی شخصیت نہایت موزوں تھی آپ نے دیوان کے نام سے مالیات کا ایک محکمہ قائم کیا، صوبائی حکومتوں کے لیے دستور وضع کیا آپ دراز قامت مضبوط اور خوبصورت تھے سادگی اور کفایت شعاری آپ کا شیوہ تھا رعایا کا معمولی سے معمولی آدمی آپ تک نہایت آسانی سے پہنچ سکتا تھا آپ رات کے وقت بغیر کسی حفاظتی دستہ کے لوگوں کے حالات سے آگاہ ہونے کے لیے مدینہ کی گلیوں میں چکر کاٹتے، سبحان اللہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا حکمراں کس قدر سادہ طبیعت تھا۔

گاندھی جی نے اخبار ہریجن (مجریہ ۱۷ جولائی ۱۹۳۷ء) میں لکھا تھا۔

"دنیا بھر کی دولت ان (صدیق اکبر اور فاروق اعظم) کے پاؤں پر تصدق ہونے کو تیار تھی لیکن انہوں نے قناعت۔

پرہیز گاری اور سادہ زندگی بسر کرنے کو ترجیح دی، ان کی پرہیز گارانہ زندگی کی مثال تاریخ کے اوراق میں چراغ لیکر ڈھونڈے سے بھی نہیں مل سکتی، وہ موٹے کپڑے پہنتے اور سادہ خوراک کھاتے۔

حضرت سیدنا فاروق اعظمؓ کے حالات تاریخ اسلام کی تمام متداول کتابوں میں بالتفصیل موجود ہیں اور اس موضوع پر علامہ شبلی نعمانی نے "الفاروق" معرکتہ الآرا کتاب لکھی جس کا آج تک جواب نہ ہوسکا۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر حرف آخر ہے لیکن اس کتاب کا ایک اہم ماخذ امام جمال الدین الفرح جوزی کی کتاب سیرت فاروق اعظم رہی ہے جس کے لیے علامہ شبلی نے مصر و ترکی کے کتب خانے چھان مارے تو یہ کتاب انہیں خطی صورت میں ملی اور انہوں نے اس کتاب سے استفادہ کیا، شبلی کے انتقال کے بعد یہ کتاب حلیہ طبع سے آراستہ ہوئی۔

علامہ جوزی نامور مصنف، عالم، مفسر اور مورخ ہیں انہوں نے حضرت سیدنا فاروق اعظمؓ کے حالات اسئی عنوانوں کے تحت عربی زبان میں قلم بند فرمائے ہیں اور سیرت فاروق کا ایسا دلکش مرقع پیش کیا ہے کہ جسے پڑھ کر بے اختیار تحسین و مرحبا کی صدا دل سے نکلتی ہے اس کتاب کا ہر عنوان مختصر مگر جامع، دلچسپ و دلپذیر مگر محققانہ، تاریخی دلائل سے مضبوط، حقائق و معارف کا مرقع اور ایمان افروز ہے۔

اس کتاب کا عربی زبان سے اردو ترجمہ ملک کے نامور عالم و ادیب شاہ حسن عطا مرحوم نے کیا ہے جو تاریخ، ادب، اور فلسفہ کے عالم تھے وہ ایک علمی خانوادہ کے رکن تھے، ان کی تعلیم و تحصیل مرکز علم و ادب علی گڑھ میں ہوئی وہ ۲۵ر مارچ ۱۹۲۷ء کو سلون ضلع رائے بریلی (یوپی) میں پیدا ہوئے، ۶ر جولائی ۱۹۸۱ء کو عالم آخرت کی راہ لی، ان کی تمام زندگی علم و ادب، تقریر و تحریر، ترجمہ و تالیف میں گزری۔ شاہ صاحب مرحوم کی علوم اسلامیہ اور تاریخ اسلام پر بڑی گہری نظر تھی، اور ان کا نفیس اکیڈمی کراچی سے ایک خاص تعلق خاطر تھا، نظام الملک طوسی سیاست نامہ (اردو ترجمہ) اور الشیخان (عربی) کا ترجمہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ جیسی اہم کتابیں نفیس اکیڈمی سے شائع ہوئیں۔

اور اب نفیس اکیڈمی اپنے اشاعتی پروگرام میں تاریخ اسلام کو سب سے زیادہ اہمیت دیتی ہے اور اس سلسلہ میں ہماری کئی وقیع کتابیں زیر اشاعت ہیں۔

نظام الابواب

ابواب | صفحات

ابواب ——— صفحات

ابواب — صفحات

پیش لفظ

علم و معرفت اور دانش و آگہی، مقام کے خُوگر نہیں۔ علم کی تاریخ میں حرکت نے سب سے اہم کردار ادا کیا ہے۔ علم میں سکون اور جمود اور تعطل گویا اس کے لیے سم قاتل ہیں مفروضات حقائق ثابت نہیں ہوسکتے۔ ان کی جگہ نئے مفروضات یا نئے حقائق لے سکتے ہیں یہ نظریوں کی حد تک بھی دُرست ہے اور شخصیات کی حد تک بھی اگر شخصیات کا معاملہ نازک میں فزوں تر ہے — شخصیات کے باب میں آرار بے حد مختلف اور کبھی کبھی متضاد ہوسکتی ہیں۔ تاہم انسانی تاریخ کے بام سے بعض ایسی شخصیتیں بھی جلوہ فرما ہوئی ہیں جن کی جلوہ سامانیوں سے نگاہیں خیرہ ہو ہو کر رہ گئی ہیں۔ اور جن کی عظمت، جن کی صداقت، جن کی وجاہت، جن کی عبقریت، جن کی ذہانت اور لیاقت کے آفتاب نے یوں عالم آرائی کی ہے۔ یوں بزم گہِ ہستی میں اُجالا کیا ہے۔ یوں تعصّب، عناد، تنگ ظرفی و نفرت کی ظلمتوں کو کافور کیا ہے کہ جمہ شب پرہ، ہر متنفس اور ذی شعور نے ان سے کسبِ ضیا کیا ہے۔ یہ شخصیتیں تعداد میں بہت کم ہیں۔ انہیں انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے۔

سیدنا حضرت عمر بن الخطاب کی ذات والا صفات بھی اسی قسم کی ایک شخصیت ہے اس دل انگیز اور آتشیں شخصیت کے اعجاز نے یکم محرم ۲۴ھ سے آج تک، یعنی اس طویل مدت میں جو اس آفتاب عالمتاب کے روپوش ہونے پر گذری ہے، انسانیت سے برابر تحسین و تعریف اور مدح گستری کا خراج وصول کیا۔ نوشیرواں کی عدل گستری، سکندر کا عزم بالجزم، سقراط کی محبتِ مرگ، لقمان کی دانائی اگر کسی ایک ذات میں مجتمع ہوسکتی ہے تو وہ ذات

پورِ خطّاب کی ذات تھی۔ پوری عالمی تاریخ میں انبیاء علیہم السّلام کو مستثنیٰ کرتے ہوئے کہ وہ سب وحیِ الٰہی کے مخاطب اور برگزیدگانِ روزگار ہوتے ہیں۔ ہمیں فاروقِ اعظمؓ کی سی کوئی ایک شخصیت ایسی نظر نہیں آتی جو اس قدر جامع، اتنی متنوع، اس قدر قوی اور اس درجہ محبّت آگیں ہو، جس میں طوفان کی دھمک اور زلزلہ کی حرکت ہو۔ جس میں اسرافیل کی پکار اور آسمان کا عُلوّ ہو۔ چنانچہ یہی سبب ہے کہ دنیا کی تمام عظیم زبانوں میں اس ذات ملکی صفات پر متعدد کتابیں لکھی جاچکی ہیں جن کا احاطہ یہاں تقریباً ناممکن ہے۔ لیکن یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ اس تمام سرمایہ میں جو درجہ علاّمہ شبلی نعمانی کی الفاروق کو حاصل ہے وہ کسی دوسری تالیف کو میسّر نہ آسکا۔ الفاروق کیا ہے ایک کتاب معرفت ہے۔ اسمیں افسانوں کی دل آویزی ہے اگرچہ یہ افسانہ نہیں۔ اس میں اشعارِ آبدار کی عذوبت اور حلاوت ہے اگرچہ یہ دیوانِ شعر نہیں۔ یہ کتاب فلسفہ وحکمت کی ایک حسین آمیزش ہے۔ جہاں بانی اور جہاں بینی کا ایک حسین مرقع ہے۔ اس میں تجسیم ہے، تصویر ہے۔ عسکری محاربات کی تفصیل ہے۔ عمری تدبّر کی توقیر ہے۔ شاہ ولی اللہ کی تائید ہے۔ ابنِ تیمیہ اور سیوطی کی مزید تائید ہے۔

زیرِ نظر کتاب، الفاروق کے باکمال مُصنّف کے انتقال کے چند سال بعد پہلی بار مصر میں شائع ہوئی۔ علاّمہ شبلی نے الفاروق کے دیباچہ میں جن کتابوں کا ذکر کیا ہے اُن میں یہ کتاب بھی شامل ہے۔ لیکن دیدہ ور مُصنّف کو اس کتاب کے صرف قلمی نسخے کی زیارت نصیب ہوئی تھی جس کے لیے اسے استنبول کا سفر اختیار کرنا پڑا تھا۔ اس کتاب کے مصنّف کا نام نامی امام ابوالفرج ابنِ جوزی ہے جو آج سے تقریباً نوسو سال پہلے بغداد میں متولّد ہوئے تھے۔ ابنِ جوزی پوری علمی تاریخ کے چند منتخب نوابغ (geniuses) میں ہیں۔ امام کی سینکڑوں تصانیف ہیں۔ صرف المغنی فی التفسیر کی اکیاسی جلدیں ہیں۔ پھر تلبیسِ ابلیس ہے، جس کا انگریزی ترجمہ مارگولیتھ نے (DELUSION OF THEDEVIL) کے

نام سے کیا ہے۔ اور ایک اور کتاب ہے، مناقب الامام الشافعی۔ وعظ و تذکیر کے موضوع پر الگ سو کے قریب کتابیں ہیں۔

غرض ابنِ جوزی کی کسی بھی تصنیف کو کسی دوسری زبان میں منتقل کرنا دراصل اس زبان کی حرمت اور برگزیدگی میں اضافہ کرنا ہے۔ اس کتاب میں اَسّی ابواب ہیں اور حضرت عمرؓ کی ولولہ انگیز زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس پر اس کتاب میں سیر حاصل بحث نہ کی گئی ہو۔

شاہ حسن عطا

کراچی، اکتوبر ۱۹۷۹ء

باب ۱

ولادت

(اس سلسلہ میں) محمد ابن سعد نے زید بن اسلم کے حوالہ سے، اور زید بن اسلم نے اپنے والد، اور انھوں نے حضرت عمرؓ بن الخطابؓ کے حوالے سے یہ بیان نقل کیا ہے:۔

"میں فجارِ اعظم ثانی، یعنی عربوں کی دوسری بڑی جنگ کے آغاز سے چار سال پہلے پیدا ہوا تھا۔ اسلام کی دولت سے بہرہ اندوز ہوتے وقت میری عمر چھبّیس سال کی تھی۔

عبداللہ بن عمرؓ کا بیان بھی اسی بیان کے قریں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ والدِ ماجد کے اسلام لانے کے موقع پر میں چھ سال کا تھا۔ عبداللہ بن وہب نے مالک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ایک رات عمرو بن العاصؓ کو خطّاب کے مکان میں روشنیاں سی نظر آئیں۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ خطّاب کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے۔

یہی لڑکا عمر ابن الخطّابؓ تھا!

باب ۲

حضرت عمرؓ کا نسب

محمد بن سعد کی تحقیق کی رُو سے حضرت عمرؓ کا شجرۂ نسب یہ ہے:۔

عمر ابن الخطاب ابن نفیل ابن عبدالعزّٰی ابن ریاح ابن عبداللہ ابن قرط ابن رزاح ابن عدی ابن کعب۔

حضرت عمرؓ کی کنیت ابوحفص یعنی ابوالاسد ہے۔ آپ کا ننھیالی شجرۂ نسب حسب ذیل ہے۔

حنتمہ بنتِ ہاشم بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم۔ ابونعیم اصفہانی نے ابن اسحاق سے روایت کی ہے کہ حنتمہ (والدہ عمرؓ) ہشام بن المغیرہ کی بیٹی ہیں اور ابوجہل حضرت عمرؓ کی والدہ کا بھائی ہے۔ میری تحقیق کی رو سے یہ غلط ہے۔ اس باب میں دارقطنی نے جو کہا ہے وہ ٹھیک ہے۔ دارقطنی نے شجرہ یوں لکھا ہے:۔

حنتمہ بنت ہاشم ذوالرمحین (بیک وقت دو نیزے چلانے والا) ابن مغیرہ ابن عبداللہ ابن عمر، ابن مخزوم ابن یقظ۔ یہاں اشتباہ اس میں ہے کہ حنتمہ کو ہشام ابن المغیرہ کی، جو ابوجہل کا باپ تھا، بیٹی بتایا گیا ہے۔ لیکن اصل میں یوں ہے کہ ہشام بن مغیرہ ابوجہل اور اس کے بھائیوں کا باپ ہے اور حنتمہ ہاشم کی یعنی حارث بن ہشام اور ابوجہل بن ہشام کے چچا کی بیٹی ہیں۔

میرے نزدیک دارقطنی کا یہ قول بھی محلِ نظر ہے کہ ذوالرمحین (صاحب دو نیزہ) ہاشم کو کہا جاتا ہے۔ زبیر بن بکار کا جنھیں انساب سے مقابلتہً زیادہ واقفیت ہے قول ہے۔

مغیرہ بن عبداللہ کے بیٹوں میں ہاشم، جس کے نام پر مغیرہ کی کنیت تھی، ہشام، ہشم، ابو حذیفہ، ربیعہ ذوالرمحین یعنی عمرو، ابو اُمیہ یعنی زاد الراکب (توشہ سواراں) شامل ہیں مغیرہ کی اولاد کی اس فہرست سے ظاہر ہے کہ ہاشم اور ہشام دونوں بھائی ہیں۔ چنانچہ ہاشم حنتمہ کے والد کا اور ہشام ابو جہل کے والد کا نام ہے۔ عبدالغنی حافظ نے حنتمہ کو سعد ابن مغیرہ کی بیٹی کہا ہے۔ یہ درست نہیں ہے۔ درست وہی ہے جو ہم نے لکھا ہے۔

ابو عمر زاہد کا قول ہے کہ لفظ حفص کا مطلب شیر ہے۔ ابو حفص یا ابو الاسد کی کنیت کے بارے میں حضرت عمرؓ کا بیان یہ ہے کہ اول اول آنحضرتؐ نے آپ کو اس لقب سے یاد فرمایا تھا یہ وہ موقع تھا جب آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا تھا:

"ابو حفص! (مراد عمرؓ) کیا تم اپنے نبیؐ کے چچا کو ہلاک کر دو گے؟" اور حضرت عمرؓ نے کہا تھا: "حضورؐ مجھے اجازت دیں تو میں ایسا ہی کروں"۔ لیکن آنحضرتؐ نے یہ کہہ کر حضرت عمرؓ کو روک دیا کہ کہیں لوگ یہ چہ میگوئیاں نہ شروع کر دیں کہ آنحضرتؐ اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کروا دیا کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اسدِ کردگار عمرؓ کو ابو حفص (پدرِ شیر) کہہ کے سب سے پہلے آنحضرتؐ نے مخاطب کیا تھا۔

باب ۳

حضرت عمرؓ کا سراپا

محمد بن سعد نے عبد اللہ بن عمرؓ کے حوالے سے حضرت عمرؓ کی شخصیت کی تصویر یوں کھینچی ہے :-

آپ سُرخ وسفید رنگت کے طویل القامت، کم مو اور مسن انسان تھے اور بقول سَلَمَہ بن الاکوع آپ اپنے بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ کا کام لیتے تھے، یعنی انگریزی اصطلاح میں آپ (LEFT HANDER) تھے۔ عبید بن عمیر کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ اپنی درازیٔ قامت کی رُو سے لوگوں میں ممتاز اور نمایاں تھے۔ ابو رجاء العطاردی نے ابنِ خطابؓ کا یوں تعارف کرایا ہے :-

دراز قامت، جسیم، کم مو، سفید فام، آنکھوں میں بے حد سُرخ ڈورے پڑے ہوئے مونڈھوں میں آگے کی جانب خفیف سا جھکاؤ، بازوؤں پر بالوں کی کثرت جو سُرخی مائل نقاط سے مشخّص تھی، پُر وقار و متین، ہنسوڑ پَن سے مجتنب! یہ تھے حضرت عمرؓ۔ جعفر بن محمد نے اپنے والد کی یہ شہادت قلمبند کی ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ انس بن مالکؓ نے ہمیں بتایا ہے کہ حضرت عمرؓ خضاب کا بھی استعمال کرتے تھے۔ عاصم نے بھی زِرّ سے سُن کر بیان کیا ہے کہ زِرّ کو ایک عید مدینہ میں پڑی، ناگاہ ایک لحیم شحیم، کم مو مردِ ذی وقار دکھائی دیا، جیسے پشتِ اَسپ پر جلوہ فگن کوئی سوار نکل آئے اور لوگ اس کے سامنے سے ہٹتے جائیں! عمر بن الخطّاب یہی تھے۔ شعبی نے کہا ہے کہ حضرت عمرؓ بے حد قوی اور مضبوط

تھے۔ سلمہ بن مخنف نے شعبہ بن سماک سے کہا تھا کہ انھوں نے حضرت عمرؓ کو بے حد بھاری بھرکم پایا تھا۔ ابن عون کا بیان ہے کہ انھیں یہ بتایا گیا کہ حضرت عمرؓ پر جب قاتلانہ حملہ ہوا تھا تو ان کے جسم پر ایک سبز عبا تھی۔ عاصم ابن کلیب الجرمی نے بیان کیا ہے کہ ان کے والد نے عبدالرحمان ابن الاسود سے چلتے ہوئے ملاقات کی۔ انھوں نے (کلیب الجرمی نے) محسوس کیا کہ چلنے میں فاروق اعظمؓ کا رُخ ایک طرف کو ہوتا تھا اور ان کی گردن ایک طرف کو ذرا کشیدہ ہوتی تھی۔ اس کے بعد کلیب نے کہا، "بخدا حضرت عمرؓ کی آتش قدمی کا یہ حال تھا کہ رفتار میں ان کے قدم زمین پر بھرپور پڑتے تھے۔ آواز الگ ان کی پاٹ دار اور گرجدار تھی۔

عبداللہ بن عمر العمری نے زید بن اسلم سے اور زید نے اپنے والد سے سن کر بیان کیا تھا کہ حضرت عمرؓ گھوڑے کے ایک کان کو ایک ہاتھ سے اور دوسرے کو دوسرے ہاتھ سے پکڑتے اور پھر گھوڑے کی پشت پر جھپٹ کر سوار ہو جاتے۔

باب ۴

حضرت عمرؓ تورات کے آبگینہ میں

عبداللہ بن شقیق نے حضرت عمرؓ کے مؤذن (چاؤوش) اقرع سے روایت کی ہے کہ ایک بار حضرت عمرؓ کی ملاقات ایک عیسائی عالم سے ہوئی، آپ نے پوچھا:۔
آپ لوگوں کی کتابوں میں ہمارا بھی کہیں ذکر ہے؟"

عیسائی عالم نے جواب دیا: آپ لوگوں کے ناموں کی تو تصریح نہیں ہے۔ البتہ آپ کی شخصیتوں اور کارناموں پر ضرور روشنی ڈالی گئی ہے"۔ اس کے بعد مزید مکالمہ ملاحظہ ہو۔

حضرت عمرؓ: اچھا میرا تعارف توریت میں کس انداز میں ہے؟

عیسائی عالم: آپ کو وہاں قرنِ حدید (فولادی سینگ) کہا گیا ہے"۔

حضرت عمر: فولادی سینگ سے کیا مُراد لی جا سکتی ہے؟

عیسائی عالم: فولادی سینگ سے مُراد بے حد سخت گیر حاکم یعنی عدل کے معاملے میں متشدّد فرماں روا سے ہے"۔

اس پر حضرت عمرؓ نے اللہ کی حمد و ستائش فرمائی۔

باب ۵

زمانۂ جاہلیت میں حضرت عمرؓ کی امتیازی خصوصیّات

ابوبکر بن خلیثمہ نے ابن خربوذ کے حوالے سے بیان کیا ہے :۔
جب کبھی قریش اور دوسرے قبائل میں جنگ چھڑتی تھی تو مابعداز جنگ مذاکراتِ صلح کے لیے قریش حضرت عمرؓ کا انتخاب کیا کرتے تھے۔ اسی طرح جب کبھی نوبت مناظرہ یا تفاخر کی آجاتی، اس وقت بھی قریش حضرت عمرؓ کو بہ اتفاقِ آرا اپنا نمائندہ مقرر کرتے تھے۔

باب ۶

دعائے رسالتمآبؐ بحق ابنِ خطّابؓ

نافع نے ابن عمرؓ کے اور ابن عمرؓ نے رسالت مآبؐ کے حوالے سے بیان کیا ہے:۔

پیغمبر اکرمؐ نے حضرت عمرؓ کے لیے یہ دُعا مانگی تھی:۔

"خداوندا! ابوجہل بن ہشام اور عمر بن الخطابؓ دونوں میں جسے تو زیادہ عزیز رکھتا ہو، اس کے ذریعہ سے اسلام کی دستگیری فرما۔"

قلبِ عمرؓ اسلام کی زد میں

صفوان نے احمد بن علی اور شریح بن عبید کے واسطوں سے عمر بن الخطابؓ کا مندرج ذیل بیان نقل کیا ہے:۔

"اسلام لانے سے پہلے ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال سے گھر سے باہر نکلا۔ اتفاق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی مسجد (کعبہ) میں تشریف لا چکے تھے۔ میں سردارِ دوجہاں کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ آپ نے سورۃ الحاقہ (قرآن کی اُنہترویں سورۃ) سے تلاوت کی ابتداء کی اور میں تھا کہ الفاظ و تراکیب کے دروبست پر حیران تھا۔ اس موقع پر میرے دل میں اہلِ قریش کی کہی ہوئی وہی بات آئی کہ "اِن الفاظ کا سنانے والا شاعر ہے"۔ عین اس مرحلہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیہ کریمہ پڑھی:۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ٥

یعنی: یہ قرآن فرشتہ عالی مقام کی زبان کا پیغام ہے۔ کسی شاعر کا کلام نہیں۔ مگر اس کا کیا علاج کہ تم میں بہت کم لوگ ایمان والیقان سے بہرہ ور ہو پاتے ہیں۔

اس کے بعد معاً میرے دل میں خیال آیا کہ نعوذ باللہ آپ کوئی سخن طراز اور شعبدہ باز یعنی کاہن تو نہیں ہیں۔ اس کے ساتھ ہی:۔

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ط

یعنی: یہ کسی شعبدہ باز کی لفظی صناعیوں اور اسکے مہملات سے بھی عبارت نہیں

دمگر مصیبت تو یہ ہے کہ) تم میں کم ہی غور وفکر اور تدبّر کی طرف میلان ہوتا ہے، کی تلاوت ہوئی اور اس کے بعد تا اختتام سورۃ یہ بلاغت ریزیاں ہوتی رہیں۔

"اِس کا نزول پروردگار کی جانب سے ہے۔ اور اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم اس میں اپنی طرف سے کچھ بھی اضافہ اور الحاق کی کوشش کرتے تو ہم ان کی شدید گرفت کرتے اور پھر ان کی رگِ گردن کاٹ ڈالتے اور اس وقت تم میں کا کوئی ان کے (پیغمبرؐ کے) اور ہمارے درمیان نہ حائل ہوسکتا، بلاشبہ یہ کتاب احتیاط کاروں کے لیے کتاب موعظت ہے۔

.... یہ الفاظ اپنے جلال بادشاہی کے ساتھ میرے دل میں اتر گئے"۔

دیکھو تو دل فریبیٔ اندازِ نقشِ پا
موجِ خرامِ یار بھی کیا گُل کتر گئی!

باب ۸

حضرت عمرؓ کا قبولِ اسلام

اِس سلسلہ میں مختلف روایات بیان ہوئی ہیں، یہاں چار بیانات پیش کیے جا رہے ہیں:-

پہلا بیان

یہ بیان ابن عباس کا ہے، وہ فرماتے ہیں:-

میں نے عمر بن الخطابؓ سے فاروق کی وجہ تسمیہ پوچھی تو انھوں نے یہ جواب دیا:

"میرے اسلام قبول کرنے سے صرف تین دن پہلے حمزہؓ نے اِسلام سے تشرف حاصل کیا تھا۔ پھر توفیقِ ایزدی نے یہ چاہا کہ اسلام کی دولت سے میں بھی بہرہ اندوز ہوجاؤں۔ چنانچہ میرے دل نے گواہی دی کہ اِس جہان کا خالق اللہ ہی ہے اور تمام دوسرے معبود جھوٹے ہیں۔ اب میرے دل میں رسولِ گرامیؐ سے ملنے کی زبردست لگن پیدا ہوئی۔ قدرتی طور پر میں نے جاننا چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہاں ملاقات ہوسکے گی۔ میری بہن نے بتایا کہ وہ ارقم کے مکان پر ملیں گے۔ یہ مکان اس وقت حضورؐ کے دعوتی مرکز کی حیثیت اختیار کرچکا تھا۔ میں جس وقت وہاں پہنچا تو میں نے آپ کو اپنے رفقاء کے جھرمٹ میں، جن میں حمزہؓ بھی تھے، بیٹھے ہوئے پایا۔ اب میں نے دقّ الباب کیا تو لوگ جیسے ایک طرف کو سمٹ آئے۔ حمزہؓ نے

گھبرا کر پوچھا:۔

"کیا ہوا ؟" لوگ بول اُٹھے، عمر بن الخطابؓ آئے ہیں۔ اس پر آنحضرتؐ خود نکل کے آگئے اور میرے مجامع لباس کو سمیٹتے ہوئے پہلے تو انھیں ہاتھ میں مضبوط تھاما اور پھر مجھے بزور جھٹک دیا۔ ابھی میں سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ گھٹنوں کے بَل زمین پر آ گرا! اس کے بعد پیغمبر خدا صلعم نے مجھے للکارا:۔

"عمر تم باز نہیں آؤ گے؟"

میں مُسخّر ہو چکا تھا، میں نے اعلان کیا:

"اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"۔

میری زبان سے یہ اقرارِ مسلمانی سنکر اہلِ مرکز نے اس جوش کے ساتھ اَللّٰهُ اَكْبَر کا نعرۂ دل انگیز بلند کیا کہ یہ آواز کعبہ میں بیٹھنے والوں تک نے سُنی۔

میں نے ابرام کیا۔ رسُول اللہ! ہم زندہ رہیں یا ہلاک ہو جائیں۔ یہ فرمایئے، کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ اثبات میں جواب سننے کے بعد میں نے کہا تو پھر اسے (اسلام کو) راز میں کیوں رکھا جائے اور آپ کو پیغمبر بنا کر اس دُنیا میں بھیجنے والے کی قسم اب آپ کو منظرِ عام پر آنا پڑے گا۔ چنانچہ آنحضرتؐ دار ارقم سے باہر نکل آئے۔ عالم یہ تھا کہ ہم دو قطاروں میں نکلے تھے۔ یہ قطاریں کیا تھیں چکّی کے دو پاٹ تھے۔ ایک قطار میں حمزہؓ اور دوسرے میں میں تھا۔ اسی عالم میں ہم کعبہ میں داخل ہو گئے۔ میں نے دیکھا کہ قریش کی نظر میری اور حمزہؓ کی جانب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قریش کو اتنا تکدّر اس وقت تک اُس دِن سے پہلے نہ ہوا تھا۔ اسی موقع پر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فاروق (حق اور باطِل میں حدّ فاصِل قائم کرنے والا) کہہ کر پکارا تھا!

دوسرا بیان

اسامہ بن زیدؓ بن اسلم کے والد اور دادا کے توسط سے عمرؓ بن الخطابؓ کا ذیل کا بیان ہم تک پہنچا ہے:۔

"اگر تمھیں میرے اسلام لانے سے دلچسپی ہو تو سُنو":۔

میں رسول اللہ کا شدید مخالف تھا۔ ایک دن میں دار ارقم میں، جو صفا کی پہاڑی پر واقع تھا، آنحضرتؐ کے رُوبرُو آ بیٹھا۔ آپ نے میرا گریبان پکڑتے ہوئے اللہ سے دُعا کی کہ وہ میری ہدایت فرمائے۔ اس دُعا کے ساتھ ہی میں نے اسلام کا اقرار کر لیا۔ اس پر دار ارقم سے ایک خروش سا برآمد ہوا اور نعرہ ہائے تکبیر کی گونج سے مکّے کے دشت وجبل لرز اُٹھے۔

اس وقت تک مسلمان منظر عام پر نہ آئے تھے، لیعنی اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھتے تھے دراصل اب تک ہوتا یہ تھا کہ جب بھی کوئی اسلام قبول کرتا لوگ اس کے درپئے آزار ہو جاتے اور محمدؐ کے عشق کے جُرم میں ایسے مردِ جسور وغیور پر باقاعدہ مار پڑتی تھی پھر وہ بھی مدافعت کرتا۔ بہر حال میں نے اپنے ایک عزیز کے پاس آکے اس کو یہ اطلاع دے دی۔ ساتھ ہی میں نے ایک اور بااثر آدمی کو بھی یہ بتا دیا۔ لیکن میں نے دیکھا کہ یہ دونوں یہ سنکر اپنے اپنے گھروں میں چلے گیے۔ میں نے سوچا یہ کیا ماجرا ہے کہ اِسلام لانے کے جُرم میں اَوروں کو تو مارا پیٹا جا رہا ہے مگر مجھے کوئی ہاتھ تک نہیں لگا رہا۔ اِس پر اس شخص نے کہا:

"کیا تم اپنے اسلام کا اعلان کرنے پر آمادہ ہو؟"

میں نے کہا، "بے شک۔"

اس شخص نے کہا، "اچھا جب سب لوگ کعبہ میں آجائیں تو فلاں سے کہہ دیکھو کہ تم نے یہ حرکت کی ہے! اس لیئے کہ یہ کبھی کسی راز کو پوشیدہ نہیں رکھ سکتا۔ میں نے یہی کیا لیعنی اسس کو بتا دیا۔ یہ سننا تھا کہ اُس شخص نے باآوازِ بلند کہنا شروع کیا کہ عمرؓ نے بھی وہی حرکت کی وہی جُرم کیا (یعنی حلقہ بگوش محمدؐ ہو گئے)۔

پھر کیا تھا لوگ مجھ سے دست و گریباں ہو گئے۔

میرے ماموں نے اعلان کیا، کچھ بھی ہو میں نے اپنے بھانجے کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ کوئی اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ اس پر لوگ مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ اب میں نے جہاں کہیں کسی مسلمان کو دیکھا تو میں نے اسے اس بات پر مائل کیا کہ اگر لوگ اسے ماریں تو وہ بھی انھیں مارے۔ لوگ حجرِ اسود کے پاس بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ وہیں میرے ماموں بھی تھے ایک دن میں وہاں پہنچا اور جاتے ہی اپنے ماموں سے کہا،

"سنتے ہو مجھے تمھاری امان کی ضرورت نہیں، عطائیے تو بلقائیے تو"، میرے ماموں نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی مگر میں نہ مانا۔ پھر کیا تھا اسلام کی راہ میں مارے جانے اور مارنے کا یہ سلسلہ چل پڑا۔ اور پھر وہ دن بھی آیا جب دین کو غلبۂ کامل حاصل ہو چکا تھا۔

ہم نے اس سے پہلے ابنِ اسحاق سے اختلافِ رائے کیا تھا جن کی تحقیق کی رُو سے حضرت عمرؓ کا ماموں ابوجہل تھا۔ لیکن دراصل حضرت عمرؓ کا ماموں عاصی بن ہاشم تھا جسے بدر میں حضرت عمرؓ ہی نے قتل کیا تھا۔ ابنِ سعد نے اس کا ذکر کیا ہے۔ زبیر ابن بکار نے بھی یہی کہا ہے کہ عاصی ابن ہشام کو غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت عمرؓ نے قتل کیا تھا۔ عاصی حالتِ کفر میں مرا۔

زبیر نے ابراہیم بن حمزہ، ابراہیم بن سعد، صالح بن کیسان اور شہاب کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ایک دن حضرت عمرؓ کعبہ میں تشریف فرما تھے کہ اتنے میں سعید بن العاص ادھر آنکلے، انھوں نے آپ کو (حضرت عمرؓ کو) سلام کیا۔ دفعتاً حضرت عمرؓ کو جیسے ایک بات یاد آگئی۔ آپ نے فرمایا، "میرے بھائی بدر میں میں نے تمھارے والد کو نہیں بلکہ اپنے ماموں عاصی بن ہشام کو قتل کیا تھا۔ یعنی جسے میں نے قتل کیا اس سے میرا بھی تعلق تھا، لیکن اگر ایسا بھی ہوتا کہ میں نے تنہا صرف تمھارے والد کو قتل کیا ہوتا جن سے میرا کوئی رشتہ نہ ہوتا تو بھی مجھے ایک مشرک کو ہلاک کرنے کے فعل میں معذرت کی کیا حاجت) اس پر

سعید ابن العاص بولے :-

"اگر آپ نے میرے والد کو مارا بھی تو آپ حق پر تھے اور وہ ناحق پر تھے، میں (ابن جوزی) اس بات کی تصریح کر رہا ہوں کہ زبیر نے دو موقعوں پر عاصی بن ہاشم کو عاص بن ہشام کہا ہے۔ بہر حال حضرت عمرؓ کے سلسلے میں میں نے یہ نام صحت کے ساتھ لیا ہے، شاید راوی نے زبیر سے غلط نام منسوب کر دیا ہے۔ دراصل حضرت عمرؓ نے سعید سے یہ یہ کہا تھا کہ بدر کے موقع پر انھوں نے جسے قتل کیا تھا وہ خود ان کا بھی ماموں عاصی بن ہاشم بن المغیرہ تھا سعید ہی کا باپ نہ تھا۔

حضرت عمرؓ کے اسلام لاتے ہی ان کے خلاف جو فضائے ناسازگار قائم ہوگئی تھی اس سے عہدہ برآ ہونے میں عمرو بن العاصؓ کے والد عاص بن وائل نے بھی ان کی مدد کی تھی۔ زید بن عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ عمرؓ دارِ ارقم میں ڈر سے سہمے بیٹھے تھے کہ عمرو بن العاصؓ کے والد عاص بن وائل ریشمین قمیص پہنے اور ایک زرتار قبا ڈالے وہاں آپہنچے۔ اس وقت تک یہ عاص بن وائل ہمارے حلیفوں میں شامل تھے۔ آتے ہی انھوں نے پوچھا :-

"عمر کیا معاملہ ہے؟"

حضرت عمر نے جواباً کہا "بنی سہم کے لوگوں نے مجھے مار ڈالنے کی ٹھان لی ہے۔"

عاص نے دلاسا دیا۔ "یہ لوگ تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتے۔" اب عاص ارقم کے مکان سے، جو ان دنوں تازہ نفس حلقہ بگوشانِ اسلام کا مأمن تھا، باہر آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ متمنیانِ قتلِ عمرؓ سے وادیٔ صفا بھر چکی ہے۔

عاص نے پوچھا "کیا ارادے ہیں تم لوگوں کے؟"

لوگوں نے کہا "ہم خطاب کے بیٹے عمر کو ماریں گے۔ کیوں کہ وہ بے دین ہوگیا ہے۔"

عاص نے للکارا "عمر کا کچھ نہیں بگاڑا جا سکتا"

اور یہ سن کر لوگ دفعتہً پلٹ گئے۔ ایک بار عبداللہ بن عمرؓ کے پوچھنے پر حضرت عمرؓ نے بھی فرمایا تھا کہ میرے قتل کے ارادے سے جو لوگ دار ارقم پہنچے تھے انھیں عاص ہی نے واپس کر دیا تھا۔ عبداللہ بن عمرؓ نے اس واقعہ کی تصویر یوں کھینچی ہے:

میں ایک مسطح مقام پر کھڑا تھا، میں نے دیکھا کہ لوگ کسی ایک شخص کی قیادت میں جمع ہوتے جا رہے ہیں اور "صبا عمر، صبا عمر" (عمر نے گمراہی کی) کے نعرے بلند کرتے جا رہے ہیں اتنے میں عاص دیباج کی قبائے زرتار میں ملبوس آنکلے اور اعلان کیا کہ عمر ان کی پناہ میں ہیں۔ یہ سن کر لوگ چھٹ گئے۔ مجھے عاص کے اس وقار اور ان کی شخصیت کے جلال پر بے حد حیرت ہوئی۔

تیسرا بیان

ابو زبیر سے جابر نے روایت کی ہے اور جابر نے حضرت عمرؓ کا بیان نقل کیا ہے:۔

"میری ہمشیرہ دردِ زہ میں مبتلا تھیں اس سلسلے میں مجھے گھر سے باہر آنا پڑا۔ اور ایک تاریک رات کو میں کعبے میں داخل ہوا۔ تھوڑی دیر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور حجرِ اسود کی سمت چلے گئے۔ آپؐ کے کفش ہائے مبارک آپ کے ہاتھوں میں تھے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ باہر تشریف لائے۔ اس موقع پر میں نے ایک ایسی صدائے دل انگیز سنی جو اس سے پہلے کبھی نہ سنی تھی۔ چنانچہ جب آنحضرتؐ باہر نکلے تو میں آپ کے پیچھے ہو لیا۔ آپ نے پوچھا "کون ہے؟" میں نے کہا، عمر۔

آنحضرت نے فرمایا "عمر تم دن رات میرے تعاقب میں لگے رہتے ہو۔ کیا ماجرا ہے؟"

اب میں ڈرا کہ کہیں حضورؐ مجھے بددعا نہ دے دیں۔ چنانچہ میں نے اس کے بعد اعلان کیا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔

آنحضرت نے ارشاد فرمایا: عمر اس بات کو ظاہر مت ہونے دو۔"

میں نے عرض کیا "جس نے آپ کو مبعوث کیا ہے اُس کی قسم میں اپنے اسلام کو خفیہ نہیں رہنے دوں گا! یہ ویسے ہی ظاہر ہو گا جیسے کہ میرا شرک ظاہر تھا۔" (ظاہر اور باطن کا یہی انطباقِ کامل (بقول صدیقِ اکبرؓ) اصل اسلام ہے۔ (ش۔ ع۔ ع)

چوتھا بیان

یہ انس بن مالک قول ہے:۔
ایک روز حضرت عمرؓ تیغ بکف اپنے گھر سے نکل آئے، بنی زھرہ کے ایک فرد نے پوچھا: "کدھر کا ارادہ ہے؟"

حضرت عمرؓ بولے، "میرا ارادہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے کا ہے!"

کہنے والے نے کہا: "ایسا کرو گے تو پھر بنی ہاشم اور بنی زہرہ تمھیں چھوڑیں گے نہیں۔" حضرت عمرؓ نے کہا: "معلوم ہوتا ہے، تم بھی دینِ آبائی سے نکل چکے ہو۔" اس پر اس شخص نے کہا "ایک بات کہوں تو بے حد حیرانی ہوگی۔ تمھاری بہن اور بہنوئی بھی نئے دین میں داخل ہو چکے ہیں۔"

اب تو حضرت عمرؓ بے حد غضبناک ہوئے اور اسی حالت میں ان لوگوں کے پاس یعنی اپنی بہن اور بہنوئی کے پاس پہنچے۔ وہیں خبابؓ بھی کہیں چھپے بیٹھے تھے۔ بہن کے گھر میں داخل ہوتے ہی حضرت عمرؓ نے کہا:۔

"یہ کیا سرگوشیاں ہو رہی ہیں؟"

دراصل اس وقت اس گھر میں سورۂ طٰہٰ کی تلاوت ہو رہی تھی۔ بہن اور بہنوئی نے راز کا اخفا کرنا چاہا اور بولے:۔

"ہم لوگ آپس میں کچھ باتیں کر رہے تھے۔"

لیکن حضرت عمرؓ نے للکارا "شاید تم لوگ گمراہ ہو چکے ہو۔" اس پر اُن کے بہنوئی نے کہا "اور اگر جس دین پر تم ہو وہی گمراہی کا دین ہو تو؟"

اب حضرت عمرؓ آپے سے باہر ہو چکے تھے، فوراً بہنوئی پر جھپٹے اور ان کو دے پٹکا

یہ دیکھ کے بنتِ خطابؓ نے اپنے شوہر کو عمر کی گرفت سے چھڑانا چاہا، لیکن انھیں طمانچے رسید کیے گئے۔ اور اس شدّت سے کہ اُن کا چہرہ لہو لہان ہو گیا۔ حضرت عمرؓ کی بہن نے غضبناک ہو کر کہا:۔

"عمر، تمہیں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ تم راہِ حق پر نہیں ہو تو! جہاں تک میرا تعلق ہے میں اللہ کو معبودِ حقیقی اور محمدؐ کو اس کا نبیِ برحق جانتی ہوں"۔

حضرت عمرؓ صورتِ حال سے مایوس سے ہو گئے اور اپنی بہن سے وہ اوراق مانگے جن کی کچھ دیر پہلے تلاوت کی جا رہی تھی۔ فاطمہؓ نے یہ اوراق دینے سے انکار کیا، اسلیے کہ اوراق کے پڑھنے کے کچھ آداب تھے یعنی یہی کہ پڑھنے والا طیب و طاہر ہو۔ حضرت عمرؓ نے فرطِ تجسّس سے ان آداب کو برتنا قبول کیا اور غسل اور وضو کے بعد کتابِ معرفت دیکھنی شروع کر دی۔ ابھی وہ:۔

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ" ہی تک پہنچ پائے تھے کہ ان میں آنحضرتؐ سے ملاقات کی زبردست خواہش بیدار ہوئی۔ "دلّونی علی محمّد"۔ مجھے محمدؐ کے پاس لے چلو"۔ یہ سنتے ہی خبّاب اپنی کمین گاہ سے نکل آئے اور کہا:۔

"عمرؓ مجھے جیسے یقین سا ہے کہ آنحضرتؐ کی یہ دعا کہ اے اللہ اسلام کو عمرؓ یا ابن ہشام کے ذریعہ تقویت بخش"۔ جو آپ نے پنجشنبہ کی شب فرمائی تھی گویا تمھارے ہی حق میں قبول ہو چکی ہے۔ اس وقت رسالت مآب دار ارقم میں جلوہ فرما تھے۔ یہ مکان صفا کی گھاٹی میں تھا۔ حضرت عمرؓ دار ارقم کی جانب چل پڑے۔ لیجیے وہ مقام بھی آگیا۔ محافظینِ در میں طلحہؓ اور حمزہؓ اور آنحضرتؐ کے چند اور دوسرے جاں نثار شامل تھے۔ حمزہؓ نے دیکھا کہ عمرؓ کو آتے دیکھ کر لوگ خائف سے ہیں۔ اس پر انھوں نے کہا:۔

"کوئی مُضائقہ نہیں۔ عمر ہے تو کیا ہوا۔ اگر عمر کی ذات سے اللہ کو بھلائی منظور ہے تو یہ مسلمان ہو جائے گا۔ ورنہ ہم سب بآسانی اسے ہلاک کر سکتے ہیں

یعنی اگر اس نے ہم پر حملہ کیا تو ہم اُس سے نمٹ لیں گے۔ اس اثنا میں رسالتمآبﷺ پر نزولِ وحی ہو رہا تھا۔ آپ اسی عالم میں باہر نکل آئے اور حضرت عمرؓ کا گریبان تھام کر ان سے مخاطب ہوئے:۔

"عمر کیا تم نہیں مانو گے، کیا تم ولید بن المغیرہ کے ذلت انگیز انجام کے منتظر ہو۔ خداوندا! عمر بن الخطابؓ میرے پاس آ گیا ہے اسے ہدایت دے۔

جلالِ نبوت اپنا کام کر گیا تھا۔ حضرت عمرؓ کی زبان پر:۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰه" کے کلماتِ طیبہ جاری ہو چکے تھے۔

اس کے فوراً ہی بعد حضرت عمرؓ نے اپنے مفترض التعظیم سردار سے گزارش کی:۔

"یا رسُول اللہ اب گھاٹی سے باہر نکل آئیے"

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدارِ یار ہو گا
سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہو گا

اقبالؔ

باب ۹

حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کا سن اور اور اس مرحلہ پر مسلمانوں کی تعداد

محمد بن سعد نے زید بن اسلم اور زید نے اپنے والد سے اور ان کے والد اسلم نے حضرت عمرؓ سے نقلِ قول کیا ہے، جس کی رُو سے حضرت عمرؓ نے نبوت کے سال ششم میں اسلام قبول کیا تھا۔ اس وقت ان کی عمر چھبیس ۲۶ سال کی تھی۔

داؤد بن الحصین اور الزہری دونوں متفق ہیں کہ فاروق اعظمؓ کے ایمان لانے سے پہلے کچھ اوپر چالیس ۴۰ مرد و زن مسلمان ہو چکے تھے۔ سعید بن المسیب کا قول ہے کہ اسلامِ عمرؓ کے وقت چالیس مرد اور دس عورتیں رسول اللہ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو چکے تھے۔ عبداللہ بن ثعلبہ بن صعیر کی رائے یہ ہے کہ:۔

چالیس مردوں اور گیارہ عورتوں کے اسلام قبول کر چکنے کے بعد کہیں حضرت عمرؓ مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔

ایک بڑے درجے کے اہلِ علم نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے دائرہ اسلام میں آنے کے بعد کلمہ گو تعداد میں چالیس ۴۰ ہو گئے۔ جن بزرگوں نے آپ سے (حضرت عمرؓ سے) پہلے یہ شرف حاصل کیا تھا ان کے اسماء یہ ہیں:۔

ابو بکرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ۔ الزبیرؓ۔ طلحہؓ۔ سعدؓ، عبدالرحمنؓ، سعیدؓ، ابوعبیدہؓ، حمزۃ بن عبدالمطلبؓ، عبیدہ بن الحارثؓ، جعفر بن ابی طالبؓ، مصعب بن عمیرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ۔ عیاش بن ابی ربیعہؓ، ابوذرؓ، ابوسلمان بن عبدالاسدؓ، عثمان بن مظعونؓ، زید بن حارثہؓ

بلال بن رباح رضؓ، خبّاب بن الارت رضؓ، المقداد رضؓ، صہیب رضؓ، عمار رضؓ، عامر بن فہیرہ رضؓ، عمر بن عنبسہ نعیم بن عبداللہ بن النحام رضؓ، حاطب بن ابی الحارث رضؓ (الجمحی) خالد بن سعید بن العاص رضؓ، خالد بن البکیر رضؓ، عتبہ بن غزوان رضؓ، الارقم بن ابی الارقم رضؓ، انیس رضؓ (ابوذر کے بھائی) واقد بن عبداللہ رضؓ، عامر بن عبداللہ رضؓ، السائب رضؓ، (عثمان بن مظعون رضؓ کے بیٹے)

اب اگر عمر بن الخطاب رضؓ کو شامل کرلیا جائے تو یہ چالیس حضرات ہوئے۔ اوّلین حلقہ بگوشانِ محمد صلعم۔

باب ۱۰

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے پر فلک نشینوں کا سرور

محمد بن سعد نے داؤد بن الحصین اور زہری دونوں سے یہ روایت منسوب کی ہے کہ حضرت عمرؓ کے مشرّف بہ اسلام ہونے پر حضرت جبرئیل علیہ السّلام نے آن کر یہ مژدہ سنایا:-

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آسمان کے مکینوں کو عمرؓ کے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کا بڑا شدید انتظار تھا۔"

یونس بن عبید نے بھی حسن سے یہ روایت کی ہے:-

ساکنانِ گردوں عمرؓ کے اسلام لانے پر بے حد شاداں ہیں۔

خبری رفت زِگردوں بہ شبستانِ ازل
حذر اے پردگیاں پردہ دری پیدا شد!

(اقبالؔ)

باب ۱۱

اسلامِ عمرؓ سے اسلام کا غلبہ

ذیل کا بیان ابنِ عباسؓ کا ہے :-

حضرت عمرؓ کے مشرف بہ اسلام ہو جانے پر دارِ ارقم میں نشاط کی ایک کیفیت طاری ہو گئی اور مجاہدوں نے اس جوش میں نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ اس کی صدائے بازگشت کعبہ میں سُنی گئی۔ مردِ حق کوش (حضرت عمرؓ) نے قبولِ دینِ متین کے ساتھ ہی آقائے دو عالم سے سُوال کیا :-

"اے اللہ کے رسولؐ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟"

اور جواب اثبات میں ملا تو عرض کیا :-

"حضورؐ جب ایسا ہے تو اعلانِ حق میں ہم کیوں درنگ کریں؟"

اس کے بعد آنحضرت دارِ ارقم سے باہر نکل آئے۔ محمد بن سعد نے صہیب ابن سنان کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لا چکنے کے بعد اسلام کی دعوت عام ہو گئی۔ اب ہم لوگ کعبہ میں حلقہ وار بیٹھنے بھی لگے۔ طواف بھی کرنے لگے۔ اور جس کسی نے ہمیں کچھ بُرا بھلا کہا اسے سختی سے جواب دینے لگے۔

قیس ابن حاتم نے عبداللہ ابنِ مسعودؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اسلامِ عمرؓ کے بعد ہم برابر غالب ہوتے گئے۔ یہ اتفاق ہے کہ یہ روایت صرف بخاری میں ہے۔

حسن سے روایت ہے کہ قیامت کے دِن اسلام بذاتِ خود اہلِ محشر میں عمرؓ کو ڈھونڈتا ہوا آئے گا۔ اور پھر ان کا ہاتھ تھام کر عرشِ الٰہی تک پہنچے گا اور یوں گویا ہوگا:۔

پروردگار میں چھپا ہوا تھا، سہما ہوا اور سمٹا ہوا تھا، اس شخص نے (مراد حضرت عمرؓ) مجھے غلبہ دلایا۔ سو اسے اس عمل کی جزا دے۔ چنانچہ ابھی حساب ہو رہی رہا ہوگا کہ فرشتے حضرت عمرؓ کا ہاتھ تھامے ہوئے انھیں خلدِ بریں میں لے جائیں گے!

فرشتے بزم رسالت میں لے گئے مجھ کو
حضورِ آیتِ رحمت میں لے گئے مجھ کو! (اقبالؔ)

باب ۱۲

فارُوق کی وجہ تسمیہ

ایک بار ابن عباسؓ نے حضرت عمرؓ سے فاروق کے لقب کی وجہ تسمیہ پوچھی تو آپ نے اُسامہؓ کی حدیث دُہرائی جس کا آخری حصہ یہ تھا:۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو صفوں میں، جو چکی کے پاٹوں کے مانند تھیں، باہر نکالا۔ اسی عالم میں ہم مسجد میں (مراد کعبتہ اللہ) داخل ہوئے۔ غرض مجھے فاروق (حق و باطل میں تمیز کرنے والا) کہنے کی یہ تقریب تھی۔ ایوب بن موسیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نقل کیا ہے:۔

عمرؓ کے قلب و نظر حق کی آماجگاہ ہیں اور وہ فاروق ہیں۔ یعنی انکے ذریعہ سے اللہ تعالےٰ نے حق و باطل میں حدِ فاصل کھینچی ہے"

محمد بن سعد ابو عمر بن ذکوان سے منسوب کرتے ہوئے ان کا بیان دہراتے ہیں:۔

"میں نے حضرت عائشہؓ سے جب پوچھا کہ عمرؓ کو فاروق کہہ کر کس نے سب سے پہلے یاد کیا، تو اُم المومنین علیہا السلام نے آنحضرتؐ کا نامِ نامی لیا اور فرمایا کہ سب سے پہلے حضور علیہ السلام ہی نے عمرؓ کو فاروق کے لقب سے یاد فرمایا۔

محمد بن سعد نے زہری کا قول پیش کیا ہے کہ ان کی اطلاع کے مطابق حضرت عمرؓ کو فاروق کہہ کر سب سے پہلے اہلِ کتاب (اِس زمانے کے یہود و نصاریٰ) نے پکارا۔ عام طور پر لوگ آپ کو

اسی لقب سے یاد کرتے تھے۔

نزال بن سبرۃ الہلالی کا بیان ہے :۔

ایک دن کا ذکر ہے حضرت علی ابن ابی طالبؓ نے ہمیں بار بخش رکھا تھا۔ ہم نے عمر بن الخطابؓ کا ذکر آپ کی بارگہہ خاص میں چھیڑ دیا۔

آپ نے فرمایا:۔

"عمرؓ وہ جلیل المرتبت ہستی ہیں جسے اللہ رب العزۃ نے فاروق کا خطاب عطا کیا ہے اور آپ کی ذات حق و باطل میں حدِ فاصل بن گئی ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا ہے :"۔

"اے اللہ اسلام کو عمرؓ کی ذات سے غلبہ عطا فرما"

باب ۱۴

ہجرت حضرت عمرؓ بسوئے مدینہ

یہ بیان ابنِ عمرؓ نے دیا ہے :۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف کوچ کرنے کا اذن بخش دیا تو لوگ گروہ در گروہ نکل آئے۔

حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ اس سفر میں:

وہ اور عیاش بن ربیعہ ساتھ ساتھ نکلے تھے"۔

ابنِ اسحاق نے براء بن عازبؓ سے سن کر یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سب سے پہلے مدینہ پہنچنے والوں میں مصعب بن عمیرؓ اور ابنِ مکتومؓ تھے۔ اس کے بعد بلالؓ اور سعدؓ اور عمار بن یاسرؓ یکے بعد دیگرے رہ نوردِ شہرِ یثرب ہوئے اور پھر بیس آدمیوں کی ایک ٹولی میں حضرت عمرؓ نکلے۔ فرات بن ابی بحر نے عقبہ بن حریث سے یہ روایت کی ہے کہ حریث نے کسی کو ابنِ عمرؓ سے یہ پوچھتے ہوئے سنا کہ ان میں (مُراد عبداللہ بن عمرؓ) اور حضرت عمرؓ میں پہلے کس نے ہجرت کی تو اس پر ابنِ عمرؓ قدرے ناراض ہو گئے اور فرمایا :۔

عمرؓ نے مجھ سے پہلے ہجرت کی تھی اور وہ دنیا اور عقبیٰ دونوں میں مجھ سے مافوق ہیں۔

باب ۱۴

مدینہ میں حضرت عمرؓ کا مکان

زہری نے عبید اللہ بن عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ مدینے میں حضرت عمر رض کا مکان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کا ایک جزو تھا۔

باب ۱۵

حضرت عمرؓ کی مواخاتیں

محمد بن سعد نے محمد بن ابراہیم کے حوالہ سے بیان کیا ہے :-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدنی زندگی میں ابوبکر الصدیق اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما میں مواخات ایجاد فرمائی یعنی دونوں کے ایک دوسرے پر برادرانہ حقوق قائم فرما دیئے۔ لیکن سعد بن ابراہیم، عبدالواحد بن عوف اور واقدی نے اس سلسلہ میں علی الترتیب عویمر بن ساعدہ رضؓ، عتبان بن مالک رضؓ اور معاذ ابن عفراء کے بھی نام لئے ہیں۔

باب ۱۶

عمری بصیرت اور وحی الٰہی میں ہم آہنگی

حمید بن انس نے حضرت عمرؓ کا ذیل کا قول نقل کیا ہے :-

"تین امور میں میرا اندازِ فکر عین منشائے خداوندی کے مطابق ثابت ہوا۔ میں نے رسالت مآب سے مقامِ ابراہیم کو جائے نماز بنانے کی گذارش کی تھی (اور کچھ ہی وقفہ کے بعد) "واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی" کے الفاظ نازل ہوئے یعنی مقامِ ابراہیم میں نماز پڑھنے کی اجازت مل گئی، پھر میں نے ہی شہِ دوسرا سے عرض کیا تھا کہ ازواجِ مطہرات کو پردے میں رہنے کا حکم دینا مناسب ہو گا۔ اسلیے کہ ان مخدّراتِ عصمت کی خدمت میں اچھے برے سب ہی طرح کے لوگ حاضر ہوتے رہتے ہیں، چنانچہ آیتِ حجاب نازِل ہوئی۔ ایک اور موقع آیا جب حضورؐ کی ازواج متفقہ طور پر آپ سے احتجاج کرنے آئیں اور میں نے صورتِ حال سے باخبر ہونے کے بعد اِن بیبیوں سے یہ الفاظ کہے :-

"اگر حضورؐ نے تم بیبیوں کو چھوڑ دیا تو عنقریب اللہ تعالیٰ تمھارے بجائے تم سے بہتر بیویاں حضور کی زوجیت میں داخل کر دے گا، تو عین انہی الفاظ کو یعنی عسٰی ربُّہ اِنْ طَلَّقَکُنَّ اَنْ یُبْدِلَہ اَزْواجًا خیرًا مِنکن" (اگر حضورؐ نے تم کو چھوڑ دیا تو عنقریب حضورؐ کا رب اور پروردگار تمھارے بجائے تم سے بہتر بیویاں حضورؐ کی زوجیت میں داخل کر دے گا) وحی کا مرتبہ نصیب ہوا"!

بخاری نے انس سے اور مسلم نے ابنِ عمرؓ کے واسطہ سے، حضرت عمرؓ سے

ان کی رائے اور رائے خداوندی کے اس تطابق کی حدیثیں بھی انہیں الفاظ اور اسی پیرایہ بیان کے ساتھ نقل کی ہیں:۔

صالح بن کیسان نے ابنِ شہاب اور عروہ بن زبیر کے واسطوں سے حضرت عائشہ رضؓ کا قول نقل کیا ہے:۔

"عمرؓ، ازواجِ پیغمبر کے بارے میں برابر حضور انورؐ سے سفارش کرتے رہے لیکن آپ نے عملاً اسے شرفِ قبول نہ بخشا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب حضورؐ اکرمؐ کی ازدواج سورج نکلنے سے پہلے پہلے بیرونِ خانہ تشریف لے جاتی تھیں۔ ایک بار حضرت سودہ رضؓ بھی باہر آئی ہوئی تھیں۔ طویل القامت تو وہ تھیں ہی، عمر رضؓ نے انھیں دیکھتے ہی کہا، "ہم نے سودہ رضؓ کو پہچان لیا" مقصد یہ کہ یہ بات ازواجِ پیغمبر کی شان اور ان کے جلال کے بالکل منافی ہے کہ بر سرِ عام نظر آئیں اور عام لوگوں کی ان پر نظریں پڑیں۔

چنانچہ اللہ نے اس کے بعد ہی آیتِ حجاب نازل فرمائی۔ یہ روایت بخاری اور مسلم دونوں کی رُو سے مستند ہے۔

نافع اور ابن عمرؓ نے بھی فاروق اعظمؓ کا بیان پیش کیا ہے:۔

"مجھ میں اور ربّ العزت میں حجابِ ازواجِ مطہرات، اسیرانِ بدر اور مقام ابراہیم کے باب میں کاملِ اتفاق رائے ظہور پذیر ہوا گویا:۔

متفق گر دید رائے ذوالمنن با رائے من

عبداللہ کا ایک اور قول ہے:۔

چار عمری اجتہادات ایسے ہیں جنھوں نے حضرت عمرؓ کو پوری اُمت پر فضیلت بخش دی ہے:۔

پہلا اجتہاد یہ ہے کہ بدر کے اسیروں کے بارے میں آپ نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو یہ مشورہ دیا کہ انھیں قتل کر دیا جائے۔ بعد میں اس سلسلہ میں۔ ولولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم (اگر وعدۂ الٰہی درمیان نہ آتا تو اسیرانِ بدر کو فدیہ کی خاطر چھوڑ دینے پر تمھیں بہت بڑی عقوبت کا سامنا کرنا پڑتا) کے توبیخی الفاظ منزل من اللہ ہوئے۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ کا، ازواجِ نبیؐ کے حجاب میں آنے پر اصرار شروع ہوا اور حضرت زینبؓ کا یہ تعریضی جملہ کہ ابنِ خطاب نے اب ہم پر بھی حکمرانی شروع کر دی۔ حالانکہ ہمارا گھر وحی کا مہبط اور محل ہے۔" اسی دور کی یادگار ہے۔ اور "واذا سألتموھن متاعا فاسئلوھن من وراء حجاب (اگر تمہیں ان سے یعنی ازواج مطہرات سے کوئی چیز مانگنی ہو تو دوبدو نہیں ان سے پردہ کا لحاظ رکھتے ہوئے طلب کرو) اسی عہد کی تنزیل ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا کہ اے اللہ عمر کی شخصیت کے ذریعہ اسلام کی تائید کر، الگ حیاتِ عمری کا ایک روشن باب مباہات ہے۔ ابوبکرؓ کے دستِ حق پرست پر بیعت میں پہل کر کے حضرت عمرؓ نے اپنی عبقریت ثابت کر دی تھی۔ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا کا بیان ہے:۔

ایک بار وہ اپنے گرامی قدر شوہر آنحضرتؐ کے ساتھ حریرہ کھا رہی تھیں۔ کھانے کے دوران حضرت عمرؓ آگئے۔ چنانچہ انھیں بھی حضورؐ نے مدعو کیا۔ کھاتے ہوتے حضرت عمرؓ کا ہاتھ ان کی انگلیوں سے نادانستہ طور پر مس ہوگیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا:

"اگر حضورؐ نے ازواجِ مطہرات کے باب میں میری رائے قبول فرمائی ہوتی تو بیبیوں کو (مراد ازواجِ نبیؐ) کوئی دیکھ تک نہ سکتا تھا۔ اس کے بعد آیتِ حجاب نازل ہوئی۔

نافع نے ابن عمرؓ کا یہ خیال ہم تک پہنچایا ہے کہ جب کبھی اہم مسئلہ میں خیال آرائیاں شروع ہوتی تھیں تو آخر کار حضرت عمرؓ کا قیاس سب پر سبقت لے جاتا تھا، اور وحیِ الٰہی اس قیاس پر تصدیق کی مہر ثبت کر دیتی تھی۔

باب ۱۷

عمری فضیلت ارشاداتِ نبوی کے آئینے میں

"ان عمر من المحدّثین" کا پس منظر:۔

ابو سلمہ نے حضرت عائشہ سے اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول اُمّتِ مرحومہ کی تحویل میں دیا ہے:۔

گذشتہ اُمّتوں میں کچھ اشخاص محدّثین (INSPIRED) ہو گزرے ہیں۔ اور میری اُمّت میں یہ منصب عمر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے۔ بخاری اور مُسلم دونوں میں یہ قول بروایت سعد بن ابراہیم درج ہے۔ ابنِ عیینہ اور ابن وہب نے محدّثوں سے مُراد وہ لوگ لیے ہیں جو تفہیماتِ الہیہ سے بہرہ اندوز اور القائی اشاروں سے شاد کام ہوتے ہیں۔

ابو سلمہ نے عبدالرحمٰن اور عبدالرحمٰن نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے مندرجہ ذیل پیمبرانہ ارشاد ہم تک پہنچایا ہے:۔

"پچھلے ادوار میں مختلف امتوں کے اندر الہام پذیر شخصیتیں موجود تھیں اور میری اُمت میں اس قسم کی الہام پذیر شخصیت عمر کی شخصیت ہے۔"

صحیحین نے اس روایت کو ملفوظ کیا ہے۔ صحیح بخاری میں الفاظ یہ ہیں:۔

"تم سے پہلے بنی اسرائیل میں کچھ لوگ اگرچہ نبی نہ تھے تاہم وہ کلام الٰہی کے مخاطب ہوتے تھے۔ اُمّتِ محمدیہ میں یہ درجہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے۔"

کیا شیطان حضرت عمرؓ سے گریزاں ہوتا ہے؟

عبدالحمید بن عبدالرحمٰن بن زید سے مروی ہے کہ محمد بن سعد بن ابی وقاصؓ کو ان کے والدِ ماجد سعد بن ابی وقاصؓ نے ذیل کے واقعہ کی اطلاع دی تھی:۔

ایک بار جس وقت کہ حضورؐ کی خدمت میں کچھ قریشی عورتیں حاضر تھیں اور آپ سے اونچی آواز میں بات کر رہی تھیں اور گویا انسانیت کے کارواں سالار سے حاجت برآری کی طالب ہو رہی تھیں۔ حضرت عمرؓ وارد ہوئے اور پیشگاہِ رسالت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔ ان کی آواز سنتے ہی عورتیں جیسے ایک سمت کو سمٹ آئیں۔ اجازت ملنے پر حضرت عمرؓ اندر آ گئے۔ اور رسالت پناہ کے چہرۂ انور پر ایک شادمانی، ایک سرور کی کیفیت دیکھی، عرض کیا:۔

"رسول اللہ! آپکے لب و دنداں ہمیشہ متبسّم رہیں (کیا معاملہ ہے)؟

ارشادِ گرامی ہوا:۔

یہ عورتیں جو ابھی یہاں بیٹھی تھیں بس تمہاری آواز سنتے ہی چھپ گئیں، اور مجھے اس پر تعجب سا ہوا۔" فاروق رضؓ نے کہا:۔

"حضور اصل ہیبت تو آپ کی ہونی چاہیئے تھی۔" اور پھر عورتوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:۔

"اے عقل کی دشمنو تم مجھ سے ڈرتی ہو اور رسول اللہ سے نہیں ڈرتیں؟"

عورتوں نے کہا:۔

"ہاں، تم بہت سخت گیر اور تُند خُو ہو اور رسول اللہ نرمی سے پیش آتے ہیں۔"

اس کے بعد ارشادِ رسالت ہوا:۔

"عمر، بخدا، شیطان تم کو دیکھتے ہی راستہ کاٹ جاتا ہے۔" یہ روایت بخاری اور مسلم میں بھی موجود ہے۔ عروہ نے حضرت عائشہؓ کا ایک اور بیان تاریخ

وسیرت نگاری کے سپرد کیا ہے:۔

رسول اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے کہ ہمیں کچھ ملی جلی آوازیں آئیں اور کچھ شور سنائی دیا۔ رسول اللہ نے کھڑے ہو کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک حبشی عورت تھرک تھرک کر ناچ رہی ہے اور بچے اسے گھیرے ہوئے ہیں، حضورؐ نے مجھے آواز دی "عائشہ ذرا دیکھو" میں آگے بڑھی اور اپنی زنخداں سید کونینؐ کے مونڈھے پہ ٹیک دی اور حبشیہ کو آپ کے سر اور کاندھوں کے بیچ سے دیکھنے لگی (جب کچھ لمحات گزر گئے) تو (میرے شوہر صلعم) نے فرمایا:۔

"اِس منظر سے لطف اندوز ہولیں، اور دیکھو گی یا بس دیکھ چکیں اور میں یہ دیکھنے کے لیے کہ حضورؐ میرا کتنا لحاظ کرتے ہیں، برابر کہتی رہی نہیں، نہیں، یعنی ابھی میں یہ تماشا اور دیکھوں گی۔ اتنے میں ادھر عمرؓ آنکلے، میں نے کہا: لوگ حبشیہ سے پرے ہٹ گئے۔ اس پہ ارشاد ہوا"۔

"میں دیکھتا ہوں کہ شیاطین، عمرؓ کو دیکھ کر بھاگ جاتے ہیں"۔

حبشیہ کا رقص ختم ہوچکا تھا اور حضرت عائشہؓ ادھر سے ہٹ آئی تھیں۔

ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس لیے اس میں غرابت ہے۔

احادیث کی روشنی میں حضرت عمرؓ کا بہشتی ہونا:

سعید بن زید بن عمرو کا بیان:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے کہتے سنا کہ:

"ابوبکر جنتی ہیں، عمر جنتی ہیں، عثمان جنتی ہیں اور علی جنتی ہیں اور سعد بن مالک اور عبدالرحمٰن اور طلحہ اور زبیر سب جنتی ہیں"۔

اس کے بعد سعید بن زید نے کہا کہ:

اس ضمن میں میں نویں آدمی کا بھی نام لے سکتا تھا مگر........ لوگوں نے اصرار

کیا تو اُنھیں انکشاف کرنا پڑا کہ نواں شخص جسے دُنیا میں جنّت کی بشارت ملی وہ خود ہیں۔ اب اگر رسول اللہ کی ذاتِ ستودہ صفات کو بھی شامل کرلیا جائے تو یہ تعداد دس ہوجاتی ہے"۔ اس کے بعد کہا:۔

"اِن بشارت یافتوں میں ایک شخصیت ایسی بھی ہے کہ جس کا رسول اللہ کے ساتھ ہم مزار ہونا اتنی بڑی بات ہے کہ اِس کے مقابلے میں عمر نوحؑ کے اعمالِ خیر بھی کم وزن قرار پائیں گے۔

سلمہ بن زاذان نے انس بن مالک سے ذیل کی روایت نقل کی ہے:۔

ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے سوال کیا:۔
"تم لوگوں میں آج کسی نے کسی جنازہ کی مشایعت کی ہے؟"
حاضرین میں عمرؓ بولے "میں نے کی ہے"۔ پھر پوچھا "کسی نے کسی مریض کی عیادت بھی کی ہے؟" عمر بولے "میں نے"۔ پھر فرمایا، مَن تصدّق، صدقہ کس کس نے دیا؟" عمرؓ بولے "میں نے"۔ اِرشاد ہوا "آج روزے سے کون رہا؟" عمرؓ نے عرض کیا، رسُول اللہؐ، میں روزے سے تھا!"۔ اِس پر فخرِ دوجہاںؐ نے فرمایا:۔
"وَجَبَتْ وجَبَتْ، ضرور ملے گی، ضرور ملے گی"۔ یعنی جنّت میں عمرؓ کا جانا اب بالکل یقینی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ کی جنّت مکانی لقولِ پیمبرؐ:۔

اس سلسلہ میں ابوموسیٰ رضؓ کا بیان یہ ہے:۔

ایک روز رسالت مآب حوائج سے فراغت کے لیے مدینہ کے باہر باغات وصحرا کی جانب نکلے، میں حضورؐ کے پیچھے پیچھے ہولیا اور حائطہ (مراد باغیچہ) کے دروازے پر بیٹھ گیا اور ہر چند کہ حضور انورؐ نے مجھے اِس بات کے لیے حکم نہ دیا تھا۔ میں نے

دربانیِ رسالتمآب کی سعادت اپنالی۔ حضورؐ باغ کے اندر تشریف لے گئے اور فراغت فرمائی۔ اس کے بعد آپ ایک کنوئیں کی جگت پر کنوئیں کے اندر دونوں ٹانگیں لٹکا کے، جلوہ افروز ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں وہاں ابو بکرؓ پہنچ گئے۔ میں نے کہا تم یہیں ٹھیرو، میں اندر جاکر پوچھ آؤں۔ چنانچہ اندر آکے میں نے عرض کیا:۔

"رسول اللہؐ ابو بکرؓ آئے ہیں" فرمایا:۔

"انھیں اندر آنے دو اور انھیں یہ اچھی خبر سنادو کہ وہ جنّتی ہیں"

پھر عمرؓ آپہنچے، ان کے آنے پر بھی ارشاد ہوا:۔

"انھیں آنے دو اور انھیں بھی جنّت کی بشارت دے دو"

یہ روایت مسلم میں بھی موجود ہے۔

مُسلم میں بروایتِ جابر عبداللہ اس واقعہ کی تصویر ان الفاظ میں اتاری گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (کنوئیں کی جگت پر بیٹھتے ہوتے فرمایا) "اِس باغِ سرا کے پائین ایک مردِ جنّتی نمودار ہوگا"

چنانچہ ابو بکرؓ نظر آئے اور ہم نے ابو بکرؓ کو اِس بات پر مبارک باد پیش کی۔ اِس کے بعد آنحضرتؐ نے پھر یہی بات دُہرائی:۔

"اِس باغِ سرا کے پائین ایک مردِ بہشتی نمودار ہوگا" اتنے میں عمرؓ نمودار ہوئے اور ہم نے رسول اللہ کے بشارت آمیز ارشاد پر انہیں بھی مبارک باد پیش کی۔

تیسری بار حضورِ انورؐ نے پھر یہ اعلان فرمایا:۔

"اِس باغ سرا کے پائیں ایک مَردِ جنّت داخل ہوگا" اور اس بار علیؓ داخل ہوتے دکھائی دیئے۔

حضرت عمرؓ سے آنحضرتؐ کا اندازِ تخاطب:۔

سالم بن عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے والد سے نقل قول کیا ہے کہ ایک بار حضرت عمرؓ نے

حضورِ انورؐ سے عمرہ کی اجازت طلب کی۔ حضورؐ نے یہ اجازت دے دی اور فرمایا:۔
"میرے بھائی ہمیں اپنی دعاؤں میں مت بھولنا" یا فرمایا:۔
"میرے بھائی ہمیں اپنی دعاؤں میں شریک کرلینا۔"
حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے "حضورِ انورؐ کا مجھے " یا اخی" (میرے بھائی) کہہ کے پکارنا دنیا و مافیہا کی دولت سے بڑھ کر ہے۔ یعنی مہر کے پرتو کی چمک جس جس شے پر پڑتی ہے اگر وہ سب معاوضہ میں میرے تصرف میں آجائیں تو بھی میں اس "یا اخی" کو، یعنی رسولِ معظمؐ کے اس محبت آگیں اور جوشش ریز طرزِ خطاب کو ہی زیادہ قیمتی شے سمجھوں گا۔

من ایں مقام بدنیا و آخرت ندہم!

گفتی بناز ہیچ مرنجاں مرا ابرو
آں گفتنت کہ ہیچ مرنجانم آرزوست!

سالم نے عبداللہ بن عمرؓ کا یہ قول تقریباً مندرجہ بالا الفاظ میں ایک بار اور نقل کیا ہے:
"عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ کی اجازت مانگی تو سردار انبیاء نے فرمایا:۔
"میرے بھائی ہمیں اپنی نیک دعاؤں میں شامل کرلینا اور ہمیں مت بھول جانا۔"
ارشاد پیمبر کہ "عمرؓ چراغ ساکنانِ بہشت ہیں۔"
سعید بن سعید المقبری نے اپنے والد کے توسط سے ابن عمر کا بیان ہم تک پہنچایا ہے:۔
"عمر بن الخطابؓ اہلِ جنت کا چراغ ہیں۔"

ابوہریرہ رضؓ نے بھی بالکل یہی الفاظ حضورؐ سے منسوب کئے ہیں۔ یہ امام مالکؒ کی احادیثِ غریب ہیں جنہیں واقدی نے جمع کیا ہے۔

ارشاد رسالت مآبؐ کہ :۔

"زبانِ عمر رضؓ حق کی ترجمان ہے۔"

ابوذرؓ نے ہمیں سردارِ دوسراؐ کا ارشاد سنایا ہے :۔

"اللہ نے عمر رضؓ کی زبان پر حق رکھ دیا ہے اور جب وہ بولتے ہیں تو گویا حق بولتا ہے۔"

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت کو ارشاد فرماتے سنا تھا کہ "ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر و قلبه۔"

یہی روایتِ الفاظ نافع نے بھی ابن عمرؓ سے منسوب کی ہے، ان الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ عمر کی زبان اور عمر کا دل حق و صداقت کی آماجگاہ ہیں۔ ابوذر نے حضور پُرنورؐ سے حضرت عمر رضؓ کے بارے میں بعینہٖ یہی کلمات سُنے تھے، یعنی یہ کہ زبانِ عمر رضؓ حق کی نشست گاہ ہیں :

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا قول کہ "آپ کے بعد حق عمرؓ کے ساتھ ہے۔"

ابنِ عباسؓ (آنحضرتؐ کے چچیرے بھائی) نے فضل بن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے:

"میں نے آنحضرت کو یہ کہتے سُنا کہ میں اور عمر رضؓ بہرحال اور بہر صورت ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ عمر رضؓ کہیں ہوں، میرے بعد حق ان کے ساتھ ہے۔"

پیغمبر کی یہ شہادت کہ :۔

"عمر بن الخطّاب باطل سے نفور ہیں"

یہ بیان اسود بن سریع کا ہے "میں رسالت مآب صلعم کی خدمت میں،

حاضر ہوا اور عرض کیا:۔

"میں اپنے پروردگار کی اور حضور کی حمد و ثنا بیان کرتا رہا ہوں"۔ ارشاد ہوا:۔

"تمہارا رب اس حمد و ستائش کو پسند کرتا ہے"۔

میں نے حمد و ثنا کے شاعرانہ الفاظ دہرانے شروع کر دیے تاکہ حضور ان پر صاد کر دیں۔ اتنے میں ایک دراز قامت اور کم مو شخص بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا۔ حضورؐ نے مجھے خاموش رہنے کا حکم دیا۔ نو وارد نے تھوڑی دیر گفتگو کی اور پھر باہر چلا گیا۔ میں نے پھر حمد و ثنا کے الفاظ سنانے شروع کر دیے۔ شخص مذکور پھر آیا اور اس کے آتے ہی حضور انورؐ نے مجھے پھر خاموش ہو جانے کا اشارہ کیا۔ یہ آنا جانا دو تین بار ہوا۔ اب مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے پوچھا:۔

"رسول اللہ، یہ کون صاحب ہیں جن کی خاطر آپ نے مجھے چپ رہنے کا حکم دیا"۔

حضور نے ارشاد فرمایا:۔

"ھذا رجل عمر لا یحب الباطل" یعنی یہ عمرؓ تھے اور یہ شخص وہ ہے جو باطل کو بالکل نہیں پسند کرتا"۔ بعینہٖ یہی روایت الاسود التمیمی نے بیان کی ہے:۔

میں حاضر خدمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ میں کچھ عرض کر رہا تھا کہ ایک طویل القامت شخص بارگہ مصطفوی میں آیا اور اس کے آتے ہی حضورؐ نے سلسلۂ کلام ختم کر دیا۔ اور مجھے خاموش رہنے کا حکم دیا۔ میں نے کہا "حضورؐ یہ کون ہیں جن کی خاطر آپ نے مجھے خاموش رہنے کا حکم دیا"۔ ارشاد ہوا "ان کا نام عمرؓ ہے اور عمرؓ کی ذات میں باطل نے سر مو بھی سرایت نہیں کیا"۔

حسن نے اسود بن سریع سے بھی اسی شان کی روایت منسوب کی ہے۔ اسود نے کہا کہ میں پیغمبر اکرمؐ کے علم و حکمت سے فیض یاب ہو رہا تھا کہ ناگاہ ایک چوڑے چکلے سینہ کا کشادہ جبیں شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضورؐ نے مجھے خاموش رہنے

کا حکم دیا۔ میں نے کہا "اس آدمی کا بُرا ہو۔ یہ ہے کون اور اس کی خاطر مجھے حضورِ رسالتمآبؐ میں کیوں خاموش ہونا پڑے؟ دراصل یہ وہ دَور تھا جب میں نبیؐ کے ساتھیوں کو نہ پہچانتا تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ نووارد کا نام عمرؓ ہے اور یہ خطّاب کے بیٹے ہیں۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ کہیں عمرؓ نے میری بات سُن لی ہوتی تو وہ بلا تکلّف اور بغیر مجھ سے کچھ کہے ہوئے میری ٹانگ گھسیٹتے ہوئے مجھے بقیع تک بھی لے جا سکتے تھے۔ اب سوال یہ اُٹھتا ہے کہ وہ باتیں جنہیں خود حضورؐ سماعت کا شرف بخش دیں۔ انہیں غیر حق یعنی باطل کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ باطل سے تو ظاہر ہے پیغمبرؐ کو سخت ترین اجتناب ہوا کرتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شعراء ارشادِ ربّ العالمین کی رُو سے ہر وادی میں سرگرداں رہتے ہیں اور ان کی فکرِ رسا ہر پیچ و خم کی خبر لیتی ہے اور وہ اچھی بری ہر قسم کی بات سوچتے ہیں۔ اب شاعر دربارِ نبویؐ نے جب کہا کہ میں نے اللہ ربّ العزت کی مدح سرائی کی ہے تو حضورؐ نے ان محامد کو شرف سماعت بخشا۔ اگر اس قصیدے میں کوئی ناموزوں بات ہوتی تو حضورؐ اسے ناپسند فرماتے، لیکن ناپسندیدگی کا اظہار اسی نرمی سے فرماتے جس نرمی اور تلطّف سے آپ نے ایک بار کچھ عورتوں کو "وفینا نبی یعلم ما فی غد" (یعنی ہمارے درمیان کل کی خبر رکھنے والا پیغمبر موجود ہے) پڑھنے سے منع فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنے شاعر کو خاموش رہنے کا حکم اسی لیے دیا تھا کہ آپ انھیں عمرؓ کے ممکنہ احتساب شدید سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے رہا خود آپ کا طرز انکار، سو وہ شفقت ریز اور محبت انگیز ہوتا تھا۔

قولِ پیمبرؐ کہ میری اُمّت میں عمرؓ دین کے معاملات میں اشدالنّاس ہیں:
انس بن مالکؓ نے حضورؐ سے سنا تھا کہ دین کے معاملات میں پوری امت میں عمرؓ سب سے زیادہ سخت گیر ہیں۔

ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ رُوح القدس علیہ السّلام نے ایک بار خدمتِ

نبوی میں باریاب ہو کے عمرؓ کو سلام کہلایا اور پھر کہا کہ عمر کی رضامندی باعثِ توقیر اور ان کا غیظ و غضب حکمت آموزی کا درجہ رکھتا ہے۔

اس حدیث کا (کہ عمرؓ کے غم و غصّہ سے اللہ کو رنج ہوتا ہے) پس منظر!

علی ابن ابی طالبؓ نے ہمیں پیغمبر کا ارشادِ گرامی سنایا ہے کہ عمرؓ کو ناراض مت کرو اور اس سلسلے میں محتاط رہو، اس لیے کہ ابنِ خطّاب کی کبیدگیِ خاطر غضبِ خداوندی کو ابھارتی ہے۔

آنحضرتؐ کی اس تصدیق کا (کہ مرنے کے بعد بھی عمرؓ کا ایمان بعینہٖ قائم رہے گا) پس منظر:۔

اس سلسلہ میں ابوشہر نے عمرؓ بن الخطّاب کا بیان اُمّت کی تحویل میں دیا ہے:۔

رسول اللہ نے مجھ سے فرمایا:۔

"سوچو اس وقت تمھارا کیا حال ہوگا جس وقت تم اپنی قبر میں ہوگے اور تمہارے سامنے منکر اور نکیر ہوں گے۔"

میں نے پوچھا "یارسول اللہ! منکر نکیر کیا ہوتے ہیں؟" فرمایا:۔

"دو فرشتے ہیں جو اپنے پنجوں سے زمین کھودتے ہیں اور اسے اپنے بالوں کی لپیٹ میں لیتے ہوئے قبر میں داخل ہوں گے۔ ان کی آوازیں بادل کی گرج اور ان کی نگاہوں میں بجلی کی چمک ہوگی۔ یہ فرشتے ایک گرزِ گراں کو جسے تمام ساکنانِ دنیا مل کے بھی نہ ہلا سکیں اِس بے تکلّفی سے اٹھائے ہوئے ہوں گے جیسے میں یہ اپنی یہ چھڑی ہاتھ میں لیے ہوئے ہوں۔"

میں نے پوچھا "تو کیا انھیں دیکھ کے بھی میں اپنی اسی حالت میں رہ سکوں گا؟"

ارشاد ہوا:۔

"میری رسالت پر تمھارا ایمان تمھیں ان فرشتگانِ قبر سے محفوظ رکھے گا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی کہ :-

"اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتے"۔

عقبہ بن عامر نے رسول اللہ کا فرمایا ہوا یہ قول ہم تک پہنچایا ہے :-

"اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتے"۔

رُوح القدُس کی ثنا گستری!

اس سلسلہ میں ابو سعیدؓ کے توسط سے پیغمبر اعظمؐ کا یہ ارشادِ گرامی تاریخ کے صفحات پر ثبت ہوا ہے :-

میں نے جبریل علیہ السلام سے سوال کیا کہ آسمانوں پر عمرؓ کا ذکر خیر کیونکر ہوتا ہے؟

جبریل نے کہا :-

"محمدؐ اگر میں آپ کی خدمت میں اتنی مدت بھی باریاب رہوں جتنی مدت نوحؑ اس دنیا میں رہے (یعنی پچاس کم ہزار سال) تو بھی میں زیادہ سے زیادہ عمرؓ کے صرف ایک وصف پر روشنی ڈال سکوں گا۔ اور عمرؓ خود ابو بکرؓ کا ایک وصف ہیں (یعنی ابو بکرؓ کی فضیلتوں اور عظمتوں میں ایک یہ بھی ہے کہ ان کے توسّط سے اُمّتِ مرحومہ کو عمرؓ جیسا حاکم، عادل، مدبّر، مقنّن، معلّم اور مفکّر ملا۔ (ش۔ح۔ع)

ایک دُوسرے موقع پر عمّار بن یاسرؓ کو مخاطب کر کے آنحضرتؐ نے بعینہٖ انہی الفاظ میں اپنے سوال اور روح الامین کے جواب کا ذکر فرمایا تھا۔ اس موقع پر بھی جبریل نے یہ فرمایا تھا کہ :-

"عمری فضائل و مناقب کے لیے عمر نوح بھی ناکافی ہوگی"۔

کتابِ فضل ترا آبِ بحر کافی نیست
کہ تر کند سرِ انگشت و صفحہ بشمارد

دعائے رسالت پناہؐ بحق ابن خطّاب :-

زہری نے سالم اور انھوں نے اپنے والد سے سُن کر کہا:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز عمرؓ کو کوئی کپڑا یا بقول "کتانی" سفید رنگ کی قمیص پہنے ہوئے دیکھا تو اُنھیں اپنی پُرسشِ ملکوتی سے نوازتے ہوئے پوچھا:۔

"عمرؓ، تم نے یہ کپڑا نیا بنوایا ہے یا دُھلا ہوا ہے؟"

عمرؓ نے کہا:۔

"حضورؐ یہ دُھلا ہوا ہے"۔ یا بقول کتانی صرف یہ کہا کہ:۔

"دُھلا ہوا"

اس پر رحمۃ للعالمین نے فرمایا:۔

"تم کو لباس ہائے نو نصیب ہوں اور اچھی زندگی اور مرگِ شہداء"

باب ۱۸

فاروقی فضیلت پر پیمبرانہ خوابوں کی مُہرِ تصدیق

یہ سب سالم بن عبداللہ نے اپنے والد سے سُنا تھا:۔

"ایک بار رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بیان کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ لوگ ایک اونچے ٹیلے پر اکھٹے ہو گئے ہیں۔ اتنے میں ابوبکرؓ نے کھڑے ہو کر ایک یا ڈول کھینچے۔ خدا معاف کرے، ڈول کھینچنے میں وہ ناطاقتی کا بھی اظہار کر رہے تھے۔ اب ان کے ہاتھ سے عمرؓ نے ڈول لے لیا اور عمرؓ کی گرفت میں آتے ہی ڈول بھر گیا اور انھوں نے بلا تکلّف اور بڑے دلاورانہ انداز سے اسے کھینچ لیا۔ اور ان کے اس زورِ بازو کو دیکھ کر لوگ متحیر رہ گئے۔

مسلم نے اسی حدیث کو "عن عاصم، عن ذر عن عبداللہ" کے عنوان سے بیان کیا ہے۔

مسلم میں یہ روایت یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ میں اور ابوبکرؓ ایک بہت بڑے گہرے غار کے کنارے کھڑے ہوئے ہیں۔ میں نے غار کی تہ سے، جہاں پانی تھا، ایک یا دو ڈول کھینچے پھر ابوبکر آگئے۔ انہوں نے بھی ایک دو ڈول کھینچے۔ اتنے میں عمرؓ آئے اور انھوں بالکل بھرا ہوا ڈول کھینچا۔ اس کے بعد حضورِ اکرمؐ نے ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ وہ اس خواب کی تعبیر بیان کریں۔"

ابوبکرؓ نے کہا:۔

"حضور کے بعد زمامِ حکومت میرے سپرد ہوگی اور پھر عمرؓ کے سپرد۔"

نبی علیہ السلام نے فرمایا:۔

"بعینہٖ یہی فرشتہ (مُراد جبرئیل علیہ السلام) نے بھی کہا تھا۔ یعنی تمہاری اور رُوح القدُس کی تعبیریں یکساں ہیں۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور خواب ابُو ہریرہ کے واسطے سے ہم تک پہنچا ہے۔ خواب یہ ہے:۔

"میں نے (مراد رسالت مآب علیہ السلام) دیکھا کہ کچھ سیاہ رنگ کی بھیڑیں ہیں جو میری رعایت میں ہیں اور میں ان کے لیے ڈول کھینچ رہا ہوں۔ تھوڑی ہی دیر میں سیاہ رنگ کی بھیڑوں میں سفید رنگ کی بھیڑیں آملیں۔ اب ابو بکرؓ آئے۔ اور انھوں نے ایک یا دو ڈول کھینچے۔ خدا انھیں معاف کرے، ان کے ڈول کھینچنے میں کہیں کہیں کچھ کمزوری ظاہر ہوتی تھی۔ اسکے بعد عمرؓ آئے اور انھوں نے ڈول سنبھالا تو وہ دفعتہً ملتّب ہوگیا عمرؓ نے لوگوں کو سیراب کیا۔ اور میں نے عمرؓ کی سی برق وشی، جھندگی اور طاقت کسی میں نہیں دیکھی۔ میں نے اس خواب کی یہ تاویل کی کہ سیاہ رنگ کی بھیڑیں عرب ہیں اور سفید رنگ کی بھیڑیں عرب کے بھائی عجمی ہیں (یعنی عجمی لوگ)

سالم نے اپنے والد سے روایت کی ہے:

رسول اللہ کا ارشاد ہوا:۔

"میں سو رہا تھا کہ اتنے میں میرے لیے ایک پیالۂ شیر (شیر یعنی دودھ) آیا۔ میں نے اس پیالہ کو سیراب ہو کر پیا۔ اتنا کہ دودھ میرے دہن کے دونوں طرف سے بہہ نکلا، چنانچہ میں نے زائد دودھ عمرؓ کے لیے چھوڑ دیا" لوگوں نے کہا:۔

"کیا تاویل کی حضورؐ نے اِس خواب کی؟"

فرمایا "عِلم"

یہ روایت بخاری اور مسلم دونوں میں موجود ہے۔

ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"ایک دن میں نے دیکھا کہ لوگ میرے سامنے اس حال میں لائے جا رہے ہیں کہ ان کے جسموں پر قمیصیں تو ہیں مگر ناقص، چنانچہ بعضوں کی قمیصیں تو ان کے سینوں ہی تک ان کے جسموں پر راست ہیں، اور بعضوں کی قمیصیں ذرا کچھ بڑی ہیں مگر قمیصِ عمرؓ اتنی بڑی ہے کہ وہ جب چلتے ہیں تو گویا پارچۂ قمیص زمین پر آ رہا ہوتا ہے۔ لوگ سوال کرتے ہیں۔ "اس خواب کی تاویل کیا ہے؟" ارشاد ہوتا ہے:۔

"دِین"

رسالت مآب علیہ التسلیم کا ایک اور دلکش خواب اَبُو ہریرہؓ کے وسیلہ سے ہمارے علم میں آیا ہے۔ خواب بزبانِ رسالت حسب ذیل ہے:۔

"میں نے اپنے آپ کو جنت میں دیکھا۔ دفعتًہ میں نے دیکھا کہ ایک عورت ایک محل کے کنارے وضو کر رہی ہے۔ میں نے سوال کیا "یہ کس کا قصر ہے؟"

مجھے بتایا گیا کہ قصر عمرؓ ہے۔ مجھے عمرؓ کی جارحانہ خُو یاد آئی اور میں پیچھے لوٹ آیا۔

اِس پر حضرت عمرؓ رو پڑے اور عرض کیا:۔

"اے اللہ کے رسُول کیا آپ سے بھی (نعوذ باللہ) کوئی لڑے گا۔"

حمید بن انس نے، انس سے روایت کی ہے:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں عالمِ خواب میں جنت میں گیا تو وہاں پر مجھے دفعتًہ ایک قصرِ زرنگار نظر آیا۔ میں نے پوچھا یہ قصر کس کا ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ ایک قرشی جوان کے لیے ہے۔ اور جب قرشی کا نام پوچھا تو مجھے بتایا گیا کہ وہ عمر بن الخطّاب ہیں۔" پھر فرمایا گیا:۔

"عمرؓ اگر میں تیری صلابت اور سخت کوشی سے واقف نہ ہوتا تو میں خود اس قصر میں داخل ہو جاتا۔" عمرِؓ جاں نثار نے عرض کیا:۔

"اللہ کے پیمبر، کیا آپ سے بھی کوئی جھگڑا کرتا؟"

محمد بن منکدر نے جابر بن عبداللہ سے رسالت مآبؐ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:۔

"میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے وہاں ایک قصر دیکھا جس کے اندر سے آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ میں نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہ قصر عمرؓ کا ہے۔ میرا جی چاہا کہ اس قصر میں داخل ہو جاؤں، مگر مجھے عمرؓ کی حمیّت یاد آ گئی۔ اس پر عمرؓ رو دئیے اور کہا:۔

"رسول اللہ کہیں آپ کے باب میں بھی حمیّت برتی جاتی ہے؟"

انس سے روایت ہے:۔

رسول اللہ نے فرمایا:۔

"میں جنت میں داخل ہوا تو مجھے ایک قصرِ زر نظر آیا۔ مجھے گمان ہوا کہ یہ میرے لیے ہے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا یہ عمر بن الخطّاب کے لیے ہے۔"

بعد میں نبی صلی اللہ وسلم نے فرمایا:۔

"عمرؓ اگر مجھے تیری غیرت کا علم نہ ہوتا تو میں اس قصر میں داخل ہو جاتا۔ عمرؓ پر گریہ طاری ہو گیا اور انھوں نے عرض کیا":۔

"حضورؐ کہیں آپ سے بھی لڑا جا سکتا ہے۔"

قاسم بن ابی امامہ سے روایت ہے:۔

رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا:۔

"میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے وہاں اپنے آگے قدموں کی چاپ سنی۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے تو بلالؓ نظر آئے، میں اور آگے بڑھا تو گروہِ مہاجرین کے اکثر درویش صفت لوگ نظر آئے۔ عورتوں اور ثروت مندوں میں مجھے وہاں کوئی بھی نظر نہ آیا۔

مجھے بتایا گیا کہ جہاں تک اہلِ ثروت کا تعلق ہے ان کا تو بابِ جنت پر حساب ہو رہا

ہے۔ رہیں عورتیں، تو انھیں زر و ابریشم کی محبت نے غفلت میں ڈالا۔

اس کے بعد جنّت کے آٹھ دروازوں میں سے ہم ایک سے باہر نکلے۔ ابھی میں دروازے سے گزر ہی رہا تھا کہ مجھے ترازو کے ایک پلڑے میں بٹھایا گیا اور دوسرے میں میری اُمّت کو رکھا گیا۔ میرا پلّہ بھاری نکلا۔ پھر ابو بکرؓ کو امت کے ساتھ وزن کیا گیا اور وہ بھی اُمّت سے گراں نکلے۔ اور اس کے بعد عمرؓ کو ایک پلڑے میں رکھ کر امت کے ساتھ موازنہ کیا گیا تو عمر کا پلّہ بھی بھاری رہا۔

باب ۱۹

جانشینانِ پیمبرؐ کی عظمت احادیث کی روشنی میں

ابوسعید خدریؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے نقل کرتے ہیں :۔

" عالی مرتبت اہلِ جنّت کو ان سے پائیں تر لوگ یونہی دیکھیں گے جیسے آسمان کے افق پر چمکدار تارے دکھائی دیتے ہیں اور ابوبکرؓ اور عمرؓ انہی عالی مرتبت اشخاص میں ہیں۔

ایک اور مقام پر ابوسعید خدری نے یہ الفاظ اس ترتیب سے نقل کئے ہیں :۔

" اہلِ جنّت سب سے اونچے درجات اور منازل والوں کو یوں دیکھیں گے جیسے اہلِ دنیا کو آسمان پر کواکب نظر آتے ہیں۔ اور ابوبکرؓ و عمرؓ سب سے اونچی اور عالی رُتبہ منزل کے لوگوں میں ہیں اور یہ اس کے مستحق ہیں "

یحییٰ بن زائدہ نے مجالد سے اور اُنھوں نے اپنے والد کے واسطے سے اَبُوسعید خدری رضؓ سے نقلِ قول کیا ہے :۔

" اہلِ جنّت علییّن کے مکینوں کو یونہی دیکھیں گے جیسے آسمان کے افق پر کواکب (ستارے) دکھائی دیتے ہیں اور ابوبکرؓ و عمرؓ اہل علیین میں ہیں۔ یعنی فردوس بریں کے بلند ترین مدارج پر فائز ہیں (یہی الفاظ دوسرے متعدد طریقوں سے بار بار دہرائے گئے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حدیث کتنی معرکتہ الآراء اور ولولہ انگیز ہے۔ (ش۔ح۔ع)

ربعی بن خراش نے حذیفہ کے توسط سے بعینہٖ یہی نبوی قول نقل کیا ہے۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ نے فرمایا:۔

"میرے بعد آنیوالے دو نفوس (یعنی ابوبکرؓ و عمرؓ) کی اتباع کرو اور عمار بن یاسرؓ کی ہدایت سے ہدایت پذیر ہو اور ابنِ ام معبد کے عہد و پیمان کو اپنے لیے معیار بناؤ۔"

حذیفہ کا ایک اور بیان:۔

"ہم لوگ خدمتِ رسالتِ عظمیٰ میں باریاب تھے۔ نبیؐ کا ارشاد ہوا:"۔

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا، میں تم میں کتنے دن اور رہوں گا۔ بہرصورت میرے بعد ان دونوں کی (ابوبکرؓ اور عمرؓ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے) تقلید کرتے رہو اور انھیں اپنا قائد تسلیم کرو۔ اور عمارؓ سے ہدایت طلب کرو اور ابن مسعودؓ مجھ سے جو باتیں منسوب کریں انھیں بلا چون و چرا تسلیم کرو۔"

عمار بن یاسرؓ سے روایت ہے:۔

"رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میں نے جبرئیل سے مطالبہ کیا کہ وہ ابنِ خطّاب کے مناقب بیان کریں"۔ جبریل بولے:۔

"اس کے لیے عمرِ نوحؑ درکار ہے"۔ (یہاں مجھے عربی اور فارسی کے دو شعر یاد آ گئے۔)

اذا شئت ان تحصی فضائل نفسہٖ
فکن کاتبًا اوفا تخذ لک کاتبًا (عربی)

کتابِ فضلِ تُرا آبِ بحر کافی نیست
کہ ترکند سرِ انگشت و صفحہ بشمارد (فارسی)

عمرؓ کی جلالتِ شان یہ کچھ ہے، مگر وہ خود یعنی ان کی شخصیت گویا ابوبکرؓ کے حسنات میں سے ایک ہے!۔ عبداللہ بن حنطب سے روایت ہے:۔

"میں بارگاہِ نبویؐ میں شرف یاب تھا کہ اتنے میں ابوبکرؓ اور عمرؓ آ گئے۔ انہیں دیکھ کر سردار

وجہاں نے فرمایا:۔

"یہ دمیرے) چشم و گوش ہیں"۔

ثابت نے انسؓ سے سنکر بیان کیا ہے کہ جس وقت مہاجرین و انصار سب ہی دیدار پیمبرؐ سے شادکام ہوتے اور اس نوع کی مجالس میں ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی ہوتے تو آقائے نامدار پہلے انہی کی جانب اِلتفات فرماتے اور انہیں اپنے تبسّم رُوح پرور سے نوازتے۔

ابوسعید خدری سے روایت ہے:۔

"ارشادِ نبویؐ ہے،" میرے دو وزراء اہلِ آسمان میں اور دو اہلِ روئے زمین میں ہیں۔ اہلِ آسمان میں جبرئیل و میکائیل اور اہل ارض میں ابوبکرؓ اور عمرؓ!"

یہی روایت انس بن مالکؓ نے بھی بیان کی ہے۔ ابوسعید خدریؓ نے بھی عین اِسی روایت کو الفاظ کے تھوڑے سے رَدّوبدل سے بیان کیا ہے، اس دوسرے موقع پر اپنے وزراء زمین کا ذکرِ خیر کرنے کے بعد رسالت مآبؐ نے ارشاد فرمایا:۔

"علّیین کے ساکنوں کو زیریں طبقہ کے اہلِ جنّت یوں دیکھیں گے جیسے لوگ زمین سے آسمان کے تاروں کو دیکھتے ہیں اور ابوبکرؓ و عمرؓ علّیین میں اپنے نشیمن بنائیں گے اور یہی دونوں اس کے اہل بھی ہیں"۔

عبدالعزیز بن المطلب نے اپنے والد سے روایت کیا ہے:۔

"ارشادِ رسالتؐ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ آسمان میں جبریل و میکائیل کو اور اہلِ ارض میں ابوبکرؓ و عمرؓ کو میرے لیے نُصرت کا ذریعہ بنایا اور باقی لوگ ان کے بعد آتے ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ یہ دیدہ و گوشِ پیمبرؐ ہیں"۔

محمد بن سیرینؒ ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں:۔

"نومولود پر میری تربت کی مٹی چھڑک دی جاتی ہے"۔

"ابوعاصم کہتے ہیں:۔

"ابوبکرؓ اور عمرؓ کی فضیلت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ انہیں اسی مٹی سے بنایا گیا ہے جس سے رسالت مآبؐ کی تخلیق ہوئی تھی۔

سعید بن جبیرؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے :۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ اور عمرؓ سے فرمایا :۔

"میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ ملائکہ میں تم دونوں میکائیل اور جبرئیل سے اور انبیاء میں ابراہیمؑ و نوحؑ سے مشابہ ہو۔ میکائیل اپنی رحمت اور ابراہیمؑ اپنے عفو و درگذر کی صفتوں کے ساتھ ابوبکرؓ کی شخصیت میں اور جبرئیل اپنی شدّت و ہیبت اور دشمنانِ خدا پر اپنی گرفت اور نوحؑ اپنے پیمبرانہ جلال اور زمین پر کفّار کی بربادیٔ مطلق کی آرزو کے ساتھ عمرؓ کی شخصیت میں جلوہ فرما ہیں"

ابوسفیان نے جابر سے روایت کی ہے :۔

"میں نے سردارِ دو جہاں کو کہتے سنا ہے کہ منافق ابوبکرؓ اور عمرؓ سے محبت نہیں کرسکتا اور مومن ان دونوں سے کینہ و بغض نہیں رکھ سکتا"

دحیہ بن خلیفہ کہتے ہیں :۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نامۂ مبارک میرے حوالہ کر کے مجھے قیصر روم کے پاس روانہ کیا۔ میں نے بادشاہِ روم کو پیغمبرؐ کا نامۂ مقدّس دیا۔ بادشاہ نے مُہرِ نبوت کو جو نامہ پر ثبت تھا، بوسہ دیا اور خط کو مسند کے نیچے رکھ لیا۔ اور پھر اپنے مذہبی سرداروں اور اہلِ قوم کو بلوایا۔ سب جمع ہو گئے تو بقول سفیرِ پیغمبر دحیہؓ کے، بادشاہ نے اپنے سجّادہ شاہی پر کھڑے ہو کر (کسی منبر یا پلیٹ فارم پر نہیں) قوم کو مخاطب کیا اور نامہ کا یہ کہہ کر تعارف کرایا کہ یہ اسماعیل بن ابراہیم کی نسل کے اس پیغمبر کا خط ہے جس کی آمد کی اطلاع ہمیں مسیح علیہ السلام نے دی تھی۔ یہ سننا تھا کہ دربار کی کیفیت وہ ہو گئی کہ بقول فردوسی ؎

خروشی بر آمد ز آتش کدہ!

بادشاہ نے کہا:۔

"ہمیں تمہاری عیسائیت اور نصرانیت کا بھی حال معلوم ہے۔ دوسرے دن مجھے طلب کیا اور مجھے ایک بڑے محل میں لے گیا۔ یہ محل ایک تصویر خانہ تھا۔ تین سو تیرہ تصاویر سے مزین۔ یہ سب تصاویر انبیاء اور مرسلین کی تصاویر تھیں" بادشاہ نے مجھ سے کہا:۔

"ان تصویروں میں اپنے صاحب (مراد نبی علیہ السلام) کی تصویر تلاش کرو۔ مجھے تصویر کی نشان دہی میں کوئی دقت نہ پیش آئی۔ حضورِ انور کی ایک تصویر آویزاں تھی۔ جیسے وہ کسی شے کو دیکھ رہے ہوں" بادشاہ بولا:۔

"تم نے ٹھیک کہا" پھر پوچھا:۔

"یہ دائیں جانب کون ہے؟" میں نے کہا:۔

"یہ پیغمبر ہی کی قوم کا ایک شخص ہے جسے لوگ ابوبکر الصدیقؓ کے نام سے پکارتے ہیں۔ پھر پوچھا اور یہ بائیں جانب کس کی تصویر ہے؟" میں نے کہا:۔

"یہ بھی پیغمبر کا ہم قبیلہ ایک شخص ہے۔ قوم اسے عمر بن الخطابؓ کے نام سے پکارتی ہے" بادشاہ نے کہا:۔

"ہماری کتاب میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دین کو نبیؐ کے ان دو ساتھیوں کے ذریعہ مکمل کرے گا۔ یعنی ان کے ذریعہ اس دین کا پورے طور پر نفاذ ہوگا۔ واپسی میں میں نے نبی علیہ السلام سے یہ سب عرض کیا تو فرمایا:۔

"بادشاہ نے سچ کہا: ابوبکرؓ اور عمرؓ کے ذریعہ سے اس دین کی تکمیل اور کشائش ہوگی" نافع نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے:۔

آنحضرت ﷺ مسجد میں اس شان سے داخل ہوتے کہ آپ کے دائیں ہاتھ ابوبکرؓ اور بائیں ہاتھ عمرؓ تھے، فرمایا

"محشر میں ہم (تینوں) اسی طرح اٹھائے جائیں گے"۔

شیخین دامانِ عبا تھامے ہوئے ہیں حشر میں
ہیں بیچ میں شاہِ زمن اک اس طرف اک اسطرف! (امیر مینائی)

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے :۔

"رسول اللہؐ کا ارشاد ہے کہ قیامت میں جب مجھے اُٹھایا جائیگا تو میں ابوبکرؓ اور عمرؓ کے درمیان ہوں گا، پھر ہم تینوں حرمین کے درمیان کھڑے ہو جائیں گے۔ اسکے بعد اہلِ مدینہ اور اہلِ مکہ آئینگے"۔

علی بن ابی طالب کا خراجِ عقیدت بحضور شیخین :۔

جعفر نے محمد سے اور محمد نے اپنے والد سے روایت کیا ہے :۔
قریش کے ایک فرد نے حضرت علی بن ابی طالبؓ سے عرض کیا :۔

"امیر المومنین آپ کبھی کبھی اپنے خطبات میں فرمایا کرتے ہیں خداوندا ہم میں وہی صفات پیدا کردے جس سے تو نے خلفائے راشدین المہتدین کو نوازا تھا، تو کون ہیں یہ خلفاء راشدین المہتدین (خلفائے رشد و ہدایت، خلفائے صلاح و تقویٰ، خلفائے مجد و شرف) چشمِ مرتضوی نمناک ہوگئی اور فرمایا :۔

"بیٹے میری مُراد اپنے گرامی قدر حبیبوں اور تمہارے چچاؤں، ابوبکرؓ اور عمرؓ سے ہوتی ہے۔ رشد و ہدایت کے امام، اسلام کے مشائخ، قریش کے بزرگ، رسول اللہ کے بعد امت کے مقتدا اور پیشوا، وہ جن کی ہدایت راہِ رشد پر لے جاتی ہے اور لغزشوں اور خطاؤں سے محفوظ رکھتی ہے اور جن سے چسپیدگی اور تمسک سے آدمی کو حزب اللہ میں شامل ہونے کا موقع ملتا ہے، یعنی ان خدا پرستوں میں شامل ہونے کا جو فلاح پاتے ہیں"۔

اسماعیل بن عبدالرحمان نے عبد خیر سے روایت کی ہے :۔

"میں نے علی علیہ السلام کو کہتے سنا ہے کہ :۔

"اللہ تعالےٰ نے جملہ حاکموں اور اولیاء امور کے لیے ابوبکرؓ اور عمرؓ کو

حجت (IDEAL) اور معیارِ مطلق بنایا ہے۔

(یہ بوترابی ارشاد حرف بحرف صحیح ہے۔ بے شمار بڑے درجے کے غیر مسلموں نے بھی جن کی نظر میں پوری عالمی تاریخ تھی۔ ان ہی حضرات کو اپنے لیے معیارِ کامل بنایا ہے۔ یہ امر دیدنی ہے کہ گاندھی جی نے اپنے زمانے میں کانگریسی وزراء کو تقلیدِ ابوبکرؓ و عمرؓ کی تلقین کی تھی۔ اشوک، الفریڈ، نوشیرواں سب کو ابوبکرؓ و عمرؓ مملکت داری کا فن سکھا سکتے تھے۔ حافظ نے خوب کہا تھا ؎

نگارِ ما کہ بمکتب نرفت و خط ننوشت
بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

مگر ابوبکرؓ و عمرؓ سے سبقت لے جانا کتنا دشوار رہے ؎

دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں!

اور جانشینانِ ابوبکرؓ و عمرؓ ان کے معیاروں تک پہنچنے کی کوشش میں کس قدر کوشاں ہوں گے۔ یہاں پھر مجھے ایک شعر یاد آگیا ؎

یہ مہر و ماہ مرے ہم سفر رہے برسوں
پھر اس کے بعد مری گرد کو بھی پا نہ سکے (جگر)

یزید بن وہب کا بیان ہے:

"سوید بن غفلتہ ایک دن علی رضی اللہ عنہ سے ملنے گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ علیؓ امیر المومنین تھے۔ سوید نے عرض کیا:۔

"امیر المومنین میں بعض لوگوں سے ملا ہوں جو ابوبکرؓ اور عمرؓ کو ان کے درجے سے گرانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کی عظیم خدمات کا استخفاف کرتے ہیں۔" شیرِ خدا غضبناک ہو گئے اور اپنی مٹھیاں بھینچتے ہوئے منبرِ خطاب پر جلوہ افروز ہوتے اور پھر...... مرتضوی خطابت کا شاہکار ملاحظہ ہو:۔

"اس کی قسم جو دانے کو اُگاتا اور مخلوق کو پالتا ہے، ان دونوں سے وہی محبت کرے گا جو مومن اور صاحبِ فضیلت ہو گا۔ ان سے بغض و عناد رکھنا شقاوت اور گمراہی ہے۔ محبّتِ شیخین باعثِ تقرّبِ الٰہی اور ان سے عناد ضلالت کا سبب ہے آخر لوگوں کو ہو کیا گیا ہے کہ رسول اللہ کے ان بھائیوں، وزیروں اور دوستوں، سرداران قریش و پدران ملّت کا یوں (بہ بدی) ذکر کرتے ہیں۔ ابو بکرؓ اور عمرؓ کے نام بُرائی سے لینے والوں سے میں بری ہوتا ہوں۔ ایسے بدگو کو اس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔"

باب ۲۰

شیخینؓ کی برگزیدگی گفتارِ نبویؐ کے آئینہ میں

شقیق نے عبداللہ سے روایت کی ہے :۔

"ابوبکرؓ اور عمرؓ کی محبت اور ان کی مرتبہ شناسی سنّت ہے۔ یعنی طریقِ مصطفوی ہے۔"

عبدالعزیز بن جعفر اللؤلؤی نے ایک بار حسنؓ سے پوچھا تھا کہ "آیا شیخین کی محبت سنّت ہے؟" تو انھوں نے کہا تھا "سنّت ہی نہیں فرض ہے!"

طاؤس نے بھی بالکل یہی بات دہرائی ہے۔ مالک بن انس فرماتے ہیں :۔

"قدماء اپنی اولاد کو ابوبکرؓ اور عمرؓ سے محبت کی تعلیم دیتے تھے اور اس تعلیم کو اسی اہتمام کا مستحق قرار دیتے تھے جو قرآن کی سورتوں کے پڑھانے میں روا رکھا جاتا تھا۔

ابو جعفر محمد بن علی الباقر کہتے ہیں :۔

"شیخین کی عظمت سے ناواقف آدمی سیرۃ النبیؐ سے بے خبر رہتا ہے۔ یعنی اسے رسول اللہ صلعم کی شخصیت کی عظمت کا صحیح احساس نہیں ہو سکتا۔"

سالم بن ابی حفصہ نے جعفر بن محمد الباقرؒ کو کہتے سنا تھا :۔

"ابوبکرؓ میرے دادا ہیں، تو کیا کوئی شخص اپنے دادا کو برا بھلا کہے گا۔ اور مجھے محمدؐ کی شفاعت نہ نصیب ہو اگر میں ابوبکرؓ و عمرؓ سے محبت نہ کروں اور ان کے دشمنوں اور معاندوں سے بری الذمہ نہ ہوں۔"

زید بن علیؒ کا بیان ہے کہ :۔

"ابو بکرؓ اور عمرؓ سے بیزاری کا مطلب خود علیؓ سے بیزاری ہے۔"

شعیب بن حرب کہتے ہیں کہ، میں نے مالک بن مغول سے نصیحت کی فرمائش کی۔ فرمایا :۔

"میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ ابو بکرؓ اور عمرؓ سے محبت کرو۔"

میں نے کہا، "میں ان حضرات سے کافی محبّت کرتا ہوں۔" اِس پر مالک نے قدرے آشفتہ ہو کر کہا :۔

"ارے آشفتہ سر ان کی محبت سے تجھے وہی ملے گا جو آدمی کو توحید سے مِلتا ہے۔ گویا وہی بات کہی گئی کہ ؎

غالبؔ ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست
مشغولِ حق ہوں بندگیٔ بُوتراب میں

(ش۔ ح۔ ع)

ابو حازم نے اپنے والد سے سنا تھا کہ :۔

"ایک شخص نے جب علی بن الحسین (زین العابدین) سے دریافت کیا کہ ابو بکرؓ اور عمرؓ کا درجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں کیا تھا۔ تو انھوں نے فوراً کہا :۔

"وہی جو اس وقت ہے اور جیسے یہ دونوں آج نبی علیہ السّلام کے ہم مَرقد ہیں۔ زندگی میں بھی یہ آپ کے اتنے ہی قریب تھے۔"

العتکی کہتے ہیں :۔

ہارون الرشید عباسی نے بھی جب امام مالک سے پوچھا کہ شیخین کی منزلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں کیا ہے تو امام مالکؒ نے بھی رشید کو بعینہٖ یہی جواب

دیا تھا کہ شیخین کی قبروں کو جو قرب قبرِ نبیؐ سے ہے نہ ہی قرب ان مقدس السّر حضرات کو زندگی میں ذاتِ رسالتؐ سے تھا۔ اس پر رشید نے خوب کہا تھا:۔

"مالک آپ نے میرے درد کا علاج کر دیا" یعنی اس باب میں میری مشکل حل کر دی"

سفیان بن عیینہ نے مالک بن مغول کا قول نقل کیا ہے:۔

"تم چاہو تو میں قسم کھا کے کہہ سکتا ہوں کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ کو پیغمبر علیہ السلام کی بارگاہ میں آج بھی وہی قرب حاصل ہے جو انھیں دنیا میں حاصل تھا"

باب ۲۱

فاروقؓ کا تفوق اشخاصِ مابعد پر

ابو جحیفہ نے حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے :۔

"اس اُمت میں نبی صلعم کے بعد سب سے زیادہ محترم شخصیت ابوبکرؓ کی ہے اور ابوبکرؓ کے بعد عمرؓ کا درجہ ہے۔"

انہی ابو جحیفہ کا بیان ہے کہ علیؓ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میں اس سلسلے کے تیسرے آدمی کا نام بھی لے سکتا ہوں۔ یعنی یہ بتا سکتا ہوں کہ کون سب سے زیادہ عالی رتبہ اور بلند پایہ ہے۔"

یہ بخاری کی روایت ہے۔ محمد بن علی بن الحنفیہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سوال کیا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کس کا درجہ سب سے بلند ہے؟" فرمایا،

"ابوبکرؓ کا درجہ اور پھر عمرؓ کا درجہ۔"

عون بن ابی جحیفہ کے والد سے، جو حضرت علیؓ کے محافظتی عملہ میں شامل تھے اور ایک موقع پر پلیٹ فارم (منبر) سے بالکل لگے بیٹھے تھے۔ علیؓ نے فرمایا :۔

"اِس اُمت کے سب سے زیادہ محترم لوگ اس اُمت کے نبیؐ کے بعد ابوبکرؓ اور عمرؓ ہیں۔"

عبد خیر نے حضرت علیؓ سے یہی الفاظ کوفہ کی مسجد میں سُنے تھے اور جس وقت وہ یہ کہتے تھے کہ وہ چاہیں تو اس سلسلے کے تیسرے آدمی کا بھی نام لے سکتے ہیں تو انکی مُراد عثمانؓ سے ہوتی۔

ابو ہریرہ رضؓ کہتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ نے ہمیں نماز پڑھائی اور پھر ہماری طرف رُخ کر کے بیٹھ گئے۔ پھر ارشاد ہوا :۔

"ایک شخص اپنی گائے کو لیے جارہا تھا۔ راستہ میں وہ اس پر سوار ہوگیا۔ گائے بولی: ہم اس لیے نہیں پیدا کیے گئے، ہم تو زراعت کے لیے ہیں"۔ لوگوں نے کہا۔

"سبحان اللہ! گائے کہیں بات کرے گی؟" ارشاد ہوا :۔

"مگر مجھے اس کا یقین ہے۔ اور ابو بکر رضؓ کو اس کا یقین ہے اور عمر رضؓ کو اس کا یقین ہے"۔ پھر فرمایا :۔

"ایک شخص اپنی بھیڑیں چرا رہا تھا۔ ایک بھیڑیا آیا اور اس نے ایک بھیڑ اُچک لی۔ چرواہے نے یہ بھیڑ گرگِ خونخوار کے منھ سے چھین لی۔ اب بھیڑیئے نے کہا :۔

"اس وقت تو تُو نے بھیڑ مجھ سے چھین لی لیکن درندوں کے غلبہ کا دن آئے گا تو تُو اپنی بھیڑیں کیسے بچائے گا؟" لوگ بول اُٹھے :۔

"کیا خوب بھیڑیا بھی بات کرسکتا ہے!" حضورؐ نے فرمایا :۔

"بہر حال مجھے اور ابو بکر رضؓ اور عمر رضؓ کو اس میں کوئی تعجب نہیں ہوگا"۔

علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :۔

"مسجدِ نبوی میں ایک دن رسول اللہ اور میرے سوا کوئی اور نہ تھا کہ اتنے میں ابو بکر رضؓ اور عمر رضؓ ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے باریاب ہوئے۔ انہیں دیکھتے ہی پیغمبرؐ نے فرمایا :۔

"علی، دیکھنا، انبیاء اور مرسلین کے ماسوا جتنے بھی معمّر اہلِ جنت ہیں خواہ وہ قدیم عہد سے متعلق ہوں یا جدید عہد سے، یہ ان سب کے سردار ہوں گے۔ علی رضؓ اس بات کو اپنے تک رکھنا ان دونوں سے مت کہنا"۔

میں نے ان دونوں کی زندگی میں پیغمبرؐ کی یہ بشارت انہیں نہیں سنائی اور نہ یہ بات

کسی اور سے کہی"۔

اسی حدیث کو شعبی کے الفاظ میں سنئے :۔

علی علیہ السلام فرماتے ہیں :

"میں خدمتِ اقدس پیمبرؐ میں حاضر ہوا۔ ادھر سے ابو بکرؓ و عمرؓ گذرے، نبی علیہ السلام نے مجھے اذنِ قربت بخشا۔ میں قریب آیا تو فرمایا :۔

ان دونوں کو دیکھتے ہو۔ یہ بہ استثنائے انبیاء و رسل جملہ سن رسیدہ اہلِ جنت کے پیشوا ہیں۔ اِن دونوں سے یہ بات مت کہنا"

ثعلب کی رائے ہے کہ حضورؐ نے علیؓ کو یہ بات کہنے سے اس لیے روکا تھا کہ پھر ابو بکرؓ اور عمرؓ آپ کی تقلید میں بارِ شکر سے سبکدوش ہونے میں لگ جاتے اور ان کے پاؤں بھی نمازِ شکر ادا کرتے کرتے ورم کر جاتے۔

قتادہؒ نے انسؓ کے توسط سے نبیؐ سے روایت کیا ہے :۔

"ابو بکرؓ اور عمرؓ سردارانِ معمرین اہلِ جنت ہیں اور انبیاء و مرسلین کے ماسوا تمام کے تمام سن رسیدہ اہلِ جنت کے پیشوا اور سردار ہیں"

حسین ابنِ زید بن حسن نے اپنے والد سے، اُنھوں نے اپنے والد سے اور حسنؓ نے علیؓ سے روایت کیا ہے :۔

میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا کہ ابو بکرؓ و عمرؓ آتے دکھائی دیئے۔ فرمایا :۔

"تمام اہلِ جنت، نوجوانانِ جنت اور سن رسیدگانِ جنت انبیا و رسل کو چھوڑ کر ان دونوں کی سرداری میں رہیں گے"

نافع نے ابنِ عمرؓ کے توسط سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے :۔

"میرے جانشینوں کی یعنی ابو بکرؓ و عمرؓ کی پیروی کرو"

علیؓ نہروان سے نمٹ چکے تو ایک تقریر کے ضمن میں فرمایا:۔

"نبی کے بعد اس اُمّت کے سب سے بڑے لوگ ابوبکرؓ اور عمرؓ ہیں۔ ان دونوں کے بعد ہمارے معاملات اور مسائل ایسی شکل اختیار کر گئے کہ ان کا فیصلہ اب اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔"

خالد بن علقمہ نے بھی عبد خیر کے واسطے سے انہی الفاظ میں یہ مرتضوی بیان امت کی تحویل میں دیا ہے:۔

وقیس الخارقی کہتے ہیں:۔

"میں نے علیؓ کو کہتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول ہیں، ابوبکرؓ دوم اور عمرؓ سوم ہیں۔ اس کے بعد ہم فتنوں کا شکار ہو گئے۔"

اس سے مطلب یہ تھا کہ حضرت علیؓ خود اپنے دور کا ذکر از روئے تواضع کر رہے تھے۔

ابوہریرہؓ نے آنحضرت کا ارشادِ گرامی ہمیں سنایا ہے کہ:۔

"ابوبکرؓ اور عمرؓ، پیغمبران و رسل کے بعد زمینوں اور آسمانوں کے تمام مکینوں پر فضیلت رکھتے ہیں۔ اور انسانی برادری کے اولین اور آخرین پر تفوق رکھتے ہیں۔"

شعبہ کہتے ہیں:۔

"میرے شیوخ میں کسی نے بھی نبیؐ کے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ سے بڑا کسی کو تسلیم نہیں کیا۔

یہی عبد خیر جن کا ذکر ابھی ابھی آچکا ہے، حضرت علیؓ سے یہ پوچھتے ہیں کہ:۔

"امیر المومنین یہ فرمایئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جنت میں سب سے پہلے کون لوگ داخل ہوں گے۔" فرمایا:

"ابوبکرؓ و عمرؓ۔" عبد خیر نے مزید سوال کیا:۔

"امیر المومنین، آپ سے بھی پہلے؟ ارشاد ہوا:۔

"اُس کی قسم جو دانہ کو پھاڑتا اور بیماروں کو شفا دیتا ہے، جب میں جنت میں داخل ہوں گا تو یہ دونوں بہشتِ بریں کے ثمر کھار ہے اور اس کے فروش پر بآرام جلوہ گستر ہونگے"۔

ابن عمر کہتے ہیں :۔

"رسول اللہ کے عہد میں جب ہم شخصیتوں کا ذکر کرتے تھے تو ابو بکرؓ کو سب پر ترجیح دیتے تھے۔ اور پھر عمرؓ اور ان کے بعد عثمانؓ کا نام لیتے تھے۔ ان تینوں کے بعد ہم اصحابِ نبی میں کسی کو کسی پر ترجیح نہ دیتے تھے"

قبیصہ بن عقبہ کہتے ہیں :۔

"علیؓ کو ابو بکرؓ و عمرؓ پر ترجیح دینا گویا خود مہاجرین و انصار کی تحقیر کے مرادف ہے اور اور اس صورت میں ایسا کرنے والے کے تمام اعمال مشتبہ قرار پائیں گے"۔

باب ۲۲

دینی امور میں حضرت ابنِ خطّاب کی صَلابت

سماک الحنفی نے ابن عباسؓ سے عمر بن الخطّابؓ کا ذیل کا بیان نقل کیا ہے:۔

"غزوۂ بدر میں ستّر مشرک مارے گئے اور ستّر قید ہوئے۔ قیدیوں کے بارے میں رسول اللہؐ نے ابو بکرؓ سے اور مجھ سے مشورہ فرمایا۔ ابو بکرؓ نے کہا:۔

" اے اللہ کے نبیؐ یہ سب آپ کے ہم قبیلہ لوگ ہیں اور آپ کے بھائی بند ہیں۔ میری رائے ہیں تو آپ ان سے فدیہ لے کر انھیں چھوڑ دیجئے۔ اس رقم سے ایک طرف ہماری قوت میں اضافہ ہوگا اور دوسری جانب یہ امکان بہرصورت موجود رہے گا کہ یہ لوگ ہدایت یاب ہو کر ہمارے لیے قوتِ بازو بن جائیں گے"۔

اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا "ابن خطّابؓ تمہاری کیا رائے ہے؟"

میں نے عرض کیا: " مجھے ابو بکرؓ سے اختلاف ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ ہم لوگ یعنی میں، علیؓ اور حمزہؓ اپنے اپنے عزیزوں کو قتل کر دیں اور اس مقصد کے لیئے ہمارے عزیز ہمارے سپرد ہونے چاہیئں۔ میں ..... کو قتل کردوں اور حمزہؓ ... . کو! ہمیں یہ اس لیے کرنا ہے کہ ہمیں اللہ پر یہ ثابت کرنا ہے کہ ہمارے دلوں میں مشرکوں کے لیے کوئی جذبۂ رحم و محبّت باقی نہیں۔ یہ لوگ (اب بنیادی طور پر ہمارے عزیز اقرباء نہیں بلکہ شِرک کے علم بردار ہیں"۔ رسول اللہؐ نے ابو بکرؓ کی رائے کو پسند فرمایا اور میں نے جو کہا تھا اسے پسند نہ کیا اور قیدیوں سے فدیہ کی رقمیں لے کر چھوڑ دیا۔ دوسرے دن میں نبیؐ

صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے گیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ اور ابو بکرؓ بیٹھے رو رہے ہیں۔ میں نے کہا:۔

" رسول اللہ یہ کیا ماجرا ہے، حضورؐ اور حضورؐ کے رفیق بیٹھے رو رہے ہیں! مجھے گریہ کا سبب معلوم ہو، تاکہ میں اشک شوئی کر سکوں"۔ ارشاد ہوا:۔

"رونے کا سبب فدیہ کی وہ رقوم ہیں جو ساتھیوں کو مل چکی ہیں"۔ اس کے بعد قریب کے ایک درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

"تم پر آتے آتے ٹل جانے والا عذاب اس سامنے کے درخت سے بھی زیادہ نزدیک کے فاصلے پر مجھے دکھایا گیا ہے"۔ اس کے بعد ہی یہ آیت نازل ہوئی:۔

" ماکان.. .. ..عذاب عظیم"

"نبی کو لازم تھا کہ وہ قید کرنے سے پہلے خوب خوں ریزی کرتا....." اور اگر اس سلسلے میں اللہ کا یہ بیان پہلے سے موجود نہ تھا تو تم نے (فدیہ کی جو رقوم) لی ہیں ان کے عوض تم کو بہت بڑا عذاب ملتا"

ابن عمرؓ نے رسول اللہ سے روایت کی ہے کہ جس وقت بدر کے قیدی گرفتار ہو کے آئے تو آنحضرت نے ابو بکرؓ سے مشورہ کیا۔ ابو بکرؓ نے کہا: "یہ لوگ آپ ہی کی قوم کے لوگ ہیں اور ان کا تعلق آپ ہی کے قبیلے سے ہے اس لیے بہتر ہوگا کہ انہیں آپ رہا کر دیں"۔ عمرؓ سے مشورہ ہوا تو ان کی رائے ہوئی کہ قیدیوں کو قتل کر دیا جائے"۔

حضورؐ نے فدیہ لے کر اسیروں کو چھوڑ دیا۔ اس پر "ماکان لنبی .. .. .. الارض والی آیت اتری۔ عمرؓ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو آپ نے فرمایا:۔

"عمر، تیری بات نہ ماننے سے ہم شر (عذاب) کے قریب پہنچ گئے تھے"۔

باب ۲۲

رسالتمآبؐ اور ابوبکرؓ کے بعض افعال پر فاروقِ اعظمؓ کا دیانتدارانہ استفسار

ابن عمرؓ کا بیان ہے:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ فیصلہ کیا کہ وہ عبداللہ ابن اُبی کی نمازِ جنازہ پڑھیں گے تو حضرت عمرؓ نے آپ کا (حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ کا) دامن پکڑ لیا اور عرض کیا:۔

"کیا اللہ تعالےٰ نے آپ کو منافقین کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے نہیں روک رکھا ہے؟"

ارشاد ہوا:۔

"مجھے حق دیا گیا ہے کہ میں دو مختلف صورتوں میں سے کسی کو بھی اختیار کر لوں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے":۔

"ان کے لیے (منافقین کے لیے) تم استغفار کرو یا نہ کرو ستّر بار بھی ان کے لئے استغفار کرو گے تو بھی اللہ انھیں نہیں بخشے گا۔"

غرض آنحضرت نے ابنِ ابیؔ کے لیے مغفرت طلب فرما ہی لی۔ اور پھر یہ الفاظ نازل ہوئے:۔

"ان میں سے کسی کی نمازِ جنازہ ہرگز ہرگز مت پڑھیے۔"

مسلم میں یہ حدیث نافع نے عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں:۔

"میں نے عمر بن الخطابؓ کو کہتے سنا تھا کہ عبداللہ بن ابیؔ جب مرا تو اس کے اعزّہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ اس کی نماز پڑھ دیں۔ آپ نے یہ منظور

فرمالیا اور اس نیت سے منافق کے جنازے پر کھڑے ہو گئے۔ میں حضورؐ کے بالکل سامنے آ گیا۔ اور (احتجاجاً) عرض کیا:۔

"حضور عبداللہ بن ابی کی نمازِ جنازہ پڑھیں گے؟ یہ وہی شخص ہے جس نے مختلف مواقع پر دریدہ دہنی اور گستاخی کی ہے۔ آپ یاد تو کیجئے، اس نے (اسلام کی عداوت میں) کیا کیا نہیں کیا۔ غرض میں نے سردارِ دو جہاںؐ کو عبداللہ بن ابیؓ کے جنازے پر نماز پڑھنے سے روکنے کی پوری پوری کوشش کی مگر آپ نے (اپنی شان رحمت اللعالمینی کے باعث) میری درخواست کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔ ارشاد ہوا:۔

"مجھ سے کہا گیا ہے کہ تم ان کے لیے دعائے مغفرت کرو۔ ستّر بار بھی دعا کرو گے تو اللہ ان منافقوں کو معاف نہیں کرے گا۔ لیکن اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ستّر دفعہ سے زیادہ دعائے مغفرت کرنے سے (ان لوگوں کی) بخشش ہو جائے گی تو میں ایسا ضرور کرتا۔"

اس کے بعد آنحضرتؐ نے عبداللہ بن ابیؓ کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ اور جب تک اسے سپردِ خاک نہیں کیا گیا آپ برابر تشریف فرما رہے۔ بعد میں مجھے خود اپنی جسارت پر حیرت ہوئی میں نے سوچا کہ مجھے تو یہ دیکھنا چاہیئے تھا کہ اللہ اور رسول کا علم ہر ایک کے علم سے ماسوا ہے۔

تھوڑی ہی مدت گزری تھی کہ یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ یعنی:

"وَلا تُصَلِّ علی احد منھم مات ابدا ..... فاسقون"۔

جن میں آنحضرتؐ کو صلوٰۃ جنازہ پڑھنے سے روکا گیا تھا۔ پھر حضورؐ نے کسی منافق کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھائی اور نہ ان میں سے کسی کی قبر پر کبھی کھڑے ہوئے۔

بخاری میں اس حدیث کی روایت یحییٰ بن بکیر نے لیث اور عقیل کے واسطوں سے کی ہے۔

زہری نے براء سے روایت کی ہے:۔

"احد کے معرکے میں ایک موقع پر ابوسفیان بن حرب نے پکار کر کہا:۔
"تم لوگوں کے درمیان محمدؐ ہیں؟"
حضور نے فرمایا، "اسے کوئی جواب مت دو"
ابُوسفیان نے پھر کہا، "تم لوگوں کے درمیان محمدؐ ہیں؟"
پھر ارشاد ہوا:۔ اسے کوئی جواب مت دو"
تیسری بار ابوسفیان نے پھر کہا:۔
"افیکم محمدٌ؟ (تم لوگوں کے درمیان محمدؐ ہیں؟)"
اس کے باوجود آپ نے ابوسفیان کو جواب نہ دینے کا حکم دیا۔
اب ابوسفیان نے پُوچھا:۔
"افیکم ابنِ ابی قحافہ؟" (یعنی یہاں ابوبکرؓ ہیں؟) یہ بات بھی ابوسفیان نے تین بار دہرائی۔

اب کے بھی مجسمۂ وقار، پیغمبر اکرم نے جواب کی اجازت نہ دی۔ اور اب ابوسفیان پکارا۔ "افیکم ابن الخطابؓ" یہ جملہ بھی تین بار دہرایا گیا۔ سرورِ کونین اور خواجۂ عالمؐ نے اس بار بھی حکم نہ دیا کہ ابوسفیان کو جواب دیا جائے۔ ابوسفیان نے سوچا (نعوذ باللہ) یہ تینوں ہلاک ہو چکے ہیں۔ چنانچہ ابوسفیان پکار اٹھا۔

اب باقی لوگ زندہ ہیں بھی تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ان تینوں کا ہلاک ہو جانا ہی کافی ہے۔
حضرت عمرؓ کو یہ سننے کی تاب کہاں تھی۔ انھوں نے للکارا:۔
"اللہ کے دشمن! تو جھوٹا ہے۔ لے دیکھ، یہ رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ اور میں بھی دونوں زندہ ہیں۔ کیا تجھے بدر کا معرکۂ کارزار یاد نہیں رہا؟"
ابوسفیان بولا:۔
"ہم نے بدر کا انتقام لے لیا اور پھر نعرہ بلند کیا:۔

"اعل ھبل"۔ یعنی ہبل سرافراز ہو۔

رسول اللہ نے فرمایا:۔ اسے جواب دو"

صحابہ نے پوچھا:۔

رسول خدا ہم جواب میں کیا کہیں؟" ارشاد ہوا:

کہو "اللہ اعلیٰ واجل" (یعنی اللہ سب سے بلند اور برگزیدہ ہے۔

ابوسفیان پھر بولا:۔ انا لنا العزی ولا عزی لکم" یعنی ہمارا نگہبان عزیٰ اور تم عزیٰ سے محروم ہو"

صفوۃ عالمیان اور تتمہ دورِ زماں نے حکم دیا کہ" اسے جواب دو"

لوگوں نے پوچھا:" اللہ کے پیمبر جواب میں ہم کیا کہیں؟"

ارشاد ہوا:" کہو اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم" یعنی اللہ ہمارا حامی و ناصر ہے اور تم اس کی نصرتوں سے محروم ہو۔

یہ روایت صرف بخاری میں موجود ہے۔

عکرمہ سے روایت ہے کہ ابوسفیان بن حرب نے جس وقت اعل ھبل" کا نعرہ بلند کیا تو حضورؐ نے عمر بن الخطابؓ کو حکم دیا کہ:۔

"اَللہ اعلیٰ واَجلّ" کہیں۔

اور جب ابوسفیان نے "لَنَا العُزّیٰ ولا عزّیٰ لکم" کہا تو رسول اللہ نے عمرؓ کو حکم دیا کہ وہ جواب میں:

اَللہُ مولانا ولا مولیٰ لکمُ۔ کہیں۔

آخر اس میں کیا راز تھا کہ آنحضرتؐ نے اپنے تمام جاں نثاروں میں سب کو چھوڑ کر حضرت عمرؓ ہی کو حکم دیا کہ وہ گروہِ مومنین کی جانب سے ابوسفیان کو (ظاہر ہے یہ اس ابوسفیان کا ذکر ہے جو ابھی مشرف بہ اسلام نہ ہوا تھا۔ ش۔ح۔ع) ترکی بہ ترکی جواب دیں؟ اس انتخاب کے

پانچ اسباب تھے جو یہ ہیں :-

۱ - یہ کہہ کر کہ رسول اللہ موجود ہیں اور یہ ابو بکرؓ ہیں اور ہم سب زندہ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ابوسفیان کو جواب رَد (Rejoinder) دینے میں پہل کی تھی۔ چنانچہ رسالت مآبؐ نے جس وقت ملاحظہ فرمایا کہ عمر کے جوش وخروش نے ان کے دل کو اس درجہ بیقرار کر دیا ہے کہ آپ کے اس حکم کے باوجود کہ ابوسفیان کو جواب نہ دیا جائے وہ ابُو سفیان کی یاوہ گوئی کا تحمل نہ کر سکے۔ تو آپ نے انہیں اپنی جانب سے جواب دینے کا حق عطا کر کے ان کے دلِ مضطرب کی تسکین کا سامان بہم پہنچا دیا۔

۲ - ابوسفیان نے جب اعل ہبل کا نعرۂ کفر بلند کیا تو سب سے پہلے عمرؓ ہی نے آنحضرت کی خدمت میں اس نعرے پر اپنا مومنانہ ردِّ عمل پیش کیا اور سردارِ عرب و عجم نے آپکو جواب کی اجازت دے کر آپ کے کرب والتہاب کا مداوا کیا۔

موسیٰ بن عقبہ نے ابن شہاب الزہری سے روایت کی کہ، جب ابوسفیان نے" اعل ہبل" کا آوازہ بلند کیا تو فاروقؓ نے آقائے دو جہاںؐ سے کہا :-

"رسول اللہ! آپ سُن رہے ہیں دُشمنِ خدا کیا کہہ رہا ہے۔"

رسول اللہ نے فرمایا :

تم پکار کر کہو "اللہ اعلیٰ واجل"

۳ - ظاہر ہے عمرؓ کو توحید کے نور اور اس کے پیغام کا چھپا رہنا ناگوار تھا اور ان کے اسلام لاتے ہی توحید کو غلبہ ہوا تھا چنانچہ اسی لیے آپ کو فاروق کا لقب ملا تھا۔ اب "اللہ اعلیٰ و اجل" کا نعرہ عمرؓ کی زبان سے کہلوا کے، آنحضرتؐ نے اپنے بخشے ہوئے لقب فاروقؓ کی گویا مزید توثیق فرما دی!

۴ - عمر کا دبدبہ وجلال اور ان کی صولت و ہیبت تمام صحابہؓ میں سب پر فزوں تھی آپ کی اسی شان امتیاز کے پیشِ نظر رسالتمآبؐ نے اسے پسند فرمایا کہ کفر کے مقابلے میں

اسلام کی جانب سے آپ ہی برسرِ پیکار ہوں اور آپ ہی مقابلہ پر آئیں۔"

۵۔ آنحضرت کی خاطرِ عاطر پر یہ حقیقت عیاں تھی کہ عمر رضؓ دشمنانِ اسلام سے جنگ کرنے میں سُرور پاتے ہیں اور راہِ حق کے مصائب جھیلنے میں انھیں لذتِ فراواں ملتی ہے۔ حضرت عمرؓ وہی ہیں جنھوں نے اپنے ماموں سے کہہ دیا تھا کہ انھیں ان کی حمایت درکار نہیں اور وہ حق و باطل کی جنگ کی آگ میں بے خطر کود پڑے تھے۔ اس راہ میں انھوں نے مار بھی کھائی تھی اور مارا بھی تھا۔ اسی طرح جب وہ ارضِ شرک سے نکل کر مدینہ آنے لگے تو انھوں نے یہ سب کچھ علی الاعلان کیا اور مکے کے دشت و جبل میں پکار آئے کہ، میں جا رہا ہوں، جسے مجھے روکنا ہو وہ میدان میں آ کے مجھے روکے"۔ انھیں باتوں کے پیشِ نظر حضرت عمرؓ کو یہ شرف بخشا گیا کہ وہ کفر کے نعروں کے جواب میں اسلام کی نمائندگی کریں۔

ابو وائل نے سہل بن حنیف سے روایت کی ہے:۔

آنحضرتؐ اور مشرکین کے درمیان جو صلح ہوئی تھی اس موقع پر ابنِ خطابؓ نے رسالت مآبؐ سے پوچھا تھا کہ:۔

"یا رسول اللہ! کیا ہم حق پر اور وہ (مشرکین) باطل پر نہیں؟"

اور جب آنحضرتؐ نے فرمایا:۔

"ہاں ایسا ہی ہے"

تو فاروقؓ نے عرض کیا:۔

"اگر ایسا ہے تو پھر ہم دین کے معاملے میں، خصوصاً جب کہ اس سلسلے میں کوئی حکم بھی نازل نہیں ہوا، کیوں کمزوری دکھائیں"

ارشاد ہوا:۔

"ابنِ خطاب! میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ تعالےٰ کسی حالت میں بھی مجھے زیاں کار نہ ہونے دے گا"

عمرؓ اب ابوبکرؓ کے پاس پہنچے۔ ان کے غیظ و غضب میں ابھی کمی واقع نہ ہوئی تھی، چنانچہ یہی بات انھوں نے ابوبکرؓ سے کہی، یعنی یہی کہ کیا ہم لوگ حق پر اور مشرکین باطل پر نہیں اور کیا ہمارے مقتول جنت میں اور ان کے جہنّم میں نہیں ہیں ؟۔ تو ابوبکر نے بعینہٖ وہی الفاظ دُہرا دیے۔

"ابنِ خطابؓ! محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ انہیں کسی حالت میں بھی زیاں کار نہیں ہونے دے گا"

کچھ عرصہ بعد قرآن نے اس صلح کو فتحِ مبیں قرار دیا۔ آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو بُلا بھیجا اور انہیں متعلقہ آیات سنائیں۔ حضرت عمرؓ نے پُوچھا:۔

— "آیا یہ صلح واقعی ایک فتح نہیں ؟" اور جب بارگاہِ رسالتؐ سے جواب اثبات میں مِلا تو ان کے دلِ بے قرار کو تسکین حاصل ہوگئی۔

ابوہریرہؓ کہتے ہیں:۔

"ہم سب رسول اللہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی وہاں تھے۔ دفعتہً رسول اللہ کھڑے ہوئے اور نظر سے اوجھل ہوگئے۔ ہم سب حیران تھے کہ آپ کہاں چلے گئے۔ غرض جب بہت کافی دیر ہوگئی اور ہمیں ایک خوف سا لاحق ہونے لگا تو ہم کانپ اُٹھے۔ سب سے پہلے یہ کپکپی مجھ ہی پر طاری ہوئی، ہم تلاش رسولؐ میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور بنی نجّار کے احاطے تک نکل آئے۔ میں نے احاطہ کا ایک چکّر لگایا مگر مجھے کوئی دروازہ نظر نہ آیا۔ ہم اسی شش و پنج میں تھے کہ ہماری نظر ایک نہر پر پڑی جو باغ کو سیراب کرنے کے لیے ایک باہری کنوئیں سے نکالی گئی تھی، چونکہ یہ نہر خاک سے اَٹ چکی تھی۔ میں نے اسے کھودنا شروع کیا اور پھر اسی راستے سے خود باغ کے احاطہ میں جا نکلا۔ آنحضرتؐ نے مجھے دیکھا تو فرمایا:۔

"ابوہریرہؓ! کہو کیا بات ہے ؟" میں نے عرض کیا:۔

"حضورؐ آپ ہم لوگوں کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر آپ اُٹھ گئے اور اتنی دیر تک ہمیں منتظر رکھا کہ ہمیں خوف ہوا کہ کہیں آپ راستہ تو نہیں بھول گئے اور ہم سے بالکل کٹ تو نہیں گئے۔ اس تصّور سے ہم سب لرز اُٹھے اور مجھے تو اس ہولِ دل نے سب سے زیادہ متوحّش کیا۔ چنانچہ میں ڈھونڈتا ڈھونڈتا اس احاطہ تک پہنچا اور اس احاطے کے اندر میں یوں آیا ہوں جیسے کوئی لومڑی سوراخ کھود کے کسی جگہ داخل ہو جائے۔ باقی تمام لوگ بھی باہر کھڑے ہیں۔ حضورؐ نے مجھے اپنے نعلین مبارک عنایت کئے اور فرمایا:۔

"ابو ہریرہؓ! میرے یہ دونوں کفش لو اور باہر جاؤ اور تمہیں اس احاطے کے باہر جو بھی لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دیتا ہوا (یوں کہ اس کے دل میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہو) ملے، اسے یہ اچھی خبر سنا دو کہ وہ جنتی ہے"۔

اتفاقاً سب سے پہلے مجھے عمرؓ ملے ملتے ہی سوال کیا:۔

"ابو ہریرہ! یہ جوتے کیسے ہیں؟"

میں نے کہا "یہ نعلین مُبارک رسول اللہ کے ہیں۔ رسول اللہ نے مجھے ان کے ساتھ اس ہدایت کے ساتھ بھیجا ہے کہ مجھے جو بھی لا اِلٰہ الا اللہ پہ زبان اور دل دونوں سے گواہی دیتا ہوا ملے، میں اسے جنّت کی بشارت دے دوں"۔

"یہ سُننا تھا کہ عمرؓ نے میرے سینے پر اس زور سے ہاتھ مارا کہ میں زمین پر آرہا اور اس کے بعد مجھ سے کہا:۔

"ابو ہریرہؓ واپس چلو"۔

میں رسول اللہ کے پاس لوٹ آیا۔ عمرؓ میرے پیچھے پیچھے تھے۔ آتے ہی میں نے زار و قطار اور بلک بلک کر رونا شروع کیا۔ حضورؐ نے پوچھا:۔

"ابو ہریرہؓ تمہیں کیا ہوا؟"

میں نے اول سے آخر تک سارا ماجرا بیان کیا۔ اب آنحضرتؐ نے عمرؓ سے کہا:۔

"عمرؓ آخر تم نے ایسا کیوں کیا؟" عمرؓ بولے:۔

"رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپ نے ابوہریرہؓ کو اپنے کفش عنایت کرکے یہ حکم دیا ہے کہ ہر اُس شخص کو جو لا الٰہ الا اللہ کہتا ہو اور اس پر دل سے یقین رکھتا ہو، جنت کی بشارت دیتے پھریں۔"

حضورؐ نے فرمایا: "ہاں میں نے اس قسم کا حکم دیا ہے۔"

عمرؓ نے کہا:۔

"حضورؐ ایسا نہ کیجئے، اس لیے کہ پھر لوگ اتنے ہی پر قانع ہو جائیں گے اور عمل کرنا چھوڑ دیں گے۔"

ایک اور روایت ہے اور اعمش کو راوی کی شخصیت کے بارے میں شک ہے۔ بہرحال راوی یا تو ابوسعیدؓ ہیں یا ابوہریرہؓ۔ روایت یہ ہے۔

غزوہ تبوک کے موقع پر لوگ بھوک سے نڈھال ہو گئے اور بولے:۔

"رسول اللہ! آپ حکم دیں تو ہم اپنی سواری کے جانور ذبح کر ڈالیں تاکہ ہمیں بھوک سے نجات ملے۔"

رسول اللہ نے فرمایا:۔

"ایسا ہی کرو۔" مگر حضرت عمرؓ نے اس معاملہ میں مداخلت کی اور عرض کیا:۔

"رسول اللہ اگر ایسا ہوا تو سواریاں بہت کم رہ جائیں گی۔ بہتر یہ ہوگا کہ حضورؐ لوگوں کو حکم دیں کہ وہ اپنے اپنے کھانے اپنے ساتھ لائیں۔ پھر آپ دعا فرمائیں کہ اللہ عزّوجلّ اس کھانے میں برکت دے۔"

رسول اللہ نے یہی کیا کہ دسترخوان بچھوا دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ:۔

"اپنے اپنے کھانے ساتھ لائیں۔"

عجیب منظر تھا، کوئی اپنے ساتھ ایک مٹھی کھجور لایا، کوئی مٹھی بھر دانے، کوئی کچھ اور کوئی کچھ۔

اور تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ بہت سی مختلف چیزیں جمع ہو گئیں۔ اب حضورؐ نے برکت کی دعا فرمائی اور حکم دیا کہ اپنے اپنے برتن بھر لو۔ لوگوں نے اپنے اپنے برتن کھانے کے سامان سے بھر لیے عالم یہ تھا کہ مصطفوی فوج کے ہر شخص کو اس کا پورا پورا حصّہ مل چکا تھا۔ سب نے خوب کھایا پیا اور سب سیراب ہوئے اور مطمئن اور آسودہ اور دستر خوان پر سب کے ہاتھ تطاول آزما ہوئے اور کھانا پھر بھی بچ رہا۔ اس پر رسول اللہ نے فرمایا:۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی قابلِ پرستش نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، اگر کوئی بندہ لا اِلٰہ اِلّا اللہ اور محمّد رسول اللہ کے ساتھ، یعنی یوں کہ ان حقائق میں اسے ادنیٰ سا بھی شک نہ ہو، اللہ سے ملاقات کرے گا تو جنّت کے دَر اس کے لیے وا ہو جائیں گے۔"

ابن عباس سے روایت ہے:۔

"ایک شخص عمرؓ کے پاس آیا اور ان سے بیان کیا کہ ایک عورت اس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی اس نے (آدمی نے) عورت کو اپنے ساتھ بٹھا لیا اور پھر وہ اُس سے متلذذ ہوا، مگر جنسی طور پر شادکام ہونے کی حد تک نہیں۔"

"کم بخت، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اِس عورت کا شوہر جہاد پر گیا ہوا ہے اور یہ عرصہ سے جنسی لذّت سے محروم ہے۔"

وہ آدمی بولا، "ہاں ایسا ہی ہے۔"

پھر فرمایا: "ابوبکرؓ کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو۔"

ابوبکرؓ نے بھی واقعہ سُن کر بعینہٖ یہی کہا کہ شاید یہ عورت مدّتوں سے اپنے شوہر سے دُور ہے۔" اس کے بعد یہ شخص رسالت مآبؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ حضور نے بھی عمرؓ اور ابوبکرؓ والی بات دُہرا دی۔ اس کے بعد قرآن کی آیت نازل ہوئی:۔

دِن کے دونوں کناروں یعنی صبح و شام میں اور رات کے ایک حصّہ میں نماز ادا کرو۔ نیکیاں برائیوں کے اثر کو زائل کر دیتی ہیں۔" اس شخص نے پُوچھا:۔

رسول اللہ یہ رعایت خاص میرے لیے ہے کیا؟ یا اس رعایت کے مستحق تمام
وگ ہیں؟"

عمرؓ نے اس آدمی کی چھاتی پر ہاتھ مار کے کہا:۔
"کوئی نعمت ایسی نہیں جو سب کے لئے نہ ہو۔ تمہاری ہی کیا خصوصیت"۔
رسالت مآبؐ نے قولِ عمرؓ کی تصدیق فرمادی اور فرمایا "صَدَقَ عمر!"
ابن سیرینؒ نے عبیدہ سے روایت کیا ہے۔
وہ کہتے ہیں کہ عیینہ بن حصین اور اقرع بن حابس ابو بکرؓ کی خدمت میں باریاب ہوئے
اور عرض کیا:

"اے خلیفۂ رسول اللہ! ہمارے پاس بنجر اور شورہ زار زمین ہے۔ یہ زمین قطعاً
نفع بخش نہیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو یہ زمین ہمارے نام لکھ دیں"۔
صدیق اکبرؓ نے ایسا ہی کیا اور ان حضرات کو ایک سند لکھ کر دے دی اور گواہ
کی حیثیت سے اس پر عمرؓ کا نام لکھ دیا۔ عمرؓ اس وقت موجود نہ تھے۔ اب یہ لوگ سند
پر عمرؓ کی گواہی لینے کے لیے چل پڑے۔
عمرؓ نے جس وقت سند کی عبارت سُنی تو ان لوگوں کے ہاتھ سے سند لے لی
اور اسے چاک کر دیا! عیینہ اور اقرع بے حد ناراض ہوئے اور عمرؓ کو سخت سست
کہا۔ اس پر عمرؓ نے فرمایا:۔
"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس دور میں تم لوگوں کی تالیفِ قلوب فرماتے تھے۔ وہ
اور دور تھا۔ اس وقت اسلام کی ابتدا تھی اور اب (رسول اللہ کے طفیل اور ان کی تعالیم
مقدّسہ کے صدقہ میں) اسلام کو غلبہ حاصل ہو چکا ہے لہٰذا تم لوگ اب جاکر اپنے زور بازو سے کماؤ
اور محنت اور جاں فشانی سے کام لو۔ اگر تم اپنا بوجھ سنبھالو گے تو اللہ تمہاری نگہبانی فرمائے گا"۔
انہیں ابن سیرینؒ نے عبیدہ سے ایک اور موقع پر روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ

یہ ہیں:-

عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس دونوں ابوبکرؓ کے پاس آئے اور کہا:-

"اے رسول اللہ کے خلیفہ ہمارے پاس بنجر اور بے آب وگیاہ زمین کا ایک ٹکڑا ہے اگر آپ مناسب سمجھیں تو یہ زمین ہم لوگوں کے نام لکھ دیں تاکہ ہم اس زمین کو جوت لیں اور اسے اپنے لیے نفع بخش بنالیں۔"

صدیق اکبرؓ نے اہل مجلس سے مشورہ کیا اور اس کے بعد یہ زمین ان حضرات کے نام لکھ دی اور سند پر عمرؓ کو گواہ بنایا۔ عمرؓ اس وقت موجود نہ تھے چنانچہ عیینہ اور اقرع عدل گستر عمرؓ سے ملنے چل پڑے تاکہ سند مذکور پر ان کی گواہی حاصل کریں۔ یہ لوگ حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ اپنے اونٹ کے بدن پر مالش کر رہے ہیں۔ یہ دونوں بولے:-

ابوبکرؓ نے اس سند اور اس دستاویز میں آپ کو گواہ بنانا چاہا ہے۔ ہم اسے پڑھ دیں یا آپ اسے پڑھیں گے؟"

عمرؓ بولے "تم لوگ دیکھ نہیں رہے ہیں کیا کر رہا ہوں، خود پڑھنا چاہو تو پڑھ کے سنا دو ورنہ انتظار کرو کہ میں اپنا کام مکمّل کر لوں تاکہ میں خود پڑھوں۔"

عیینہ اور اقرع نے کہا:-

"ہم پڑھے دیتے ہیں۔"

عمرؓ نے سند کے الفاظ سن کر سند ان لوگوں کے ہاتھوں سے لے لی اور اسے پارہ پارہ کر دیا۔ یہ دونوں سخت غضبناک ہوئے اور لگے انہیں (عمرؓ کو) بُرا بھلا کہنے۔ اس پر حضرت عمرؓ کا ارشاد ہوا:-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانے میں تم لوگوں کی دلجوئی کرتے تھے وہ آج کے عہد سے مختلف تھا۔ مگر اب جبکہ اسلام کو غلبہ حاصل ہو چکا ہے تمہیں خود محنت کرنی چاہیے (اور ان چیزوں کا منتظر نہیں رہنا چاہیے) اگر تم ایسا کرو گے یعنی اپنی محنت اور جان کاہی پر بھروسہ کرو گے تو

اللہ تمہاری دستگیری فرمائے گا۔" یہ دونوں ذرا نہ ٹھٹکے اور سیدھے صدیقِ اکبرؓ کے پاس پہنچے وہاں پہنچ کر انہوں نے لبِ شکوہ وا کیا:۔

"ہم یہ نہ سمجھے کہ اصل میں خلیفہ ہے کون، آپ یا عمرؓ!"

ابوبکرؓ نے فرمایا:۔

"نہیں عمرؓ جب چاہیں اختیاراتِ خلافت استعمال کر سکتے ہیں۔"

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ عمرؓ خود بحالتِ غیظ و غضب آپہنچے۔ آتے ہی انھوں نے صدّیقِ اکبرؓ سے سوال کیا:۔

"یہ زمین جو آپ نے ان دونوں (مراد عیینہ اور اقرع) کو دے ڈالی ہے۔ اس کا کیا قصّہ ہے؟ یہ زمین آپ کی ذاتی ملکیت ہے یا اس پر مسلمانوں کو من حیث القوم مالکانہ حقوق حاصل ہیں؟"

ابوبکر صدیقؓ نے جواب دیا:۔

"نہیں، یہ زمین مُسلمانوں کی ملک ہے۔"

عمرؓ نے پوچھا:۔

"تو پھر آپ نے یہ زمین انہی دونوں کو، یعنی عیینہ اور اقرع کو کیوں دے ڈالی۔"

صدّیقؓ نے ارشاد فرمایا:۔

"حاضرینِ مجلس سے میں نے مشورہ کیا تھا، اور سب نے مجھے یہی رائے دی تھی۔"

حضرت عمرؓ کہاں خاموش ہونے والے تھے، پوچھا:۔

"تو کیا اس مشورہ اور رضا مندی میں پوری ملّتِ مسلمہ شریک تھی؟"

اس پر نرم خُو اور باوقار صدّیقِ اکبرؓ نے فرمایا:۔

"میں نے تو تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ خلافت کا بار تم مجھ سے بہتر طور پر اٹھا سکتے ہو مگر تم نے خود ہی مجھے مجبور کیا کہ میں اس بار کو قبول کروں!"

باب ۲۴

امیر المومنین سے شیاطین کا گریز

اس سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی نقل کیا جا چکا ہے کہ شیطان اس راستہ ہی کو چھوڑ دیتا ہے جس پر عمرؓ گامزن ہوتے ہیں۔ چنانچہ امام شعبی نے عبداللہ بن مسعود کا بیان ہم تک پہنچایا ہے کہ مدینے کی کسی گلی میں آنحضرتؐ کے ایک صحابی کا اور شیطان کا آمنا سامنا ہو گیا۔ شیطان نے صحابی کو کشتی کے لیے للکارا اور صحابی نے شیطان کو پچھاڑ دیا اور اس کے سینے پر سوار ہو گئے اور جب شیطان نے دوبارہ لڑنا چاہا تو صحابی نے ایک بار پھر شیطان کو زیر کر لیا۔ اس کے بعد کا صحابی اور شیطان کا مکالمہ بے حد دلچسپ ہے :۔

صحابی :۔ مجھے تو بے حد قوی اور مضبوط دکھائی دیتا ہے اور تیرے کان مجھے کتے کے کانوں سے ملتے دکھائی دیتے ہیں۔ آیا صرف تو ہی اتنا قوی ہوتا ہے یا جن بھی اتنے ہی قوی ہوتے ہیں ؟"

شیطان :۔ میں جنوں سے زیادہ مضبوط اور قوی ہوں۔

صحابی :۔ جب تک تو مجھے یہ نہیں بتائے گا کہ کون سی شے تجھ سے پناہ میں رکھتی ہے، میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا"

شیطان : آیۃ الکرسی"

اس موقع پر ایک شخص نے عبداللہ بن مسعود سے سوال کیا کہ کیا یہ ذکر عمرؓ کا ہے؟ اس پر راوی کے چہرے پر ناگواری کے آثار نظر آئے اور انھوں نے فرمایا:۔

"عمرؓ کے علاوہ شیطان کو زیر کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟ ہاں عمرؓ کے علاوہ اور کون یہ کچھ کر سکتا ہے، مضبوط عمرؓ، قوی عمرؓ، جسیم وطاقتور عمرؓ!

سالم بن عبداللہ کا بیان ہے کہ ایک زمانہ میں ابو موسیٰ اشعریؓ بہت دنوں تک حضرت عمرؓ کے باب میں بالکل بے خبر رہے۔ اتفاق سے انہیں ایک ایسی عورت کا سُراغ ملا جس کی ذات میں شیطان حلول کئے ہوئے تھا، آپ نے اس عورت سے حضرت عمرؓ کے حالات پوچھے۔ عورت نے اپنے شیطان کے آنے کا انتظار کیا اور اس سے (شیطان سے) پوچھنے پر بیان کیا کہ حضرت عمرؓ کو اس حال میں دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنے کو چادر میں لپیٹے صدقہ کے اونٹوں کی دیکھ بھال کر رہے ہیں اور شیطان تو انھیں دیکھتے ہی سر نیہوڑا کے گرتا ہے۔ اسلیے اسے انھیں، دیکھتے ہی بھاگنا پڑا۔ فرشتہ حضرت عمرؓ کی نگاہوں کے سامنے رہتا ہے اور ان کی زبان سے گویا خود رُوح القدس نطق ریز ہوتے رہتے ہیں!

ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں دجّال کی باتیں بتایا کرتے تھے کہ کس طرح سے یہ دجّال لوگوں پر مسلّط ہوجاتا ہے اور انھیں مار دیتا ہے اور پھر انھیں زندہ کرکے ان سے پوچھتا ہے کہ آیا وہ ان کا پروردگار نہیں ہے؟" اس پر اسے جواب دیا جاتا تھا کہ اپنے کو پروردگار کہہ کر وہ دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ بول رہا ہے۔ بہر حال بجنز عمر بن الخطابؓ کے، دجّال جب تک زندہ رہا، ہم سب کو نظر آتا رہا۔ اس کے بعد یا تو وہ مر گیا اور یا اسے ہلاک کردیا گیا۔ (اس روایت سے غرابت ٹپکتی ہے۔ ش۔ ح۔ ع)

باب ۲۵

رسولِ اکرمؐ کے وصال پر حضرت عمرؓ کی سراسیمگی

ابن شہاب نے انس کے حوالے سے اس واقعہ کی تصویر ان الفاظ میں اتاری ہے:۔

جس وقت اللہ کے رسولؐ کا وصال ہوا تو لوگ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ اسی عالم میں حضرت عمرؓ مسجدِ نبوی میں داخل ہوتے اور کھڑے ہو کر ایک تقریر کی۔ جس کے اہم نکات یہ تھے:۔

"وہ کسی شخص سے ہرگز یہ سننے کے لیے تیار نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وصحبہ وآلہ) انتقال فرما گئے۔ اور یہ کہ آنحضرت صلعم کو اللہ تعالٰی نے کچھ دنوں کے لیے اپنے پاس بُلا لیا ہے۔ جیسے اس نے موسٰی بن عمران علیہ السلام کو، جو ایک موقع پر چالیس دن تک اپنی قوم سے الگ رہے تھے، اپنا تقرّب بخشا تھا۔ اس کے بعد ابنِ خطّابؓ نے اپنے محبت آگیں جوشِ غضب میں اعلان کیا کہ:۔

وہ ان لوگوں کو جن کا خیال ہے کہ پیغمبر علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں (یہ کہنے پر) قتل کر دیں گے۔

اب انھیں ابنِ شہاب نے ابوسلمہ کے توسط سے اس بحرانی موقع کا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان اُمت کے حوالے کیا ہے، بیان درج ذیل ہے:۔

"میرے والد (ابوبکرؓ) اپنی رہائش گاہ سے جو سنح میں تھی، گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے اور اپنے گھوڑے کو ایک طرف باندھ کر مسجدِ نبویؐ میں داخل ہوئے اور کسی سے بات کئے بغیر میرے پاس آئے اور آتے ہی رسول اللہ کی جانب، جو اپنی ردائے مبارک

یں مکفون تھے، متوجہ ہوئے۔ آپ کے چہرۂ انور سے چادر سرکائی، پھر آپ پر جھکے اور آپ کو بوسہ دیا اور روتے ہوئے کہا:۔

"میرے ماں اور باپ نثار ہوں آپ پر، آپ کو دو بار نہیں مرنا پڑے گا، البتہ جو موت آپ کے لیے مقدّر ہو چکی تھی، اس سے آپ عہدہ برآ ہو چکے ہیں"

ابو سلمہ نے عبداللہ بن عباس کا قول نقل کیا ہے:۔

"جس وقت ابو بکرؓ باہر نکل کر آئے تو عمر بن الخطابؓ مجمع عام سے مخاطب تھے۔ ابو بکرؓ نے مجمع میں پہنچتے ہی فرمایا:۔

"عمرؓ تم بیٹھ جاؤ" اور اس کے بعد ارشاد فرمایا:۔

"جو لوگ محمدؐ کو قابلِ پرستش سمجھتے تھے انھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ محمدؐ مر چکے ہیں لیکن جو لوگ اللہ کو معبود جانتے ہیں انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ زندہ ہے اور اسے موت نہیں آئے گی۔ اور اس کا ارشاد ہے:۔

"محمد کی حیثیت ایک پیغمبر کی ہے۔ (اور) پیغمبر اس کے عہد سے پہلے بھی آ چکے ہیں۔ اب اگر محمدؐ مر جائیں یا انھیں قتل کر دیا جائے (تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ) تم اپنی پیٹھ دکھاؤ اور راہِ فرار اختیار کرو"

عبداللہ بن عباسؓ نے خوب کہا کہ:۔

"اس (تلقینِ صدیقی) سے پہلے گویا لوگوں کو یہ خیال ہی نہ رہا تھا کہ یہ آیت (آیتِ مذکورہ) بھی کبھی نازل ہو چکی ہے۔ اب پوری قوم کے سامنے یہ آیت تھی اور سب اسے دہرا رہے تھے۔

سعید بن المسیب نے حضرت عمرؓ کا ابو بکر کی تقریر پر ردِ عمل انکے ان الفاظ میں مقید کیا ہے۔

"بخدا جس وقت میں نے ابو بکر کو "وما محمد الا رسول" والی آیت تلاوت کرتے سنا تو میں سکتہ میں آ گیا۔ مجھ پر دہشت طاری ہو گئی۔ یہاں تک کہ میرے قدم لڑکھڑا گئے اور میں زمین پر گر گیا۔

باب ۲۶

ابوبکرؓ کے دستِ حق پرست پر ابنِ خطابؓ کی بیعت

عبداللہ کا بیان :۔

رسول اللہ کے سانحہ وصال کے بعد انصار نے نعرہ بلند کیا کہ ایک امیر ہمارا ہوگا اور ایک امیر تمہارا ہوگا۔ یعنی ایک امیر انصار کے گروہ سے لیا جائے گا اور ایک مہاجرین کے گروہ سے چُن لیا جائے گا۔ اب ان لوگوں کے پاس حضرت عمرؓ پہنچے اور انھوں نے آتے ہی کہا :۔

"انصار، کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ نے ابوبکرؓ کو قوم کی امامت کا حکم دیا تھا۔ اب تم میں کون ہے جو یہ چاہے گا کہ وہ ابوبکرؓ پر سبقت حاصل کرے۔

انصار بولے :۔

"نعوذ باللہ اگر ہم ابوبکرؓ پر سبقت کا خیال بھی دل میں لائیں!"

بہرحال اس ضمن میں ابنِ عباسؓ کے واسطے سے عمر بن الخطابؓ کا یہ بیان بھی ہم تک پہنچا ہے۔

"رسول اللہ کے وصال کے بعد ہمیں اس کا علم ہوگیا تھا کہ علیؓ اور زبیرؓ اور ان کا گروہ فاطمہؓ کے مکان میں اور انصار اپنی پوری جمعیت کے ساتھ بنوساعدہ میں، ہم سے الگ ہو کر صورتِ حال پر غور کر رہے ہیں۔ مہاجرین البتہ سب کے سب ابوبکرؓ کے پاس اکٹھے ہو گئے تھے۔ پھر میں نے ابوبکرؓ کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ

ہمیں سب سے پہلے اپنے انصار بھائیوں کے پاس جانا چاہیئے۔ چنانچہ میں اور ابو بکرؓ آگے آگے اور تمام مہاجرین ہمارے پیچھے پیچھے تھے اور یوں ہم چل پڑے، راستے میں ہمیں دو نیک نفس آدمی ملے۔ جنھوں نے ہمیں انصار کے طرزِ عمل سے آگاہ کیا اور یہ جاننے کے بعد کہ ہم اُنھی لوگوں سے ملنے جا رہے ہیں، بہ اصرار کہا کہ مہاجرین اور انصار میں بہر صورت اتفاق اور اتحاد قائم رہنا چاہیئے اور تمام مسائل حل ہو جانے چاہئیں۔" میں نے کہا:۔

"بخدا ہم انصار کو راہِ راست پر لائیں گے"۔ خلاصہ یہ کہ ہم آگے بڑھ گئے اور جہاں انصار جمع تھے وہاں پہنچ گئے۔ اس مجمع میں ایک کملی پوش کو بیٹھا دیکھ کر میں نے پوچھا، "یہ کون ہیں؟"

مجھے بتایا گیا: یہ سعد بن عبادہ ہیں"۔

میں نے پھر پوچھا "انہیں کیا ہوا؟"

جواب ملا، "انہیں اعضا شکنی ہو رہی ہے"۔

بہر حال جب سب لوگ بیٹھ گئے، تو انصار کے ایک زعیم نے اپنی تقریر شروع کی اور اللہ کی حمد و ثنا گستری کے بعد یہ اعلان کیا:۔

"ہم اللہ کے ناصر و مددگار ہیں اور اسلام کا ہراول دستہ ہیں اور جہاں تک تم مہاجرین کا تعلق ہے تم اس دیار میں باہر سے آبسے ہو اور اب تم ہمیں لوگوں کو اُکھاڑنا چاہتے ہو اور ہم کو اپنی حاکمانہ گرفت میں لینا چاہتے ہو"۔

مقرر کے خاموش ہوتے ہی میں نے بولنا چاہا۔ بولنے کے خیال سے میں نے پہلے ہی میں اپنی تقریر کے نکات اور جملے اپنے ذہن میں مُرتب کر لیے تھے۔ مجھے اس کا احساس تھا کہ یہ تقریر ابو بکرؓ کے سامنے ہوگی جو بُردباری اور وقار میں میرے لیے ایک نمونہ تھے اور جن کی دقیقہ سنجی اور معاملہ فہمی کبھی کبھی مجھے بھی حاصل ہو جایا کرتی تھی۔

ابوبکرؓ نے مجھ سے کہا :۔

عمرؓ تم ذرا ٹھہرو۔" میں نے مناسب نہ سمجھا کہ ابوبکرؓ کی بات ماننے سے انکار کردوں۔ عجیب بات کہ ابوبکرؓ نے بعینہٖ وہی الفاظ دُہرائے جو میرے ذہن میں تقریباً مُرتّب ہو چکے تھے، بلکہ یہ الفاظ کچھ اور زیادہ تراشیدہ اور زیبائی اور جمال لیے ہوئے تھے۔

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے! (غالب)

ابوبکر نے کہا :۔

"انصار! تم نے اپنے جن محاسن کا ذکر کیا ہے وہ بے شک تم میں موجود ہیں۔ لیکن یاد رکھو عربوں نے قریش کے سوا کبھی کسی دُوسرے گروہ کی سیادت نہیں تسلیم کی۔ قریش کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے اور شرافت و کرامت میں وہ ممتاز ہیں۔"

اس کے بعد ابوبکرؓ نے میرا اور ابو عبیدہ بن الجراحؓ کا ہاتھ تھاما اور کہا :۔

آپ لوگ ان دونوں میں سے کسی کو اپنا امیر تسلیم کرلیں مجھے منظور ہوگا۔"

ابوبکرؓ کی یہ آخری بات مجھ پر بے حد شاق گزری اور میرے لیے یہ تصوّر کہ مجھے ہلاک کردیا جائے اور میری گردن اُڑادی جائے، بمراتب خوش گوار تر تھا۔ اس تصوّر اور اس گناہ گاری سے کہ مجھے ابوبکرؓ پر بھی امارت حاصل ہو اور یہ کہ میں ایک ایسے گروہِ انسانی کی قیادت کا بار اٹھاؤں جس کے ایک فرد خود ابوبکرؓ ہوں۔ میں عمر اس تصوّر کو نہیں برداشت کرسکتا تھا۔"

ابوبکرؓ ابھی یہ کہہ ہی رہے تھے کہ گروہِ انصار میں سے ایک نے کہا :۔

"یہ میں ہوں کہ اس کی اصلِ محکم اور اس کا نخلِ پیراستہ ہوں۔ میں نے مالک سے پوچھا :۔

"اس کا مطلب کیا ہوا کہ میں اس کی اصلِ محکم اور نخلِ پیراستہ ہوں!"

مالک نے کہا:-

"شاید یہ شخص یہ کہہ رہا ہے کہ سرداری اور اِمارت کے میدان کا دراصل وہ مرد ہے اور رازِ مملکت داری اسی کو معلوم ہے"

اِس پر جواب اور جواب الجواب کی نوبت آگئی اور سقیفہ میں بہت سی صدائیں بلند ہوگئیں اور مجھے یہ خدشہ پیدا ہوا کہ کہیں لڑائی کی نوبت نہ آجائے۔ چنانچہ میں نے فوراً کہا:-

اے ابوبکرؓ! اپنا ہاتھ بڑھائیے"

ابوبکرؓ نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ مہاجرین نے ان کی بیعت قبول کرلی اور پھر انصار نے بھی!

باب ۲۷

خلیفۃ الرسولؐ کی جانب سے حضرت عمرؓ کے نام کی سفارش

ابراہیم النخعی کا بیان ہے:۔

سب سے پہلی ذات جسے ابوبکرؓ نے اُمّت میں ایک اہم منصب سونپا وہ فاروقِ اعظمؓ کی ذات تھی۔ جنہیں اسلامی تاریخ کا پہلا قاضی القضاۃ مقرر کیا گیا۔

حسن بن ابی الحسین سے روایت ہے:۔

ابوبکرؓ پر جب گراں جانی کا عالم طاری ہوا اور انہیں اپنی موت کے آثار نظر آنے لگے تو اُنہوں نے ایک مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"تم لوگوں پر میری حالت اور میرے مزاج کی کیفیت ظاہر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میں اس مرض سے جاں بر نہ ہو سکوں گا۔ اب تم میری امامت اور بیعت سے آزاد ہو اور میرا اور تمہارا پھر وہی تعلق رہ گیا جو میری خلافت سے پہلے تھا۔ تم جسے مناسب سمجھو اپنا اور میرا قائد چُن لو۔ البتّہ اگر میرے مرنے سے پہلے پہلے تم ایسا کر سکو تو بہتر ہوگا تاکہ میرے بعد اختلافات کی گنجائش نہ رہ سکے۔"

لوگ الگ ہٹ گئے اور اس مسئلہ پر غور کیا لیکن وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکے۔ یعنی ایسا کوئی فیصلہ نہ کر پائے جو سب کے لیے قابلِ قبول ہوتا۔ مجمع صدّیقِ اکبرؓ کی خدمت

میں لوٹ آیا (ایک ایک لمحہ تاریخ سے ہمکنار تھا) اور اعلان کیا:۔

یا خلیفۃ رسول اللہؐ! اس باب میں آپ کی جو رائے بھی ہوگی ہمیں تسلیم ہوگی۔

صدیق اکبرؓ نے فرمایا:۔

"ممکن ہے تم لوگ بعد میں اختلاف رائے میں مبتلا ہو جاؤ۔"

لوگوں نے کہا:۔

"نہیں ایسا نہیں ہوگا۔"

اس کے بعد اسلام کے مرد بزرگ نے قوم سے عہد لیا کہ وہ ان کی سفارش کو بلا چون و چرا قبول کرے گی۔ اُمت نے اس بات کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اب ابوبکرؓ اعظم نے قوم سے مہلت چاہی تاکہ وہ اس اہم مسئلہ کو خالص دینی اور ملّی نقطۂ نگاہ سے حل کرنے کی کوشش کریں۔ ابوبکرؓ نے اس کے بعد عثمان بن عفانؓ کو طلب کیا اور ان سے کہا کہ وہ کسی موزوں آدمی کا نام پیش کریں اور وہ خود اپنا نام بھی پیش کر سکتے ہیں۔ اِس لیے کہ وہ بھی اس منصب کے لیے پوری پوری اہلیت رکھتے ہیں۔ عثمانؓ نے عمرؓ کا نام پیش کیا۔ صدیق اکبرؓ نے اپنا فرمان لکھوانا شروع کیا۔ عجب اتفاق کہ جب وہ عمرؓ کے لفظ کا املا لکھوانے والے تھے ان پر غشی طاری ہوگئی۔ ہوش میں آتے ہی فرمایا:۔

"اکتب عمر" یعنی، ہاں لکھو "عمر"

شعبی کا بیان ہے:۔

طلحہؓ، زبیرؓ، عبدالرحمٰن ابن عوفؓ اور سعدؓ، ابوبکرؓ کے مکان پر موجود تھے۔ یہ سب کے سب عیادت کے لیے آئے ہوئے تھے۔ ابوبکرؓ نے عمرؓ کو بلوا بھیجا۔ عمرؓ آئے تو ان حضرات نے محسوس کیا کہ جیسے حضرت صدیقؓ عمرؓ سے تخلیہ میں کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ یہ سب وہاں سے اُٹھ آئے اور ابوبکرؓ و عمرؓ کو تنہا چھوڑ دیا۔ اب یہ حضرات مسجد نبوی میں تشریف لائے اور علیؓ سے کہلا بھیجا کہ وہ مع اپنے آدمیوں کے مسجد میں آجائیں۔ علیؓ ان لوگوں کو ایک احاطہ میں لیے

تشریف فرما ہوئے۔ سب اُن کے گرد جمع ہو گئے اور کہا:۔

"علی رضؓ تمہیں معلوم ہے خلیفۂ رسول اللہ عمر رضؓ کو اپنا جانشین مقرر کر رہے ہیں، اور یہ تو خلیفۂ رسول کو بھی معلوم ہے اور ہم بھی جانتے ہیں کہ اسلام قبول کرنے میں ہم میں سے اکثر کو ان پر (عمرؓ پر) سبقت حاصل ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ با اختیار اور با اقتدار نہ ہونے کے باوجود قوم عمر رضؓ سے کس قدر مرعوب اور خائف سی رہتی ہے۔ تم ہمارے ساتھ چلو کہ ہم ابوبکر رضؓ سے اس بارے میں کچھ سوالات کر سکیں۔ اگر انہوں نے واقعی عمر رضؓ کو زمامِ حکومت سونپ دی ہے تو ہم اس باب میں اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے ہیں۔ یہ سب ہوا۔ اب ابوبکر رضؓ نے ارشاد فرمایا:۔

"سب کو جمع کر لیا جائے تاکہ میں سب کو بتا سکوں کہ میں نے کسے منتخب کیا ہے۔"

لیجئے مسجد میں سب لوگ جمع ہو گئے اور خلیفۃ الرسولؐ منبر پر جلوہ فگن ہوئے اور اس اعلان کے بعد کہ عمر رضؓ کو منتخب کیا گیا ہے، رفیقِ نبوت واپس آ گیا مگر قوم ابھی تک مذبذب تھی۔ لوگوں نے از سرِ نو باریاب ہونے کی اجازت مانگی۔ انہیں اِذنِ ورود بخشا گیا آنے والوں نے گویا بیک زبان کہا کہ "

"عمر رضؓ کو ہم پر مسلّط کر کے آپ اللہ کو کیا جواب دیں گے؟" ارشاد ہوا:۔

"میں اپنے رب سے کہوں گا کہ میں تیرے سب سے افضل بندہ کو اپنا جانشین بنا کر آیا ہوں۔"

عاصم بن عدی کہتے ہیں کہ اپنی بیماری کے زمانے میں اندھیروں میں ابوبکر رضؓ نے مجمع عام میں ایک تقریر ارشاد فرمائی جو ان کی آخری تقریر تھی۔ اس کے خاص نکات یہ تھے:۔

"دنیا سے مجتنب رہو اور اس پر اعتماد مت کرو اس لیے کہ دنیا ایک دھوکا ہے۔ دُنیا پر عقبیٰ کو ترجیح دو اور آخرت اور عقبیٰ کو اپنا مطمح نظر بناؤ۔ دنیا اور آخرت دونوں کی محبتیں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اُمّت کو جو مسائل درپیش ہیں ان کے حل کے لیے ہمیں ہمیشہ نبی علیہ السلام

کے اسوہ کو اپنا رہنما بنانا پڑے گا۔ رہا نظام کار اور حکومت سنبھالنے کا مسئلہ تو ظاہر ہے اس کا مستحق ایک ایسا ہی شخص ہو سکتا ہے جو قوی الارادہ اور طاقت ور ہو اور جسے اپنی ذات پر پورا اور مکمل قابو ہو اور جہاں سختی کا موقع ہو وہاں اس سے زیادہ شدید کوئی نہ ہو اور جہاں نرمی کا محل ہو وہاں اس سے زیادہ نرم کوئی دوسرا نہ ہو۔ وہ عقلاً اور خرد مند اشخاص کی بات مانے اور لایعنی اور بے کار اور غیر ضروری چیزوں سے اجتناب برتے، مصائب اور مسائل کے روبرو حزن و عاجزی نہ دکھائے سیکھنے اور جاننے سے گریز نہ کرے۔ جو چیزیں بدیہی اور لازمی ہیں، ان پر متحیر نہ ہو۔ مسائل پر پوری گرفت پا سکے اور کسی معاملے میں بھی حد اعتدال سے تجاوز نہ کرے۔ ظلم و ستم سے گریز کرے اور مسائل سے باخبر ہو۔ ایسا شخص عمر بن الخطاب رضؓ ہے۔"

عمری شخصیتِ کبریٰ کے اس مختصر مگر جامع تعارف کے بعد صدیق اکبر رضؓ منبر سے اُتر آئے۔ نتیجہ کیا تھا۔ جو لوگ عمر رضؓ کے استخلاف پر معترض اور کبیدہ خاطر تھے۔ وہ اب انہیں اپنا سردار ماننے کے لیے بالکل آمادہ ہو چکے تھے!

عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان درج ذیل ہے:۔

"عثمان رضؓ، میرے والد کی وصیّت کا اِملا لکھ رہے تھے۔ اِسی دوران ان پر غشی طاری ہوگئی۔ عثمان نے لکھنے کا سلسلہ منقطع نہ کیا اور (ان تاریخ بردار لمحوں میں) جانشین کے نام کی جگہ اپنی طرف سے عمر رضؓ لکھ دیا۔ ہوش میں آتے ہی صدّیق اکبر نے پوچھا:۔

"تم نے کیا لکھا؟" اور جب عثمان رضؓ نے جواب دیا کہ عمر رضؓ، تو فرمایا:۔

"میں نے بھی یہی نام لکھوانا چاہا تھا اور بفرض تم خود اپنا نام بھی لکھ لیتے تو یہ بالکل بجا اور مناسب تھا (جو لوگ تیسرے خلیفہ راشد کی عظمت و لیاقت پر حرف گیری کی گستاخانہ اور ابلہانہ جرأت کرتے ہیں ان کے لیے صدّیقی اعتراف شخصیتِ عثمانی ان کی چشمِ بصیرت کو وَا کرنے کے لیے کافی ہے۔ (ش۔ ع۔ ح)

زید بن اسلم نے اپنے والد سے روایت کیا ہے:۔
ابو بکرؓ کے جانشین خلیفہ کے لیے فرمان عثمان بن عفانؓ نے لکھا تھا. فرمان لکھاتے وقت ابو بکر صدیق نے جانشین کے نام کی جگہ خالی رکھی تھی۔ اسی اثنا میں صدیق اکبر بے ہوش ہو گئے۔ عثمانؓ نے حالات کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے خالی جگہ کو حضرت عمرؓ کے اسم گرامی سے پُر کر دیا۔ خلیفۃ الرسول ہوش میں آئے تو کہا کہ مجھے وصیت نامہ دکھایا جائے۔ وصیت نامہ میں عمر کا نام دیکھتے ہی پوچھا "یہ کس نے لکھا؟" اور جب عثمان رضؓ نے کہا، "میں نے"۔ تو فرمایا:۔

" اللہ تم کو اپنی کرم گستری سے نوازے، تم نے بہت صحیح نام لکھا اور تم خود اپنا نام بھی لکھ لیتے تو یہ بالکل صحیح اور موزوں ہوتا۔ اس لیے کہ تم اس منصب کی پوری اہلیت بھی رکھتے ہو۔"

واقدی نے اپنے شیوخ سے روایت کیا ہے:۔
"ابو بکر کا آخری وقت آیا تو عبد الرحمٰن بن عوف کو بلا بھیجا اور ان سے کہا":۔
"ابن خطابؓ کے بارے میں تمہاری جو رائے ہو بیان کرو۔"
"ابن عوف نے کہا،
"اس بات کو آپ مجھ سے بہتر سمجھتے ہیں"۔ ارشاد ہوا:۔
"اس کے باوجود میں تمہاری رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"
"اس پر عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے کہا:۔
" دراصل آپ عمرؓ کو جتنا سمجھتے ہیں وہ اس سے بھی زیادہ ہیں۔"
اس کے بعد عثمان بن عفان سے پوچھا گیا۔ پہلے تو انہوں نے بھی یہی کہا:۔
" صدیق اکبر سے زیادہ کون عمرؓ کو سمجھے گا۔ مگر جب اصرار کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:۔
" عمرؓ کا باطن ان کے ظاہر سے بہتر ہے اور وہ صحابہ کی جماعت میں سب سے مثال

شخصیت کے مالک ہیں۔"

ابو بکرؓ نے عثمانؓ کی اس رائے کو بہت پسند کیا اور ان کی اس رائے کو ان کی بصیرت اور عقل پر محمول کیا۔ اس کے بعد باری باری سعید ابن زید اور اسید بن الحفیر اور دوسرے اعیان سے جو مہاجرین اور انصار میں ممتاز درجہ رکھتے تھے مشورہ کیا گیا۔ کچھ حضرات البتہ ایسے تھے کہ وہ صدّیق اکبر سے جب ملنے آئے تو ان میں سے ایک صاحب نے کہہ ڈالا کہ آپ (اے خلیفۃ الرسول) عمرؓ کی شدّت اور تند خوئی سے واقف ہوتے ہوئے انہیں خلافت کا بار سونپ رہے ہیں تو آپ خدا کو کیا جواب دیں گے؟" آخر ابو بکرؓ نے حالتِ مرض کے باوجود فرمایا:۔

"ذرا مجھے بٹھا دو" اور پھر کہا:۔

"مجھے تم لوگ اللہ سے ڈراتے ہو۔ نامُراد ہے وہ جو تم پر حکمرانی کے بعد توشۂ ظلم و جور لے کر اُس دنیا کو سدھارے۔ میں کہتا ہوں، میں نے امت کے بہترین شخص بحیثیت خلیفہ کے دیا ہے۔ تم لوگ یہ بات اوروں تک بھی پہنچا دو" یہ کہہ کر وہ پھر لیٹ گئے۔ اس کے بعد انھوں نے عثمانؓ کو بلا کر یہ وصیت نامہ لکھوانا شروع کیا جو ان الفاظ پر مشتمل تھا:۔

"اس وصیّت نامہ کی ابتدا اس خدا کے نام سے کی جاتی ہے جو بے حد مہربان اور کرم گستر ہے۔ یہ ابو بکرؓ بن قحافہ کی دُنیوی زندگی کا آخری اور اُخروی زندگی کا پہلا عہد ہے۔ میری دنیوی زندگی (EARTHLY CAREER) کا انجام آپہنچا ہے اور میں ایک ایسی منزل میں داخل ہو رہا ہوں جہاں پہنچ کر کافر اور فاجر بھی ان حقائق کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے جن سے وہ تمام عمر انکار کرتا رہتا ہے۔ یہ ایسی منزل ہے کہ حقیقتیں عیاں ہو جاتی ہیں اور منکر کو بھی حق کی تصدیق کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ میں نے عمر بن الخطّاب کو اپنے بعد تمہارے لیے خلیفہ مقرر کیا ہے۔ ان کی اطاعت اور فرماں برداری تمہارا فرض ہے اس معاملہ میں میرے پیشِ نظر، اللہ، رسولؐ، اسلام اور میری اپنی ذات کی بھلائی مقصود تھی،

تاکہ میں ایک عظیم شخصیت کو حکمرانی سونپ کر اللہ کے یہاں ماجور رہوں۔ اب اگر عمر رضؓ عدل وانصاف کریں گے تو یہ میری توقع کے مطابق ہوگا۔ لیکن اگر وہ میرے گمان کے خلاف عمل پیرا ہوتے ہیں تو بہر حال ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمّہ دار ہوگا۔ میری نیّت تو ظاہر ہے صلاح و فلاح کی تھی اور میں غیب کا علم نہیں رکھتا۔ پھر ظلم کرنے والوں کو بہت جلد یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس جانب چل پڑے ہیں۔ اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں اُمت کے ساتھ رہیں۔"

یہ تاریخی تحریر لکھوائی جا چکی تو اس پر مہر صدّیقی رضؓ ثبت کردی گئی اور عثمان رضؓ اس نامۂ خلافت کو لے کر باہر نکلے۔ مجمع عام میں آن کر انہوں نے کہا:۔

"اس فرمان میں جس کا نام ہے تم اس کی اطاعت کا عہد و پیمان کرتے ہو؟"

لوگوں نے اثبات میں جواب دیا اور نئے خلیفہ کی بیعت قبول کرلی۔ اسکے بعد خلیفہ رسول اللہؐ نے عمر رضؓ کو تنہائی میں طلب کیا اور انہیں اپنے گراں قدر نصائح سے نوازا۔ فاروق رضؓ باہر آگئے اور صدیقی ہاتھ بارگاہِ کبریا میں اُٹھ گئے۔

"بارالہٰ! میں نے عمر رضؓ کو نامزد کرنے میں اُمّت کے مفاد کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو ممکن ہے اُمّت فتنہ و فساد کا شکار ہو جاتی۔ میں نے تیرے بندوں کی اصلاح کے لیے اپنی ذاتی رائے سے کام لیا ہے یعنی اجتہاد کیا ہے اور ان کو والی اور حاکم وہ دیا ہے جو پوری اُمّت میں انتخاب اور امت کا سب سے بڑا مردِ مخلص اور دردمند ہے۔ اس وقت تیرے حکم سے میری جو کیفیت ہے وہ تجھ پر ظاہر ہے۔ میں تیرے بندوں کو تیرے سپرد کرتا ہوں۔"

قیس بن ابی حازم بیان کرتے ہیں:۔

ہم سب جمع تھے کہ اتنے میں عمر رضؓ باہر نکلے۔ عمر رضؓ کے ساتھ ابوبکر رضؓ کے غلام شدید بھی تھے۔ ان کے ہاتھ میں کھجور کی ایک ٹہنی تھی۔ اس کے اشارہ سے انھوں نے لوگوں کو

بیٹھ جانے کا حکم دیا اور پھر کہا: تم لوگ خلیفۃ الرسول اللہ کا ارشاد سنو۔ ان کا ارشاد ہے۔ وہ میری جانشینی پر مطمئن ہیں۔ یہ سُن کر لوگوں نے ان کے ہاتھوں پر بیعت کر لی

انہی قیس نے ایک اور موقع پر کہا تھا:۔

"عمرؓ اپنے ہاتھ میں کھجور کی ایک ٹہنی لیے ہوئے برآمد ہوتے۔ اس کے بعد ابوبکرؓ کے غلام نے جنہیں شدید کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ خلیفۃ الرسول کی جانب سے ایک مکتوب پڑھ کر سنایا:۔

اس مکتوب میں جس شخص کا نام مذکور ہے اس کی اطاعت اور بیعت کرو۔ خدا گواہ ہے کہ اس استخلاف کے ذریعے میں نے تمہارے حقوق قطعاً پائمال نہیں کیے

قیس کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے عمرؓ کو منبر پر دیکھا تھا۔ ابو عبیدہؓ نے عبداللہ کا قول نقل کیا ہے

"تین افراد کی فراست اور ہوش مندی کی کوئی مثال نہیں۔ یعنی ابوبکرؓ کی فراست اور دانائی کی، عمرؓ کے انتخاب میں، ابنت شعیب علیہ السلام کی فراست کی، اس بات کے کہنے میں کہ بابا انہیں (موسیٰ علیہ السلام کو) ملازم رکھ لیجئے۔ اور یوسف علیہ السلام کے ولی نعمت کی فراست کی۔ جس نے ان کے تقدس اور ان کی جلالتِ شان کو خوب سمجھا تھا۔

موسی الجہنی نے ابوبکر بن حفص سے روایت کیا ہے:۔

"صدیقِ اکبرؓ نے عالمِ سکرات میں اپنی جلیل القدر بیٹی، اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ارشاد فرمایا:۔

"بیٹی ہمیں مسلمانوں کی حکمرانی سونپی گئی تھی۔ مگر ہم نے ان کی خدمت کے معاوضہ میں نہ ایک دینار لیا اور نہ ایک درہم، بیٹی ہم نے موٹے جھوٹے کھانوں سے اپنا پیٹ بھرا اور کھردرے کپڑوں سے اپنا تن ڈھانکا۔ اس وقت مال غنیمت میں ہماری تحویل میں

سوائے اس حبشی غلام کے اور اس کاشتکاری کے اونٹ کے اور اس باربردار گھوڑے کے اور کوئی چیز بھی نہیں ہے۔ میری روح پرواز کر جائے تو یہ سب مال عمرؓ کے پاس بھیج دینا۔"

چنانچہ ابوبکرؓ کا آدمی ان تمام چیزوں کو اور حبشی غلام کو لے کر نئے خلیفہ کے پاس پہنچا۔ اس وقت عبدالرحمٰن بن عوف بھی وہاں موجود تھے۔ اس سوز آگیں اور ایثار آموز منظر کو دیکھ کر عمرؓ پر سخت رقت طاری ہوگئی اور فاروق کے آنسوؤں کے دریائے ناسفتہ زمین کو سیراب کرنے لگے۔

(رات کا ایک بجا چاہتا ہے۔ کراچی کے آسمان پر ماہ و انجم، خصوصاً بنات النعش گردوں جلوہ ریز ہیں۔ میری ناتواں اردو ابن جوزی کی مستند اور گراں قدر عربی سے نبرد آزما ہے۔ خلیفۃ الرسول کا بھیجا ہوا سامان جسے انہوں نے مرنے کے بعد اپنے جانشین کے سپرد کیا تھا گویا خود میری موجودگی میں لایا گیا ہو۔ چنانچہ اس منظر کو دیکھ کر میرے آنسوؤں کے چند قطرے بھی بہہ نکلے ہیں اور یوں میں نے اپنے دادا فاروق اعظم کی سنت پوری کر دی ہے۔ انسانی آنکھ نے اس سے زیادہ روح پرور منظر کا ہے کو کبھی دیکھا ہوگا۔ بازارِ وفا میں اس سے زیادہ قیمتی چیز کہاں ہے؟

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا) ش۔ح۔ع

حضرت عمرؓ نے فرمایا:۔

"اللہ ابوبکرؓ کو اپنی رحمتِ کاملہ سے نوازے۔ اپنے جانشین کے لیے انہوں نے بڑی مشکل پیدا کر دی (کہ اس عدیم المثال معیارِ ایثار و زہد پر وہ بھی پورا اترے) پھر آپ نے ان چیزوں کو سرکاری تحویل میں لے لیا۔ عبدالرحمٰن نے کہا بھی کہ امیرالمومنین آپ غضب کرتے ہیں۔ ابوبکرؓ کے متعلقین سے ایک عدد حبشی غلام، ایک زراعتی مصرف کا اونٹ اور ایک گھوڑا جس کی قیمت پانچ درہم سے زیادہ نہ ہوگی، یہ چیزیں بھی لیے لے رہے

ہیں۔ بہتر ہے آپ انھیں واپس کر دیں۔"

"ہر گز نہیں، موت مجھ پر سہل ہے۔ ان چیزوں کا واپس کرنا نہیں۔ ابو بکرؓ مرتے وقت جن چیزوں سے دامن چھڑا چکے ہیں، میں انھیں ان چیزوں سے پھر کیسے ملوّث کر دوں؟"

فاروقؓ نے اعلان کیا!

ابو بکر الصدّیقؓ نے عمر بن الخطابؓ کو بقول زید مندرجہ ذیل وصیّت کی تھی:۔

"میں تم کو چند نصیحتیں کرتا ہوں، اگر تم ان پر کاربند ہو سکو۔ اللہ کے کچھ حقوق ہیں جو اگر دن میں ادا ہونے ہیں تو وہ رات میں انہیں قبول نہیں کرتا۔ اور اگر وہ رات کے لیے ہیں تو وہ دن میں انھیں قبول نہیں کرتا۔ اگر فرائض ادا نہیں ہوتے تو نوافل بے کار ہیں (یعنی ترجیحات Priorities میں ترتیب ملحوظ رہنی چاہیئے) قیامت کے دن میزان میں اسی کے اعمال وزنی ہوں گے جس نے اس دنیا میں حق کی پیروی کی ہے۔ اسی طرح میزانِ الٰہی اسی شخص کے اعمال کو سبک قرار دے گی جس نے باطل کی اتباع کی ہے۔ میزان صرف حق کو قبول کرے گی، باطل کو نہیں۔ اللہ تعالیٰ اہلِ جنّت کے اعمال صالحہ کو درخورِ اعتنا قرار دے گا اور انہی اعمال کی بنیاد پر انہیں فردوس کی نزہتوں سے نوازے گا، اور اہلِ دوزخ کو ان کے بدترین اعمال کی بنیاد پر جہنّم میں ڈال دیا جائے گا۔ اور ان اعمالِ شنیعہ کے باعث ان کے اچھّے کام بھی رائگاں جائیں گے۔ اللہ نے آیاتِ قرآنی کے ذریعے ترغیب بھی دی ہے۔ ترہیب بھی کی ہے۔ یعنی جنّت کی طرف مائل بھی کیا ہے اور جہنّم سے ڈرایا بھی ہے۔ اللہ سے ہمیشہ حق کی تمنّا کرو اور اپنے کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ یعنی اپنی خودی کی پاسبانی کرو۔ تم میری ان نصیحتوں پر عمل پیرا ہو گے تو موت جس سے یوں بھی کوئی مفر نہیں، تمھارے لیے بے حد خوش گوارا اور محبوب بن جائیگی اور اگر (خدانخواستہ) تم نے میری بات کو ضائع کر دیا تو یہی موت، جس پر کوئی بھی قابو نہیں پا سکتا، تمہارے لیے بے حد ناگوارا اور مکروہ شے بن جائے گی۔"

اسماعیل ابن ابی خالد نے زبید الایادی سے روایت کی ہے:۔

"ابو بکرؓ مرض الموت میں گرفتار ہوئے تو انہوں نے عمرؓ کو بلوا کر انہیں خلافت کا بار سونپ دیا۔ بعض لوگ اس نامزدگی پر معترض بھی ہوئے۔ اس لئے کہ وہ عمرؓ کی شعلہ مزاجی سے خائف سے تھے۔ مگر صدیق اکبرؓ نے یہ کہہ کر ان کی تشفی کر دی کہ عمرؓ سے بہتر اور لائق تر کوئی دوسری شخصیت موجود نہیں۔ اس کے بعد ابو بکرؓ نے عمرؓ کو چند اہم نصیحتیں فرمائیں (یہ بعینہ وہی نصیحتیں تھیں جن کا ابھی ابھی بیان ہو چکا ہے)

ابو بکر بن سالم نے بیان کیا ہے کہ:۔

"ابو بکرؓ نے جب اپنا وصیت نامہ لکھوا دیا۔ وہی وصیت نامہ جس کی ابتدا یوں ہوئی تھی "یہ صدیق رضؓ کا آخری عہد ہے۔ اور اگر آخرت کا تصور کیا جائے تو اُس دنیا سے یہ پہلا عہد ہے....... تو انہوں نے عُمرؓ کو بلوایا اور ان پر یہ بات واضح کر دی کہ کچھ لوگ انہیں ناپسند کرتے ہیں اور کچھ پسند کرتے ہیں اور یہ بھی کہہ دیا کہ کبھی کبھی اچھوں سے بھی بغض و عناد ہو جاتا ہے اور بُروں اور بُرائیوں سے محبّت کی جانے لگتی ہے"

ابن خطابؓ نے فوراً کہا "انہیں خلافت سے معذور رکھا جائے" مگر صدّیق اکبرؓ نے ارشاد فرمایا:۔

"خود خلافت ان کی محتاج اور نیاز مند ہے" ۔

با نبُودیم بدیں مرتبہ راضی غالبؔ
شعر خود خواہش آں کرد کہ گردد فنِ ما

پھر فرمایا:۔

"تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتیں اُٹھائی ہیں۔ تم نے دیکھا کہ سردار نے کس کس طرح ہماری خاطر ایثار کیا ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ ہمیں آقا کی بخشش ہوئی عطا سے ہی ان کے متعلقین کی خدمت کرنی پڑی ہے۔ تم نے یہ سب حیرت انگیز

اور ملکوتی باتیں دیکھ رکھی ہیں۔ تم نے مجھے بھی خوب برتا ہے اور میرا طرزِ عمل سمجھا ہے جو اس کے ماسوا کچھ اور نہ تھا کہ میں سردارؐ کی کامل اتباع کروں اور ان کے نقشِ قدم پر چلوں تمھارا ہر خواب ایک بشارت تھا اور تمھارا ہر قیاس ایک حقیقت تھا۔ بہر حال تمہیں یہ بار سنبھالنا ہوگا اور میں راہِ آخرت اختیار کر رہا ہوں۔ اس کے بعد وہ نصیحتیں یہاں بھی مذکور ہیں جن کا اس باب میں دوبار ذکر آچکا ہے۔ البتہ اس روایت میں چند باتیں اور آگئی ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

"سب سے پہلی چیز جس سے تم کو ہوشیار رہنا ہے وہ تمہاری اپنی ذات ہے" (یعنی حاکم کو اپنی ذات پر پورا قابو ہونا چاہیئے" یہاں مجھے ایک جاپانی مثل یاد آگئی "نفس پر اعتماد اور تسلّط انسان کو دیوتاؤں کی صف میں لا کھڑا کرتا ہے۔ مگر اس کا فقدان اسے ظلمت کدوں میں ڈھکیل دیتا ہے۔ ش۔ ح۔ ع) اسی طرح تم کو قوم سے بھی چوکنا رہنا پڑے گا۔ قوم کی آنکھیں نگراں ہیں اور وہ سب سے زیادہ اس بات پر متعجب ہوں گی کہ تم مرعوب ہوگئے اور تم نے سپر ڈال دی۔ زنہار کہ ایسا ہونے پائے۔ یاد رکھو جب تک تم اللہ اور اللہ والوں سے خائف رہو گے قوم بھی تمہارا دبدبہ تسلیم کرتی رہے گی۔ یہی میری وصیت ہے۔ یہی میری تلقین ہے۔ میرا اسلام قبول کرو۔"

باب ۲۸

جم وکیقباد کے ملک کو مسخّر کرنیوالے کا حسنِ آرزو

محمد بن سعد حمزہ بن عمر کی سند پر کہتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال بائیس جمادی الآخرہ بروز سہ شنبہ شام کے وقت ہوا تھا۔ یہ ہجرت کا تیرھواں سال تھا۔ دوسرے دن صبح کو حضرت عمرؓ مسندِ خلافت پر جلوہ فرما ہوئے۔ جامع بن شدّاد نے اپنے والد سے روایت کی ہے:۔

منبر پر جلوہ فگن ہونے کے بعد گفتار فاروقیؓ کا یوں آغاز ہوا۔

"اے اللہ میں سخت و درشت ہوں مجھے نرم کر دے میں کمزور اور بے طاقت ہوں مجھے قوت عنایت کر، میں تنگ ہوں مجھے کشادہ کر دے"

ابن سعد اور قاسم بن محمد نے اسی موقع کا ایک اور عمری جملہ نقل کیا ہے، وہ یہ ہے:۔

"اگر میں سمجھتا کہ اس بار (بارِ خلافت) کو اٹھانے کی اہلیت مجھ سے زیادہ کسی اور شخص میں ہے تو میں اسی کو امیر المومنین بنا دیتا اور پھر مجھے یہ منظور ہوتا کہ میری گردن اڑا دی جائے مگر یہ منظور نہ ہوتا کہ امیر کی اطاعت نہ کی جائے۔

یحییٰ بن معین سے روایت ہے اور میں نے خود ان سے یہ بات سنی تھی کہ عمر بن الخطابؓ نے شریح کو اپنا قاضی اور عبداللہ بن مسعود کو بیت المال کا امین (وزیر خزانہ) مقرر کیا تھا۔

نافع کے بیان کی رو سے فاروقؓ نے زید کو عہدۂ قضا سونپا تھا اور ان کے لیے مشاہرہ بھی مقرر کر دیا تھا۔

باب ۲۹

عمرؓ کی جناب میں اُمّت کا پیش کردہ لقب امیرالمومنین

محمد بن سعد کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ کو اُمّت خلیفۃ رسول اللہ کہہ کر مخاطب کرتی تھی۔ اُن کے انتقال کے بعد حضرت عمرؓ کو لوگوں نے خلیفۃ خلیفۃ رسول اللہ کہنا شروع کیا۔ خلیفۃ خلیفۃ رسول یعنی رسول اللہ کے نائب کے نائب۔ مسلمان ایک تشویش میں مبتلا ہو گئے۔ تشویش یہ تھی کہ اگر خلیفہ کو مخاطب کرنے کا یہی طریقہ جاری رہا تو پھر نتیجہ یہ ہو گا کہ عمرؓ کے جانشین کو خلیفہ خلیفہ خلیفۃ رسول اللہ کہنا پڑے گا اور یہ سلسلہ یونہی دراز ہوتا جائے گا۔

چنانچہ سب نے بالاتفاق آرا طے کیا کہ کوئی ایسا لقب تجویز ہو جائے کہ اس سے عمرؓ کو اور پھر ان کے جانشینوں کو مخاطب کیا جایا کرے۔ صحابہ کرام نے فرمایا:۔

"اس میں مشکل بھی کیا ہے، ہم سب جماعتِ مومنین ہیں اور عمرؓ ہمارے والی اور امیر ہیں اور یوں آپ کا لقب امیرالمومنین ہو گیا۔ آپ سے پہلے یہ لقب کسی نے اختیار نہ کیا تھا۔

ابن شہاب کا بیان ہے:۔

"عمر بن عبدالعزیز نے ایک بار ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ سے پوچھا تھا کہ اس کا کیا سبب تھا کہ ابوبکرؓ اپنے فرامین وغیرہ میں عموماً "ابوبکر خلیفۃ رسول اللہ کی جانب سے" اپنی تحریروں کی ابتدا کرتے تھے۔ اور عمرؓ "عمر بن الخطّاب خلیفۃ ابی بکر" سے اپنی تحریروں کو شروع کرتے تھے۔ تو یہ امیرالمومنین لکھنے کا طریقہ کب سے رائج ہوا۔ ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ نے جواب دیا کہ، "میری دادی شفا نے، جو اُن خواتین میں شامل ہیں جنہوں نے سب سے

پہلے ہجرت کی تھی، مجھ سے بیان کیا کہ ایک بار حضرت عمرؓ بازار تشریف لے گئے تو وہ بھی بازار گئیں وہاں اُنہوں نے عراقین (یعنی عراق عرب اور عراق عجم) کے علاقہ کے والی کے نام ایک تحریر بھیجی جس میں یہ تھا کہ ان کے پاس دو مستند اور معتبر اور لائق قسم کے اشخاص روانہ کیئے جائیں۔ تاکہ وہ عراق اور اہلِ عراق کے بارے میں صحیح اطلاعات پیش کریں۔ والی نے لبید بن ربیعہ اور عدی بن حاتم کو روانہ کیا۔ یہ دونوں مدینے پہنچے۔ اپنی سواریاں مسجد کے باہر میدان میں باندھیں اور مسجد میں داخل ہوئے۔ وہاں ان کی ملاقات عمرو بن العاصؓ سے ہوئی۔ ان دونوں نے ان سے کہا کہ وہ امیر المومنین عمرؓ سے انھیں ملوا دیں۔" عمرو بن العاصؓ فوراً حضرت عمر کے پاس پہنچے اور جاتے ہی کہا:۔

"السلام علیک یا امیر المومنین" عمرؓ نے پوچھا:۔

"ابن العاص تم نے کیا کہا، تمہیں اپنے الفاظ واپس لینے ہوں گے"

عمرو بن العاصؓ بولے: "قصہ یہ ہے کہ لبید ابن ربیعہ اور عدی بن حاتم آئے ہوئے ہیں۔ مجھ سے کہا کہ وہ امیر المومنین سے ملوا دیجئے" میں نے کہا بخدا تم لوگوں کو بالکل صحیح لقب سوجھا۔ عمرؓ واقعی امیر ہیں اور ہم لوگ مومنوں کی جماعت ہیں اور اسی روز سے بس یہ لقب چل پڑا۔

لیکن ضحاک کی رائے یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے خود ہی یہ لقب اپنے لیے تجویز کیا تھا "تم لوگ جماعتِ مومنان ہو اور میں تمہارا امیر ہوں، یعنی میں امیر المومنین ہوں" ابن خطاب نے اعلان فرمایا۔

باب ۳۰

فاروقی عہد کی جدّت طرازیاں

میمون بن مہران کی بیان کردہ روایت کی رُو سے :۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک فرمان پیش کیا گیا جس پر شعبان کی تاریخ ثبت تھی۔ امیرالمومنین نے اس موقع پر سوال کیا :۔

"یہ کون سا شعبان تھا۔ گذشتہ یا آئندہ یا جاری"

اِس کے بعد اصحابِ رسول اللہ کا ایک جلسہ بُلا کے آپ نے اس مسئلہ کی اہمیت بیان کی اور کہا :۔

"کوئی ایسی چیز ہونی چاہیئے جس سے بعد میں (اس شعبان) کی حقیقت واضح ہوسکے چنانچہ ایک رائے تو یہ ہوئی کہ رومی تاریخ اور تقویم کو اختیار کیا جائے۔ لیکن پھر اس رائے کو اس لیے رَد کر دیا گیا کہ اس میں طوالت بہت تھی۔ اور یہ ذوالقرنین کے عہد سے لکھی جاتی تھی"

ایک اور رائے یہ تھی کہ اہلِ فارس کی تقویم اختیار کی جائے، مگر اس تقویم میں بڑا عیب یہ تھا کہ یہ ہر نئے حکمران کے ساتھ بدل جایا کرتی تھی اور نیا بادشاہ اپنے عہد میں ماقبل عہد کو پس پشت ڈال دیتا تھا، بڑی بحث و تمحیص کے بعد اس پر اتفاق ہوا کہ یہ دیکھا جائے کہ رسول اللہ نے مدینہ میں کتنی مدّت تک قیام فرمایا تھا۔

چنانچہ طے یہ ہوا کہ اسلامی تاریخ کے واقعات اور حادثات لکھنے کے لیے واقعات

ہجرت کو سرِ آغاز قرار دیا جائے۔

عثمان بن عبداللہ نے سعید بن المسیّب کے حوالہ سے بیان کیا ہے:۔

"عمر بن الخطابؓ کو جس وقت اسلامی تاریخ کے نقطۂ آغاز کے تعیّن کا خیال پیدا ہوا تو آپ نے جُملہ مہاجرین و انصار کو جمع کیا اور اُن سے اس باب میں مشورہ لیا۔ حضرت علیؓ نے مشورہ دیا کہ اسلامی تاریخ اس وقت سے لکھی جانی چاہیئے جب سے آنحضرتؐ نے زمینِ شرک کو خیر باد کہا تھا۔ یعنی ہجرت فرمائی تھی۔ فاروقؓ نے اسے تسلیم کرلیا۔

ابن المسیّب نے ایک اور موقع پر کہا تھا کہ عمرؓ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے تاریخ لکھنی شروع کی، لیکن اس پر عمل درآمد یعنی نفاذ فاروقی خلافت کے تیسویں مہینے شروع ہوا۔ یہ محرم کی سولہ تاریخ کا واقعہ ہے۔ اِس انتخاب میں علی ابنِ ابی طالبؓ کے مشورہ کو بڑا دخل ہے۔

محمد بن عمر بن ابی الزناد نے اپنے والد سے روایت کی ہے:۔

"عمرؓ نے تاریخ کے نقطۂ آغاز کے تعیّن کے سلسلے میں اُمّت سے مشورہ کیا تو سب کی رائے ہوئی کہ ہجرت کے واقعہ کو ابتدا قرار دیا جائے۔

عبدالرحمٰن بن ابی الزناد نے اپنے والد سے روایت کی ہے:۔

"مقامِ ابراہیم کعبہ سے بالکل ملحق تھا۔ یہ صورت عہد فاروقی تک قائم رہی۔ ان کا دورِ زریں آیا تو انھوں نے اعلان کیا کہ یہ بات اُن کے علم میں ہے کہ مقامِ ابراہیم اب جس جگہ پر ہے وہاں وہ پہلے نہ تھا۔ بلکہ قریش نے اسے سیلاب کی دست برد سے بچانے کیلئے اس کی اصل جگہ سے ہٹا دیا تھا۔ اب مقامِ ابراہیم کا اصل محل معلوم ہو جائے تو اسے وہیں لوٹا دیا جائے۔ ایک شخص عائذ بن عبیداللہ کی اولاد میں تھا اس کا نام ابن عمر بن مخزوم تھا، اس نے کہا:۔

"امیرالمومنین! بخدا مجھے مقامِ ابراہیم کا اصل محل یعنی وہ جگہ جہاں یہ پہلے تھا، معلوم ہے۔"

"جس وقت قریش نے مقامِ ابراہیم میں تبدیلی کی تو میں نے ایک رسّی کی مدد سے مقامِ کے اصل محل کا اندازہ کرلیا تھا۔ میں نے یہ کیا کہ رسّی کا ایک سرا بیت اللہ کے رکنِ اوّل کے پاس رکھا پھر رسّی کو مقامِ ابراہیم تک لاکر علامت کے طور پر اس میں ایک گرہ لگادی، رسّی میرے پاس اب تک موجود ہے۔"

امیرالمومنین نے وہ رسّی طلب کی اور اسی اندازے کے مطابق مقام ابراہیم کو اس کی پرانی جگہ پر لے آئے اور اس موقع پر اُمّت کی توجّہ اس حکمِ الٰہی کی جانب بھی مبذول کرائی کہ "واتخذوا من مقامِ ابراھیم مصلی" یعنی کعبہ میں جہاں ابراھیم کھڑے ہو کر عبادت کرتے تھے تم بھی عبادت کرو۔

محمد بن سعد کہتے ہیں کہ:۔

"محدثین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ سب سے پہلے عمر بن الخطابؓ کو امیرالمومنین کے لقب سے پکارا گیا اور وہی سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے اسناد و فرامین پر تاریخ لکھنی شروع کی۔ اِس واقعہ کا آغاز ربیع الاول ۱۶ھ سے ہوا۔"

امیرالمومنین نے آنحضرتؐ کی مکّہ سے مدینہ ہجرت کو اسلامی تاریخ کا نقطۂ آغاز قرار دیا۔ حضرت عمرؓ ہی نے رسولؐ سے پہلے قرآن کو مصحف کی شکل میں مرتّب کیا اور رمضان کے قیام یعنی تراویح کی ادائگی کو مدینہ اور دوسرے شہروں میں رائج کیا مدینہ میں ان کے دَور میں یہ انتظام ہوا کہ ایک قاری مَردوں کو نماز پڑھاتا تھا اور ایک کی قرأت میں عورتیں نماز ادا کرتی تھیں۔ امیرالمومنین ہی کا اجتہاد تھا کہ مے خواری کی شرعی سزا اسّی دُرّے قرار پائی۔ عمرؓ نے رویشد الثقفی کے مکان میں، جہاں شراب کشید ہوتی تھی آگ لگوادی تھی۔ ان کے ہی عہد سے شبینہ گشت کا آغاز ہوا تاکہ قوم کا اصل حال معلوم ہوسکے۔

عمرؓ پہلے شخص ہیں کہ وہ دُرّہ ہاتھ میں لے کر چلتے تھے اور اس سے خطاکاروں

کی تنبیہ اور تادیب بھی کرتے تھے، ان کے دُرّے کی ہیبت تھی کہ بعد میں یہ کہا جانے لگا:۔

"عمر رضؓ کا دُرّہ تمہاری تلواروں سے زیادہ ہیبت انگیز تھا"

عمری عہد فتوحات کے لیے ممتاز ہے۔ کتنی ہی فتوحات اور کشور کشائیاں ان کے حیرت انگیز دور کی یادگار ہیں، عراق اپنے میدانوں اور پہاڑوں کے ساتھ اور آذربائیجان اور بصرہ، اپنی بستیوں اور بیابانوں کے ساتھ اور اھواز کا آباد حصہ اور فارس اور شام کا کل کا کل مسکونہ علاقہ بجز اجنادین کے عہدِ صدیقی میں فتح کر لیا گیا تھا اور جزیرہ اور موصل اور مصر اور اسکندریہ اور رے (موجودہ اصفہان کا علاقہ) غرض اس عہد کی متمدن دنیا کے یہ تمام کے تمام سیم خیز اور زرخیز علاقے عمری عہد میں قلمروِ اسلام میں داخل ہو گئے۔

امیر المومنین کے عہد میں زمینوں کی پیمائش کا کام ہوا اور مختلف اراضی کی شرح لگان متعین ہوئی۔ اسی دور میں مفتوحہ علاقہ میں غیر مسلموں پر جنہیں اسلامی اصطلاح میں ذمّی کہا جاتا ہے، جزیہ عاید کیا گیا، ذمّیوں میں بھی طبقہ بندی کر دی گئی۔ اُمراء پر اڑتالیس درہم، درمیانی طبقہ کے لوگوں پر چوبیس درہم اور غریب لوگوں پر بارہ درہم عائد کیے گئے۔ یعنی ذمّیوں میں کم سے کم ایک درہم ماہوار ہر ایک کو دینا پڑا اور اس ایک درہم کے عوض یہ غیر مسلم اسلام کے عادلانہ اور قانونی نظام سے پورے طور پر بہرہ اندوز ہوتے۔ (ش۔ح۔ع) مسکونہ اور پہاڑی علاقوں کا مجموعی خراج اکیس لاکھ چند ہزار درہم تھا جو دیکھو آج کل کے لحاظ سے ایک بڑی رقم ہوگی۔ (ش۔ح۔ع) حضرت عمر رضؓ ہی نے بصرہ، کوفہ، الجزیرہ، شام، مصر، موصل میں عربوں کی نئی بستیاں بسائیں اور بصرہ اور کوفہ کے تو وہ بنیاد گزار ہیں۔

اسی عہد میں صوبوں میں اسلام کا عدالتی نظام برقرار ہوا۔ پھر مردم شماری کا سلسلہ

شروع ہوا اور دفاتر مرتب ہوئے اور لوگوں کے نام ان کے اپنے اپنے قبیلوں کی بنیاد پر درج دفتر ہوئے۔ اسی طرح لوگوں کے لیے مالِ غنیمت سے روزینے مقرر ہوئے۔ اس سلسلہ میں اہلِ بدر کو تمام اشخاص پر ترجیح دی گئی اور باقی اشخاص کو ان کے مراتب اور ان کے تقدم الی الاسلام کی رو سے روزینے دیے گئے۔ اسی دور میں غذائی سامان پہلی بار جہازوں پر لد کر مصر سے آیا اور پہلے جار نام کے مقام پر اُتارا گیا اور پھر وہاں سے مدینہ لایا گیا۔ فاروق رضؓ نے یہ عمل ایک بار سے زیادہ کیا کہ جب اُمراء یعنی گورنروں کو معزول کیا تو ان کی تمام دولت بحق حکومتِ الٰہی ضبط کر لی۔ سعد بن ابی وقاص رضؓ اور ابو ہریرہ رضؓ انھی عمالِ حکومت میں شامل ہیں۔ حضرتِ عمر رضؓ کا مسلک تھا کہ وہ بہت زیادہ برگزیدہ اور متقی حضرات کو کاروبارِ حکومت میں ملوث نہیں ہونے دیتے تھے۔ فاروق نے مسجد نبوی کے حصہ میں حضرت عباس رضؓ کے مکان کا حصہ بھی شامل کر دیا۔ اور اس میں مطلق شک کی گنجائش نہیں کہ فاروق ہی نے یہودیوں کو ارضِ حجاز سے خارج کر کے انھیں شام بھجوا دیا۔ بیت المقدس کی فتح کے موقع پر فاروق رضؓ بنفسِ نفیس موجود تھے۔ آپ نے اپنے دورِ خلافت کے پہلے سال میں عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کو امیرِ حج مقرر کیا اور اہلِ مدینہ کی قیادت میں بیت اللہ کی زیارت سے شرف اندوز ہوئے۔ خلافت کے باقی سالوں میں فاروق رضؓ قافلۂ حج کی سرداری خود ہی قبول کرتے رہے۔ چنانچہ دس سال تک یہی ہوتا رہا۔ آخری حج میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات بھی شریکِ سفر تھیں۔ فاروقِ اعظم رضؓ نے اپنے دور میں تین بار عمرہ بھی ادا کیا۔ مقامِ ابراہیم کو جو پہلے بیت اللہ سے بالکل ملحق تھا۔ آپ ہی نے ہٹا کر اس کی موجودہ جگہ متعین کی۔ عبیداللہ بن ابراہیم کے بیان کی رو سے مسجد نبویؐ کا فرش آپ ہی کے دور میں پختہ ہوا۔ اب تک ہوتا یہ تھا کہ لوگ جب سجدوں سے سر اُٹھاتے تھے تو اپنے ہاتھ جھٹک دیتے تھے۔ تاکہ گرد افشانی ہو سکے۔ فاروقی احکامات نافذ ہو گئے اور مسجد نبویؐ کا فرش

عقیق سے مشیّد کر دیا گیا۔

مصعب بن سعد کا بھی مسلک یہی ہے کہ عمرؓ ہی کے دور میں روزینے مقرر کیے گئے ازواجِ مطہرات میں حضرت عائشہ کو باقی ازداج پر فضیلت دی گئی اور ان کا وظیفہ بارہ ہزار سالانہ مقرر ہوا۔ اور جویریہ اور صفیہ کے ماسوا، جن کے وظائف چھ چھ ہزار سالانہ تھے، بقیہ ازواج کے وظائف دس دس ہزار سالانہ مقرر کئے گئے۔ مہاجرات الاول (سب سے پہلے ہجرت کرنے والی خواتین اسلام) میں اسمار بنت عمیس، اسمأ بنتِ ابوبکرا ور ام عبداللہ بن مسعود کیلئے ہزار ہزار سالانہ مقرر ہوئے۔ سلمہ نے ابن عروۃ سے اور انھوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ عمر بن الخطابؓ نے مسجدِ نبویؐ کے فرش کو پختہ کرا دیا تھا اور وادئ مبارک کے پتھر استعمال کئے تھے۔

باب ۳۱

نمازِ تراویح کی تنظیم

اِس سلسلہ میں زہری نے عروہ بن الزبیر کے حوالے سے حضرت عائشہ کا بیان نقل کیا ہے، وہ بیان یہ ہے:۔

ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آدھی رات کے قریب برآمد ہوئے مسجد میں جا کر نماز ادا کی، صحابہ نے بھی نماز ساتھ ادا کی۔ لوگوں میں اِس نمازِ شب کا ذکر چل نکلا۔ چنانچہ دوسری شب مزید لوگ جمع ہو گئے اور آنحضرتؐ نے دوسرے دن بھی اس عمل کو دہرایا۔ اب اس نماز کے چرچے کچھ اور بڑھ گئے اور تیسرے روز بھی لوگ بڑی تعداد میں اکٹھے ہو گئے اور چوتھے روز تو یہ عالم ہوا کہ مسجد میں تل دھرنے کو جگہ نہ رہی اور لوگوں کو باہر رُکنا پڑا۔ لیکن آج شب آقائے نامدار برآمد نہ ہوئے اور جب فجر کی نماز کا وقت آیا تو آپ کاشانہ سے باہر تشریف لائے۔ نمازِ فجر ادا ہو چکی تو رسالت مآب نے قوم کو اپنے چہرۂ انور سے شاد کیا اور اللہ کی یکتائی اور اپنی رسالت کی شہادت دینے کے بعد ارشاد فرمایا:۔

"مجھے اس کا احساس ہے کہ کل رات تم لوگوں پر میرے نہ آنے سے کیا گزری میں اس لیے نہیں آیا کہ مجھے خوف تھا کہ یہ نماز تمہارے لیے فرض نہ قرار دے دی جائے اور پھر اس فرض کی ادائگی تم پر ایک بارِ گراں ہو۔ یوں بھی آنحضرتؐ اُمت کو تلقین فرماتے رہتے کہ رمضان کے مہینے میں قیام یعنی عبادت بے حد مستحسن عمل ہے اس سلسلہ

میں آپ کا ارشادِ گرامی ہے:۔

"رمضان کا قیام از روئے ایمان و احتساب (یہاں قیام سے مُراد قیام برائے نماز تراویح ہے) انسان کے اگلے پچھلے تمام گناہوں کا کفارہ بن سکتا ہے۔ آنحضرتؐ کے وصال تک اور پھر عہدِ صدیقی میں اور فاروقی دور کی ابتدا میں یہی صورت برقرار رہی۔ یعنی تراویح کا کوئی رواج نہ تھا۔ اب عروہ کی روایت ملاحظہ ہو:۔

مجھے عبدالرحمٰن بن عبدالقاری نے جو فاروقی عہد کے ایک صاحبِ منصب تھے، اور عبداللہ بن الارقم کے ساتھ بیت المال کی نگرانی کا کام دیکھتے تھے، بتایا کہ رمضان کی ایک رات کو وہ امیرالمومنین کے ساتھ تھے۔ امیرالمومنین نے مدینہ کے نفوسِ قدسیہ کی شبینہ زندگی کا جائزہ لیا اور اس سلسلہ میں مسجد کا گشت لگایا۔ لوگ الگ الگ عبادت میں مصروف تھے۔ کوئی خود ہی امامت کر رہا تھا اور خود ہی اپنا مقتدی تھا۔ کچھ لوگ کسی ایک شخص کو اپنا امام بنا کے اس کی امامت میں پڑھ رہے تھے۔ غرض یوں تو کلامِ ربانی سب سُن رہے تھے۔ مگر کیا یہ قیام منظّم تھا؟ نہیں، معًا فاروقِ اعظمؓ کو یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ اگر تمام لوگ ایک قاری کے پیچھے قرآن سنیں تو یہ بڑی مثالی اور معیاری بات ہو گی۔ چنانچہ امیرالمومنین نے ابیؓ بن کعبؓ کو حکم دیا کہ وہ نماز پڑھائیں۔ ایک ایسی ہی رات تھی جب رمضان کے مُبارک مہینے میں لوگ ایک ایک قاری کی قرأت سے اپنی بالیدگیٔ روح کا سامان فراہم کر رہے تھے اور امیرالمومنین کے ساتھ ساتھ عبدالرحمٰن بن عبدالقاری تھے۔ امیرالمومنین نے یہ روح پرور منظر دیکھ کر فرمایا:۔

"دیکھنا کس قدر دل انگیز ہے یہ عبادتِ نو اور اگر شب کے آخری حصّہ میں یہ عبادت کی جائے تو اور اچھا ہو۔"

یہی عبدالرحمٰن بن عبدالقاری ایک اور موقع پر بیان کرتے ہیں:۔

"رمضان کی ایک شب میں، عمر بن الخطّابؓ کی معیت میں مسجد آیا۔ لوگ الگ الگ

ٹولیوں اور بعض لوگ تن تنہا نماز میں مشغول تھے (ظاہر ہے یہاں نماز سے مُراد نمازِ تراویح ہے۔ ش۔ح۔ع) امیرالمومنین نے سوچا کہ اگر یہ سب ایک قاری کے پیچھے نماز تراویح ادا کریں تو زیادہ مناسب صورت ہوگی۔ طے یہ پایا کہ ابیؓ بن کعب ان نمازوں کی امامت کریں گے۔ دوسری رات جب میں فاروقؓ کے ساتھ پھر نکلا اور ہمیں تمام لوگ منظم، مجتمع اور ایک قاری کی اقتدا میں نظر آئے تو موصوف نے مجھ سے فرمایا:۔

"یہ کیسی اچھی رسم پڑ گئی اور بہتر تو یہ ہوگا کہ لوگوں کی یہ عبادت اور یہ سماعتِ قرآن رات کے آخری حصہ میں ہو۔ سوتے رہنے کے مقابلے میں عبادت و ریاضت کس قدر اولیٰ ہے۔"

ابو عثمان کہتے ہیں کہ ابنِ خطابؓ نے تین مختلف قاریوں کو طلب کیا۔ سب سے زیادہ تیز پڑھنے والے قاری کو ہدایت فرمائی کہ وہ تیس آیتیں پڑھے۔ پھر بیچ کے لہجہ میں پڑھنے والے اور سست اور آہستہ پڑھنے والے قاریوں کو علی الترتیب پچیس اور بیس آیتیں پڑھنے کی ہدایت کی۔ مطلب یہ کہ ہر رکعت میں مختلف رفتار سے پڑھنے والے حضرات کے لیے ایک تخمینی معیار قائم کر دیا۔

عبداللہ بن حکیم الجہنی کہتے ہیں:۔

رمضان شروع ہوتا تو امیرالمومنین مغرب کی نماز کے بعد ایک مختصر تقریر فرمایا کرتے اور کہتے کہ رمضان کا مہینہ آ گیا ہے اور اس مہینے کے روزے بے شک تم پر فرض ہیں۔ مگر اس مہینے میں قیام یعنی قرآن سننے کیلئے تراویح کا قیام تم پر فرض نہیں۔ اب تم لوگ چاہو تو اپنی راتیں نیکی اور بھلائی لوٹنے میں گزارو اور چاہو تو یہی وقت سونے میں گزار دو۔ انسان اگر روزہ سے ہو تو اسے یہ کہنے میں کہ "میں روزہ سے ہوں" یا اگر اس نے ساری رات عبادت کی ہے تو اس کا اعلان کرنے میں اسے احتیاط برتنی چاہیئے۔ اس لیے کہ صیام اور قیام دونوں اللہ کے لیے ہیں۔ مسجدوں کے اندر مسجدوں کا احترام برقرار رکھنا چاہیئے۔ نماز کا انتظار بھی گویا حالتِ

نماز میں ہونا ہے۔ اس کے بعد تین بار فرمایا:۔

"جب تک رمضان کا چاند دکھائی نہ دے لے ہرگز روزہ کی ابتدا نہ کرنی چاہیئے۔ اسی طرح جب تک چاند دکھائی نہ دے یعنی شوال کا چاند دکھائی نہ دے لے روزوں کا اختتام جائز نہیں۔ البتہ اگر کہیں چاند صاف نہ نظر آسکے تو وہاں تیس دن کا حساب کر لینا چاہیئے یعنی جب تیس دن پورے ہو جائیں تو روزوں کا اختتام متصور ہونا چاہیئے۔ رہا افطار کا معاملہ تو اسکی علامت (اہلِ مدینہ کے لیے) یہ ہے کہ ضراب کی پہاڑیوں پر اندھیرا چھا جاتے۔"

ابو اسحٰق ہمدانی کی روایت ہے کہ:۔

"رمضان کی کسی رات کے ابتدائی حصے میں علی بن ابی طالبؓ نے مسجدوں کو قندیلوں سے روشن اور تلاوتِ کلامِ ربانی سے پرخروش پایا۔ یہ رُوح پرور منظر دیکھ کر فرمایا:۔

"اللہ عمرؓ کی قبر کو روشن کرے کہ انھوں نے اس کی مسجدیں روشن کی ہیں۔"

مجاہد کی روایت بھی اس روایت سے مشابہ ہے:۔

"علی بن ابی طالبؓ رمضان کی ایک شب میں یہ دیکھ کر کہ مسجدوں میں بآوازِ بلند قرآن کی تلاوت ہو رہی ہے۔ مسرور و شاداں ہوئے اور فرمایا:۔

"اللہ عمرؓ کی قبر پہ نور برسائے، انہوں نے ہماری مسجدیں منوّر کی ہیں۔"

باب ۳۲

عمرِ رسُول اللہ کی غیر معمولی ذکاوت و دانائی

ابن عمر راوی ہیں:۔

"ان کے والد ایک دن بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی اُدھر سے گزرا۔ ارشاد ہوا:۔

"ایک دور تھا جب مجھ میں بڑی فراست تھی اور میں صائب الرائے نہیں، اگر اس شخص کے بارے میں یہ ثابت نہ ہو کہ یہ کبھی نہ کبھی کاہن ضرور تھا۔" پھر کہا "اس شخص کو میرے پاس لایا جائے۔" وہ آیا اور اس سے پرسش ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ کاہن رہ چکا ہے۔ یعنی ایک دور میں اس کا مشغلہ کہانت اور شعبدہ طرازی تھا۔

یحییٰ بن سعید کہتے ہیں:۔

عمر بن الخطابؓ نے کسی آدمی سے پوچھا:۔

"تمھارا نام کیا ہے؟"

اس نے جواب دیا "جمرہ" یعنی چنگاری۔

آپ نے پوچھا "باپ کا نام؟"

آدمی نے جواب میں کہا، "انگارے"۔

پوچھا، "قبیلہ؟"

کہا "جلانے والوں کا قبیلہ"۔

پھر پوچھا "مسکن کہاں ہے؟"

آدمی نے کہا "وہ آگ کی حرارت میں"۔
اس کے بعد سوال ہوا "آگ کی کس قسم کی حرارت؟"
اس نے جواب دیا "آگ کے شعلوں کی حرارت"۔
امیر المومنین نے فرمایا:۔
"اپنے اہل و عیال کی خبر لے وہ آگ میں جل چکے ہیں"۔
اس شخص کے متعلقین واقعی آگ کی بھینٹ چڑھ چکے تھے۔

زید بن اسلم نے اپنے والد سے سُن کر روایت بیان کی ہے:۔
"ایک موقع پر عمر بن الخطابؓ مختلف لوگوں سے ملاقات کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک آدمی اپنے بیٹے کو اپنے کاندھے پر بٹھائے ہوئے ان کے سامنے سے گذرا۔ فرمایا:۔
"دو کوے آپس میں اتنے ایک دوسرے سے نہ ملتے ہوں گے، جتنے یہ ایک دوسرے سے مشابہ ہیں"۔
آدمی نے جواب دیا "امیر المومنین! خدا شاہد ہے کہ یہ بچہ ایک مُردہ ماں کے بطن سے پیدا ہوا ہے"۔
امیر المومنین نے پوچھا "وہ کیسے؟"
اُس شخص نے کہا "قصّہ یہ ہے کہ میں ایک بار اپنی ایک ضرورت سے سفر پر روانہ ہوا۔ میری بیوی حاملہ تھی۔ چلتے وقت میں نے کہا تھا کہ تیرے بطن میں جو بچہ بھی پرورش پا رہا ہو میں اسے اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ میں سفر سے پلٹا تو مجھے بتایا گیا کہ میری بیوی مر چکی ہے۔ ایک رات کا ذکر ہے میں قبرستان میں جہاں میری بیوی مدفون تھی اپنے چند عزیزوں کے ساتھ موجود تھا۔ دفعتہً مجھے ایک روشنی نظر آئی یوں معلوم ہوا جیسے قبروں پر کوئی چراغ جل رہا ہو۔ میں نے اپنے عزیزوں سے پوچھا:۔
"یہ کیسی روشنی ہے؟"

انہوں نے جواب دیا، "ہم تو بس اتنا جانتے ہیں کہ ہر رات یہ روشنی فلاں (مراد میری بیوی) کی قبر پر دکھائی دیتی ہے۔ میں نے اپنے ساتھ ایک کلہاڑی لے لی اور قبر کی سمت چل پڑا قبر یکبارگی شق ہو گئی اور اس کے بعد کا منظر بڑا ہی عجیب تھا، یہ بچہ اپنی ماں کے آغوش میں لیٹا ہوا تھا۔ جب میں قریب ہوا تو کسی پکارنے والے نے پکار کر کہا:۔

اے وہ کہ تو نے اپنی امانت اللہ کے سپرد کر دی تھی، آ اور اپنی امانت لے جا اور سن رکھ کہ اگر تو نے اس بچہ کی ماں کو بھی اللہ کی امانت میں دے دیا ہوتا تو اسے بھی زندہ ہی پاتا۔

میں نے بچہ کو اٹھا لیا اور قبر پھر سے جڑ گئی"۔

باب ۳۳

ابن حنتمہ کی رعیّت پروری

شعبی سہل اور مبشّر نے اپنے اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے :-

"جب لوگوں نے عمرؓ کی باتیں سنیں اور ان کے کام دیکھے اور ان کا بازاروں میں گھومنا اور ان کا مختلف راستوں کا گشت لگانا اور انکا عدل و انصاف جسے انھوں نے مختلف قبیلوں میں قائم کیا تھا، مشاہدہ کیا۔ اسی طرح تعلیم و ارشاد کے بارے میں ان کی کوششیں اور غازیوں کے متعلقین کی خبر گیریاں، جب یہ تمام چیزیں دیکھیں تو لوگوں کو ابوبکرؓ اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم یاد آ گئے۔ قوم نے اس رائے کا اظہار کیا کہ رسول اللہ کا علم ابوبکرؓ کے علم سے اور ابوبکر کا علم عمرؓ کے علم سے زیادہ تھا۔ اور ابوبکرؓ و عمرؓ دونوں ایک ہی راستہ پر گامزن ہوتے مگر ابوبکرؓ کی نرمی اور عمرؓ کی سختی دونوں انتہا کو پہنچی ہوئی تھیں، لیکن ابوبکرؓ اپنی نرمی کے باوجود دین کے معاملے میں ادنیٰ سا انحراف برداشت نہ کر سکتے تھے۔ یعنی ان کی نرمی وہاں تھی جہاں اسے ہونا چاہیئے تھا۔ اسی طرح عمرؓ اپنی سختی اور تندی کے باوجود حد سے تجاوز نہ کرتے تھے۔ یعنی ان کی سختی ہمیشہ برمحل ہوتی تھی۔

ابن شہاب نے ثعلبہ بن ابی ملیک کے حوالے سے بیان کیا ہے :-

"ایک بار عمرؓ نے مدینہ کی خواتین میں کچھ پارچہ جات تقسیم کئے۔ ایک نفیس قسم کا کپڑا باقی بچ رہا تھا۔ کسی نے کہا، اسے بنت رسول اللہ (مراد اُم کلثوم بنت علیؓ) جو عمرؓ کی

زوجیت میں تھیں) کے لیے بھجوا دیں۔" فرمایا:۔

"ام سلیط کو اس کا حق زیادہ پہنچتا ہے۔ ام سلیط کے والد نے احد کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جاں نثاری میں ہم پر سبقت حاصل کی تھی (یہ حدیث صرف بخاری میں موجود ہے)۔

زید بن اسلم نے اپنے والد سے روایت کی ہے:۔

"امیر المومنین کا ایک بار میرا بازار تک ساتھ ہو گیا۔ اتنے میں ایک جوان عورت ان کے قریب آ گئی۔ عورت نے کہا:۔

"امیر المومنین میرا شوہر مارا جا چکا ہے۔ اس نے بہت چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے ہیں۔ ان بچوں کا عجب حال ہے۔ نہ ان کے لیے کوئی کھانے پینے کا بندوبست ہے نہ دودھ کا، مجھے اندیشہ ہے کہ یہ سب مر جائیں گے۔ میں خفاف بن ایماء الغفاری کی بیٹی ہوں۔ میرے والد حدیبیہ میں رسول اللہ کے ساتھ تھے۔"

امیر المومنین وہیں رک گئے اور فرمایا:۔

"سبحان اللہ، سبحان اللہ کیا سلسلہ نکل آیا۔"

اس کے بعد وہ ایک اونٹ کی طرف، جو مرکز میں بندھا ہوا تھا، متوجہ ہوئے اور اس پر دو بڑے بڑے تھیلوں میں کھانے کا سامان لاد دیا۔ ان تھیلوں کے بیچ میں کچھ نقد اور کچھ کپڑے بھی رکھ دیے اور پھر اس کی نکیل جوان عورت کے ہاتھ میں دیتے ہوئے فرمایا:۔

"اسے لے جاؤ اور یہ سامان ختم ہوتے ہوتے تمہیں اللہ اور دے گا۔" ایک آدمی یہ سب دیکھ رہا تھا۔ وہ بول اٹھا:۔

"امیر المومنین! آپ نے تو اسے بہت دے ڈالا۔" ارشاد ہوا:۔

"تمہیں کیا معلوم، میری آنکھ اس وقت بھی وہ منظر دیکھ رہی ہے کہ گویا اس عورت کے والد اور اس کے بھائی نے ایک مدت تک ایک قلعہ کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ پھر ان دونوں نے

قلعہ کو فتح کیا۔ صبح ہوئی تو ہمیں قلعہ کے اندر ہر طرف ان باپ بیٹوں کے چلائے ہوئے تیر نظر آ رہے تھے۔ یہ روایت بھی صرف بخاری میں موجود ہے۔

اوزاعی سے روایت ہے:-

"عمرؓ ایک رات جستجوئے احوالِ قوم میں نکلے۔ طلحہؓ کی نظر عمرؓ پر پڑ گئی۔ طلحہؓ نے امیر المومنین کی نظر بچا کے چلنا شروع کیا۔ عمرؓ پہلے ایک مکان میں داخل ہوئے۔ وہاں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک اندھی اپاہج بڑھیا بیٹھی ہوئی ہے۔

طلحہؓ نے پوچھا:-

"یہ آدمی تمہارے یہاں کیوں آتا ہے؟" بڑھیا نے کہا:-

"یہ آدمی ایک زمانہ سے میری خدمت کر رہا ہے اور میرے دکھ درد کا علاج کرتا ہے۔"

طلحہؓ نے یہ سن کر کہا:-

"طلحہؓ تجھے تیری ماں روئے، عمرؓ کے نقش قدم لینے چلا ہے۔"

ابنِ عمرؓ سے روایت ہے:-

"کچھ تاجر لوگ مصلّٰی نام کے مقام پر آ کے رُکے۔ امیر المومنین نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے کہا:-

"آؤ چلیں! آج کی رات ان لوگوں کی پاسبانی کریں۔"

تمام رات یہ دونوں جاگتے رہے اور قافلہ کی حفاظت کرتے رہے۔ اور جتنی اللہ نے توفیق دی عبادت بھی کرتے رہے۔ ناگاہ عمرؓ کے کان میں ایک بچہ کے رونے کی آواز آئی۔ امیر المومنین فوراً متوجہ ہوئے اور بچہ کی ماں سے فرمایا:-

"اللہ سے ڈرو اور بچّہ کی دیکھ بھال میں کمی مت کرو۔"

اور اس کے بعد اپنی جگہ پر لوٹ آئے۔ تھوڑی دیر میں رونے کی آواز پھر آئی۔ امیر المومنین

نے ایک بار پھر بچہ کی ماں کو تنبیہہ کی! لیکن رات کے پچھلے پہر جب بچہ نے پھر رونا شروع کیا تو حضرت عمرؓ سے بالکل نہ رہا گیا اور انھوں نے عورت سے کہا :۔

"تو بڑی قسی القلب عورت معلوم ہوتی ہے۔ آخر وجہ کیا ہے کہ بچہ رونے سے نہیں باز آرہا ہے؟" عورت بولی :۔

"اللہ کے بندے تو نے میری رات عذاب کردی میرے لیے! ارے میں اس بچہ کا دودھ چھڑا رہی ہوں۔ اسی میں یہ ضد کر رہا ہے۔"

"مگر کیوں؟" امیرالمومنین نے پوچھا۔

عورت بولی، "اس لیے کہ عمرؓ صرف ان بچّوں کے لیے روزینے مقرر کرتا ہے جو دودھ پیتے نہ ہوں۔" امیرالمومنین نے سوال کیا :۔

"اس بچہ کی کیا عمر ہے؟"

عورت بولی :۔ "یہ . . . . . . مہینے کا ہے۔" فرمایا :۔

"بہرحال وقت سے پہلے اس بچہ کو چھاتی سے مت جھٹک۔"

خلاصۂ کلام، دوسرے روز صبح کے وقت جب حضرت عمرؓ نے فجر کی نماز پڑھائی تو گریہ کی شدّت سے لوگ یہ سمجھنے تک سے قاصر تھے کہ وہ کیا پڑھا رہے ہیں۔ سلام پھیرتے ہی ارشاد ہوا :

"عمرؓ کا برا ہو اس نے مسلمانوں کے بچّوں کو مار ڈالا۔"

اس کے بعد اعلان کرایا گیا کہ بچوں کا دودھ چھڑانے میں عجلت نہ برتنی چاہیئے۔ اب ہر مسلمان بچہ کے لیے پیدائش ہی سے روزینہ مقرر ہو جایا کرے گا۔"

عبداللہ ابن عباس کا بیان ہے :۔

"عمر بن الخطابؓ شام کے سفر پر نکلے تو سرغ کے مقام پر ابوعبیدہ بن الجراحؓ اور دوسرے سپہ سالاروں نے ان کا استقبال کیا اور انہیں اطلاع دی کہ شام وباء کی زد میں

آ گیا ہے۔ امیر المومنین نے مجھ سے کہا کہ میں مہاجرین صحابہ کو بلا لاؤں، میں نے ایسا ہی کیا۔ امیر المومنین نے ان سے مشورہ کیا اور انھیں یہ اطلاع دی کہ شام میں وبا پھوٹ پڑی ہے۔ اب عمری پیش قدمی کے بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ کچھ لوگوں نے کہا:۔

"آپ ایک مہم پر نکلے ہیں تو مناسب یہی ہے کہ اسے پورا کیے بغیر واپس نہ لوٹیں۔

دوسرے گروہ کی رائے یہ تھی کہ حضرت عمرؓ کا، اصحاب نبی اور دوسرے چیدہ چیدہ لوگوں کو لے کر ایسے وبائی علاقہ میں جانا صحیح قدم نہ ہوگا۔ یہ مشورہ ہو چکا تو مہاجرین رخصت کر دئیے گئے اور انصار کی طلبی ہوئی۔ میں جا کے انصار کو بلا لایا۔ ان کا حال بھی وہی مہاجرین کا سا رہا۔ ان میں بھی اختلافِ رائے پیدا ہوا۔ چنانچہ انہیں بھی رخصت کر دیا گیا۔ اس کے بعد قریش کے بزرگ سال لوگ طلب ہوئے۔ ان میں البتہ کوئی اختلاف پیدا نہ ہوا اور انہوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ آپ ان تمام آدمیوں کے ساتھ واپس لوٹ جائیں اور وبائی علاقہ میں مت داخل ہوں۔ اب امیر المومنین نے منادی کرا دی کہ دوسرے دن وہ صبح ہی صبح واپسی کے لیے سوار ہو جائیں گے۔ لوگ بھی تیار ہو گئے۔ اس موقع پر ابو عبیدہ نے کہا:۔

"یہ تقدیر الٰہی سے فرار کیسا؟

امیر المومنین بولے:۔

"ابو عبیدہ یہ تم کہہ رہے ہو۔ ہم تو تقدیر الٰہی کے ایک دائرۂ کار سے تقدیر الٰہی کے دوسرے دائرہ کار کی طرف جا رہے ہیں۔"

فرض کرو تمھارے پاس اونٹوں کا ایک ریوڑ ہو اور تم اسے لے کے کسی پہاڑ کے دامن میں جا نکلو۔ دامن کوہ کا ایک حصہ سرسبز و شاداب اور دوسرا خشک اور بے آب و گیاہ ہو اب تم اونٹوں کو شاداب حصہ میں چراؤ گے تو بھی یہ از روئے تقدیر ہو گا اور انھیں خشک حصہ میں لے جاؤ گے تو بھی یہ از روئے قضائے الٰہی یعنی تقدیر ہی ہو گا۔" یہ بحث جاری ہی تھی کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ جو کسی سبب سے موقع پر موجود نہ تھے، آ گئے اور اعلان کیا:۔

اس سلسلے کی ایک اہم چیز میرے علم میں ہے، میں نے رسول اللہ کو فرماتے سنا ہے کہ، اگر تم کسی علاقہ کے بارے میں سنو کہ وہ وباء کی زد میں آگیا ہے تو اُدھر کا رخ مت کرو اور اگر تم وبا زدہ علاقہ میں ہو اور پہلے سے موجود ہو تو وہاں سے بھاگنے کی کوشش مت کرو۔" یہ سنکر فاروق رضی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ یہ روایت بخاری اور مسلم دونوں میں موجود ہے۔

زید بن اسلم نے اپنے والد سے روایت کی ہے :۔

"ایک موقع پر ہم امیرالمومنین کے ساتھ انتہائی گرمی کے موسم میں نکلے، اور ہم اس قدر آگے نکل گئے کہ رات آگئی۔ جب ہم صرار کے مقام پر پہنچے تو وہاں ہمیں دور سے آگ جلتی ہوئی نظر آئی۔ مجھ سے فرمایا:۔

"اسلم دیکھنا کچھ مسافر رات گذارنے اور سردی سے بچنے کے لیے رُک گئے ہیں، چلو ذرا ان کی خبر لے آئیں۔"

چنانچہ ہم لوگ آگے بڑھ گئے اور جہاں آگ روشن تھی اس سے بالکل قریب ہوئے تو ہم نے دیکھا کہ ایک عورت ہے اور اس کے چند چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور حالت یہ ہے کہ بچے ایک دیگچی کے ارد گرد جو آگ پر چڑھی ہے ہنگامہ بپا کئے ہوئے ہیں۔ امیرالمومنین نے قریب جا کر کہا:۔

"روشنی والو (یہ نہیں کہا کہ آگ والو) تم پر سلام۔"

عورت نے جواب دیا: "تم پر بھی سلام۔"

پوچھا، "میں قریب آسکتا ہوں؟"

عورت بولی، "اگر کوئی نیک مقصد ہے تو ہاں، ورنہ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو۔"

اب مزید مکالمہ ملاحظہ ہو:۔

امیرالمومنین :۔ "تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اس وقت اِس بیابان میں ہو؟"

عورت ۔ "ایک تورات اور پھر سردی، اس وقت ہم جاتے بھی کہاں!"
امیرالمومنین ۔ "یہ بچّے کیوں شور کر رہے ہیں؟"
عورت ۔ "بھوک کے سبب"۔
امیرالمومنین ۔ "اس دیگچی میں کیا چڑھا رکھا ہے؟"
عورت ۔ "کچھ بھی نہیں، یہ تو ایک بہانہ ہے کہ بچّے سو جائیں ورنہ دیگچی میں کیا رکھا ہے۔ ہمارے اور عمرؓ کے درمیان خدا ہے بس!"
امیرالمومنین ۔ "اللہ تم پر رحم کرے۔ یہ تو سوچو کہ عمر کو کیا معلوم کہ تم کس حال میں ہو؟"
عورت ۔ عمر ہماری ولایت اور سرداری قبول کرتا ہے۔ اور پھر ہم سے غافل ہو جاتا ہے"۔

مکالمہ یہیں ختم ہو گیا اور امیرالمومنین مجھ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ ہم واپس چلیں۔ ہم چل پڑے اور آٹے کے سرکاری گودام میں پہنچے۔ وہاں آپ نے ایک پیپے میں آٹا اور ایک بڑے برتن میں روغن لیا اور پھر مجھے حکم دیا کہ یہ دونوں چیزیں ان پر لاد دیں۔ میں نے ایسا کرنے میں تکلّف کیا تو ناراض ہونے لگے کہ تیری ماں تجھے روئے، تو قیامت کے روز بھی میرا بوجھ اُٹھائے گا؟"

غرض امیرالمومنین نے سارا سامان خود ہی اٹھالیا، میں ان کے آگے آگے تھا۔ ہم اب اسی جگہ پہنچ گئے تھے۔ یہ سامان عورت کے آگے ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد آٹے کی کچھ مقدار لے کر امیرالمومنین نے عورت سے کہا کہ وہ اسے بھون لے اور پھر خود انھوں نے اس سے حریرہ تیار کر لیا اور دیگچی کو چولھے پر سے اُتار لیا۔ اس کے بعد تھوڑا سا حریرہ ایک برتن میں نکال کے عورت کو دے دیا کہ وہ بچّوں کو کھلائے اور بقیہ کو خود ٹھنڈا کرتے رہے۔ عورت بچّوں کو کھلاتی رہی اور امیرالمومنین اس سے تعاون کرتے رہے۔ بچّے اب بالکل ہی شکم سیر ہو چکے تھے اور کھانا بچ گیا تھا۔ امیرالمومنین اُٹھ

کھڑے ہوئے اور میں بھی۔ عورت بولی :۔

"اللہ تمہیں جزائے خیر دے، امیر المومنین تو تم کو ہونا چاہیئے تھا۔"

فاروق اعظمؓ نے فرمایا :۔

"امیر المومنین کے پاس پہنچنا تو میرے حق میں کلمۂ خیر کہنا انشاءاللہ میں وہاں موجود ہوں گا۔"

اس کے بعد وہ ایک گوشے میں کھڑے ہو گئے کہ عورت انھیں پہچان نہ سکے۔ اور پھر اس سے بھی کچھ اور آگے بڑھ کر کھڑے ہو گئے کہ عورت انھیں پہچان نہ سکے ــــــ میں نے کہا، "آپ کی شان اس سے بہت بلند ہے۔ امیر المومنین نے مجھے کوئی جواب نہ دیا اور انھوں نے بات اس وقت شروع کی جب بچے بفراغت و اطمینان سو گئے۔ فرمایا :۔

"اسلم یہ بچے بھوک کے باعث جاگے ہوئے تھے اور بلک رہے تھے۔ اور میں منتظر تھا کہ یہ منظر دیکھ لوں، یعنی یہ کہ بچے آسودہ ہو کے سو جائیں تو کچھ اور کروں۔"

عبداللہ بن زید بن اسلم نے اپنے والد سے اور انھوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے :۔

عمرؓ صائم الدہر تھے، یعنی سال کے اکثر ایام میں روزہ سے رہتے تھے۔ پھر قحط کے پُر آشوب لیل و نہار آئے تو اس دورِ محن میں مہ و پروین کے امیر نے روٹیوں کو زیتون کے تیل سے کھانا شروع کیا۔ یہ کیفیت کچھ دنوں رہی تا آنکہ کچھ بھیڑیں اور بکریاں ذبح کی گئیں۔ اس موقع پر امیر المومنین کے لیے خاص طور پر کلیجی وغیرہ لائی گئی، مگر آپ نے کھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا :۔

"میں بہت بُرا والی ثابت ہوں گا۔ اگر میں خوش ذائقہ چیزیں خود کھاؤں اور قوم کے لوگ ان سے محروم رہیں۔ چنانچہ ان کے لیئے وہی نان اور روغن زیتون فراہم کیے گیے۔ انھوں نے خود اپنے ہاتھوں سے روٹیاں توڑ توڑ کر زیتون کے تیل میں ڈالیں اور جب

آتے اور ہم لوگوں کو حکم دیا کہ ان کے بغیر نماز پڑھ لیں۔ فرمانے لگے :۔

"اس وقت نہ نماز ہی پڑھی جاتی ہے اور نہ سویا جاتا ہے۔ عجیب حال ہے میرا۔ کوئی سورة پڑھنا شروع کرتا ہوں تو مجھے یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ میں نے اس کی تلاوت کب شروع کی تھی اور سورة کہاں سے شروع ہوئی تھی اور کہاں ختم ہوگئی۔"

ہم نے سوال کیا: "امیر المومنین آخر ایسا کیوں ہوتا ہے؟"

فرمایا: "بس مجھے ان دنوں یہ خیال ستا رہا ہے کہ ابو عبیدہ رضؓ کے مرنے کے بعد لوگوں کو کون سنبھالے گا؟"

ابراہیم النخعی کے بیان کے مطابق برسرِ اقتدار آتے ہی حضرت عمر رضؓ نے حضرت علی رضؓ کو دو بڑے کام سونپ دیے یعنی عہدۂ قضا اور جنگی تیاریوں کی نظارت اور نگرانی۔

حنش بن حارث نے اپنے والد سے روایت کی ہے اس زمانہ میں ایک شخص کی عادت تھی کہ وہ اپنے گھوڑوں کے بچوں کو یہ کہہ کر ذبح کر دیا کرتا تھا کہ وہ ان کے سواری کے قابل ہونے تک بھلا کیا زندہ رہے گا؟ امیر المومنین نے بڑے بلیغ انداز میں اس سلسلے میں ایک عمومی ہدایت روانہ فرمائی :۔

"جن چیزوں سے تمہارا رزق وابستہ ہے ان سے بھلائی کا برتاؤ کرو۔ اس لیے کہ زمین بھی کبھی کبھی تھک کر دم لیتی ہے۔ اسے بھی برابر نہیں جوتتے رہنا چاہیئے۔"

عبداللہ بن عمر کہتے ہیں :۔

"مجھے یاد ہے کہ لوگ اپنے اپنے روزینے لے رہے تھے۔ ایک شخص آیا۔ امیر المومنین کی نظر اس کے چہرے پر پڑی تو انہیں اس کے چہرے پر ایک گہری چوٹ کا اثر دکھائی دیا۔ ایک بے حد گہرا نشان! آپ نے پوچھا :۔

"یہ کیسا نشان ہے؟"

آدمی نے جواب دیا" یہ ایک چوٹ کا نشان ہے جس کا اس کو ایک جہاد میں شکار ہونا پڑا تھا"
امیر المومنین کا دل بھر آیا، فرمایا:۔
" اس کو ایک ہزار درہم گن دیئے جائیں"۔
تھوڑی دیر کے بعد مزید ایک ہزار درہم کے لیے حکم دیا اور یہ حکم چار بار صادر فرمایا۔
آدمی اس سیلابِ سخاوت کے آگے نہ ٹھہر سکا اور وہاں سے چلا آیا۔ امیر المومنین نے پوچھا، کہاں گیا وہ غازی ؟"
لوگ بولے" شاید آپ کے جُود و کرم سے وہ شرما گیا اور چلا گیا" امیر المومنین بولے۔
"بخدا اگر وہ نہ جاتا تو اِس وقت کُل کی کُل رقم میں اسی کو دے دیتا۔ اللہ اللہ کیا شخص ہے۔ راہِ خدا میں اس نے ایسی مار سہی کہ اس کا چہرہ بگڑ گیا"۔
مالک الدار سے مروی ہے:۔
"عمر بن الخطابؓ نے چار سو درہم ایک تھیلی میں رکھ کر پیش خدمت کو دیئے کہ وہ یہ رقم ابو عبیدہ بن الجرّاح کو دے آئے اور تھوڑی دیر ان کے مکان میں انتظار کرے اور یہ دیکھے کہ وہ اس رقم کا مَصرف کیا کرتے ہیں۔ پیش خدمت نے ایسا ہی کیا، یعنی ابو عبیدہ کو یہ رقم پہنچا دی، انہوں نے امیر المومنین کو دعائیں دیں۔ پھر اپنی ایک لونڈی کی معرفت کسی کو سات درہم اور کسی کو پانچ درہم بھجوانے شروع کیے، یہاں تک کہ رقم ٹھکانے لگا دی گئی۔ غلام، حضرت عمرؓ کے پاس لوٹا اور اس نے پورا ماجرا سنایا۔
اب اتنی ہی رقم مُعاذ بن جبلؓ کے لیے بھی روانہ کی گئی۔ اس بار بھی غلام کو ہدایت کر دی گئی کہ وہ یہ دیکھنے کے لیے معاذ کے گھر رُک جائے کہ وہ اس رقم کو کیسے خرچ کرتے ہیں۔ انھوں نے پہلے تو امیر المومنین کے لیے کلماتِ خیر کہے اور پھر اپنی لونڈی کو مختلف گھروں کی طرف روانہ کرنے لگے۔ درہم تقسیم ہو رہے تھے کہ معاذ کی بیوی آئیں اور کہنے لگیں:۔
"ارے ہم بھی تو نادار و قلاش ہیں۔ کچھ ہمیں بھی تو دو"۔

" چار ہزار درہم میں دو درہم بچ رہے تھے۔ شوہر نے یہ دو درہم بیوی کی طرف پھینک دیئے۔ غلام نے یہ سارا قصّہ امیرالمومنین کو کہہ سُنایا۔ آپ مسرور و شاداں ہوئے اور فرمایا:

" یہ حضرات ایک دُوسرے سے بھائیوں جیسا برتاؤ کرتے ہیں۔"

عدی بن حاتم ایک بار حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے ساتھ ان کے قبیلے کے لوگ تھے، وہ کہتے ہیں:۔

" جس وقت بنو طے کے لیے مالِ غنیمت سے روزینہ مقرر کرنے کا وقت آیا تو سب سے پہلے میں امیرالمومنین کے روبرو آ گیا مگر انھوں نے اپنا منہ پھیر لیا۔ میں اب کے بار دوسری طرف سے ان کے سامنے آیا۔ اب کے بھی وہ مڑ گئے۔ میں نے کہا:۔

" امیرالمومنین! آپ مجھے نہیں پہچانتے؟"

انہیں دفعتہً زور کی ہنسی آ گئی اور وہ ہنستے ہنستے دوہرے ہو گئے، فرمایا:۔

" کیوں نہیں، کیوں نہیں۔ میں تم کو خوب جانتا ہوں۔ تم اُس وقت ایمان لائے تھے۔ جب لوگوں نے انکار کیا تھا، تم اُس وقت آگے بڑھے تھے جب دوسرے پیچھے ہٹ گئے تھے تم نے اس وقت وفا کی تھی جب دوسروں نے غدّاری کی تھی اور تمہارا ہی لایا ہوا قبیلہ طے کا صدقہ اور چندہ تو تھا جس نے روئے انور پر شادمانی اور مسرّت بکھیر دی تھی۔ یہ سب کچھ سہی مگر میں نے پہلے ان لوگوں کا خیال رکھا ہے جو فاقوں سے نڈھال ہو چکے ہیں۔ اور ان لوگوں کو جو کچھ دیا جاتے گا یعنی ان قبائلی سرداروں کو، وہ ان کے ذریعہ غریبوں تک پہنچ جاتے گا۔"

کلبی کا بیان ہے:۔

" عمرؓ مسجد میں سو رہے تھے اور انھوں نے اپنی چادر کو تہہ کر کے اپنے سر کے نیچے رکھ لیا تھا۔ دفعتہً کسی پکارنے والے نے پکارا " یا عمراہ یا عمراہ!" حضرت عمرؓ سہم سے گئے (یعنی اس خیال سے کہ جانے کون ستم رسیدہ ہے جو یوں فریاد کرنے پر مجبور ہو رہا ہے)

اور آواز کی سمت نکل گئے۔ دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک بادیہ نشین ہے جس نے اپنے اونٹ کی نکیل تھام رکھی ہے اور لوگ اسے گھیرے ہوئے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے پہنچتے ہی لوگوں نے کہا:

"لو امیر المومنین آگئے۔"

حضرت عمرؓ نے دریافت کیا: "تمہیں کس نے ستایا ہے؟"

اعرابی نے اس کے جواب میں اشعار پڑھنے شروع کئے۔ ان اشعار میں خشک سالی کی شکایت تھی اور "ازل" کی یعنی تنگی کی۔ بات صرف امیر المومنین کی سمجھ میں آئی۔ فرمایا:

"تم لوگ سمجھے، یہ کیا کہہ رہا ہے؟ - کہہ رہا ہے لوگ خشک سالی کا شکار رہیں اور مر رہے ہیں اور عمرؓ شکم سیر ہو کے کھا پی رہا ہے۔" اس کے بعد کہا:۔

"تم میں سے کوئی اس کی اعانت کر سکتا ہے اور اسے کھجور اور کھانے پینے کا دوسرا ضروری سامان دلا سکتا ہے۔"

اس کے بعد بادیہ نشینوں کے مسائل حل کرنے کی خاطر امیر المومنین نے دو انصاری صحابیوں کو روانہ کیا۔ ان دونوں کے ساتھ کافی تعداد میں اونٹ، اجناس اور کھجور وغیرہ تھے۔ یہ دونوں یمن تک گئے اور وہاں پہنچ کر یہ تمام سامانِ خورونوش تقسیم کر دیا۔ واپسی میں ان دونوں کے ساتھ ایک اونٹ پر کچھ سامان باقی رہ گیا تھا۔ انہیں ایک آدمی نظر آیا جو کھڑا ہوا نماز ادا کر رہا تھا۔ مگر فاقوں سے اس کی ٹانگیں جھک گئی تھیں۔ وہ دونوں کہتے ہیں، ہمیں دیکھ کر اس آدمی نے نماز توڑ دی اور کہا:۔

"تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟"

ہم نے اس کے سامنے کھانے کا سامان ڈال دیا اور اسے امیر المومنین کے حالات سے مطلع کیا۔ کہنے لگا:۔

"خدا کی قسم اگر اللہ نے ہمیں عمرؓ کے سپرد کیا (اور خود ہماری طرف توجہ نہ کی)، تو ہم

تو برباد ہوجائیں گے۔ اس کے بعد اس نے کھانے کے سامان کو نظر انداز کرتے ہوئے دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے۔ ابھی اس نے اپنے اٹھے ہوئے ہاتھوں کو نیچا ہی کیا تھا کہ بلندی سے بارش ہوئی اور جل تھل ایک ہوگئے۔ ابن طاؤس کو بھی ان کے والد نے یہی بتایا تھا کہ خشک سالی کے دور میں امیرالمومنین نے لذیذ غذائیں بالکل ہی چھوڑ دی تھیں۔

عبدالرحمٰن بن ابوبکر نے اپنے والد سے سنا تھا کہ ایک بار عمر بن الخطابؓ کے سامنے روٹی اور زیتون کا تیل لائے گئے۔ انھوں نے ان چیزوں کو کھانا شروع کیا۔ کھاتے جاتے تھے اور اپنے شکم کو مَس کر کے کہتے جاتے تھے:۔

"اے شکم جب تک گھی وغیرہ کی شدید قلت ہے تجھے ان ہی چیزوں کا عادی بننا پڑے گا"

حیاۃ بن شریح شہادت دیتے ہیں کہ:۔

"عمر بن الخطابؓ فوجی سرداروں کو عسکری مہمات پر روانہ کرتے وقت انہیں اللہ سے ڈرنے کی تلقین فرماتے تھے۔ پھر انہیں یہ تحریر دیتے تھے:۔

"اس تحریر اور تقرر کا آغاز اللہ کے نام پر اور اس کی نصرت کی امید پر ہوتا ہے اللہ کی تائید کے بھروسے پر آگے بڑھو اور اپنی مہم پر روانہ ہوجاؤ۔ سچائی اور صبر کو مضبوط تھام لو۔ جہاد کے موقع پر سستی مت دکھاؤ۔ منکرین خدا سے خدا کی راہ میں لڑو مگر ظلم و جور سے باز رہو۔ اللہ ظلم و جور والوں کو پسند نہیں کرتا۔ مقابلہ پڑ جائے تو بزدلی مت دکھاؤ۔ تمہیں غلبہ حاصل ہوجائے تو اپنے دشمنوں کا مثلہ مت بناؤ یعنی انہیں ٹکڑے ٹکڑے مت کرو۔ (انگریزی میں اس کے لیے غالباً (VIVI SECTION) کا لفظ ہے) دشمنوں پر قابو پا جانے کے بعد حد اعتدال سے نہ بڑھو۔ عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کو مت قتل کرو۔ اور جس وقت فوجیں آمنے سامنے ہوں تو انہیں (بوڑھوں اور

اور بچوں کو) خاص طور سے بچاؤ، یعنی ان کے قتل سے گریز کرو۔ غنیمت کے حصول میں حد سے مت تجاوز کرو۔ اور جہاد کے جذبہ کو دنیوی اغراض سے ملوث نہ کرو (یہاں مجھے اس عہد کے شاعرِ اسلام کا ایک دل پذیر شعر یاد آ گیا ہے

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کُشائی

اور اس عہد و پیمان میں آخرت کے منافع کو سامنے رکھو کہ یہی اصل کامیابی ہے۔

ایک دن عمر بن الخطابؓ بازار کے معائنہ کے لیے تشریف لائے ہوئے تھے۔ یہ زید بن وہب کا بیان ہے۔ ایک شخص نے "اے عمر" اے عمر سے خروش میکدہ کی یاد دلا دی۔ امیر المومنین نے بھی بآوازِ بلند کہا:۔

"کیا کہتے ہو؟"

بعد میں معلوم ہوا کہ یہ شخص ایک عامل کی شکایت لیکر آیا تھا۔ اس عامل نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ ایک بہت گہرے گڑھے میں اس کی گہرائی معلوم کرنے کے لیے اُتر جائے۔ آدمی نے کہا اسے خوف معلوم ہوتا ہے، مگر عامل نے اسے مجبور کیا کہ وہ ایسا کرے۔ باہر نکلنے پر وہ شخص کزاز کا شکار ہو گیا، یعنی اندر اس کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور وہ مر گیا مرتے وقت یہ شخص آپ کا نام لے کے پکار اُٹھا "یا عمراہ (عمر تیری دہائی) امیر المومنین نے عامل کو طلب کیا اور کہا:۔

"بخدا مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ میرے بعد میرا یہ عمل دوسروں کے لیے حجّت بن جائیگا تو (اس قساوت پر) میں تیری گردن اُڑا دیتا۔ بہر حال میں تجھے اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک اس مظلوم کا خون بہا نہیں دے گا۔ خدا کی قسم میں تجھے اب کبھی بھی کوئی منصب نہ دوں گا"۔

محمد بن عبدالرحمن نے اپنے والد سے روایت کیا ہے:۔

"امیرالمومنین کے عہد میں جب تستر (شیراز کے قریب) فتح ہوا اور لوگ یہ مژدہ لے کے فاروق اعظم رض کی خدمت میں حاضر ہوئے تو پوچھا :-

"کوئی اور بات تو قابلِ ذکر نہیں ؟"

لوگوں نے کہا : "جی ہاں ایک اور بات ہے ۔ وہ یہ کہ ایک شخص مرتد ہو گیا تھا"

پوچھا ، "پھر تم لوگوں نے کیا کیا ؟"

لوگوں نے کہا ، "ہم نے اسے ہلاک کر دیا !"

فرمایا ، "تم لوگ اسے کسی جگہ قید کر دیتے اور اس کو تائب ہونے پر آمادہ کرتے اور اگر وہ پھر بھی باز نہ آتا تو بے شک اس کو قتل کر دیتے ۔ اِس قدر عجلت کی کیا ضرورت تھی ۔ بارِ الٰہ ! میں نہ تو اس حادثہ (قتل) کے موقع پر موجود تھا نہ میں اس کا ذمّہ دار ہوں اور نہ میں نے اس قتل پر خوشی کا اظہار کیا ہے"

زید بن اسلم نے اپنے والد سے روایت کیا ہے :-

امیر المومنین نے جنگی صورتِ حالات سے مطلع کرتے ہوئے لکھا کہ :-

"رومیوں کا ہجوم بے پناہ ہے ، لشکرِ اسلام کو سخت اور صبر آزما صورت کا سامنا ہے ۔ اس کے بعد ان کی حالت یہ ہو گئی کہ وہ نماز پڑھتے پڑھتے مجھے جگا دیتے اور فرماتے کہ تم اٹھ کے نماز پڑھو ۔ اس لیے میں نماز کے لیے اُٹھ جاتا ہوں تو پھر مجھے نیند بالکل ہی نہیں آتی ۔ اس کے فوراً ہی بعد وہ پھر نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے تاکہ وہ استخارہ کر سکیں اور مسلمانوں کے نازک مسائل کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ کر سکیں"

زید بن اسلم نے اپنے والد سے ایک اور واقعہ سنا تھا ۔ وہ یہ تھا کہ :-

ایک اندھی اونٹنی تھی ۔ اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تھا ۔ لوگوں نے پوچھا "اس اونٹنی کا کیا کریں ؟"

فرمایا ، "اسے اہلِ بیت ، یعنی ازواجِ مطہرات کے اونٹوں میں ڈال دیا جائے ۔ یہ وہاں

کارآمد ہوجائے گی۔" لوگوں نے سوال کیا، "کیسے؟" فرمایا "اونٹنی اونٹوں سے میل کھائے گی۔"
لوگوں نے پوچھا "اور کھائے پئے گی کیا؟"
فرمایا "ہر جاندار کے کھلانے پلانے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی ہے۔"

امیرالمومنین کے پاس نو عدد دفتر (رجسٹر) تھے۔ ان کا مسلک تھا کہ جب کبھی تحائف اور فواکہات آتے تھے تو ازواجِ مطہرات کو ان میں سے ضرور حصہ بھجوایا جاتا تھا۔ البتہ کسی کے حصے میں اگر کمی بیشی ہوتی تھی تو وہ حفصہؓ کے حصہ میں آتی تھی۔ ایک بار بہت سی بھیڑیں ذبح کی گئیں تو بہت کافی مقدار میں ازواجِ نبیؐ کے مکانوں پر گوشت بھجوایا گیا۔ اور باقی ماندہ گوشت مہاجرین اور انصار میں تقسیم کر دیا گیا۔

سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ:۔
"مال غنیمت میں کچھ اونٹ آئے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک اونٹ بیکار ہوگیا۔ امیرالمومنین نے اس کی قربانی کر کے اس کا گوشت امہات المومنین کے گھروں میں بھجوا دیا۔ باقی ماندہ گوشت کو پکوا کر اسے چند اشخاص کو کھلوایا۔ ان اشخاص میں آنحضرتؐ کے عم محترم حضرت عباسؓ بھی شامل تھے۔ انھوں نے کہا:۔
"امیرالمومنین ایسی دعوتوں کا انتظام روز ہوجایا کرے تو کتنا اچھا ہو۔ ہم سب جمع ہوا کریں۔ دعوت کھائیں اور آپ سے باتیں کریں۔"
فرمایا "اب اس نوع کی ضیافت کی تکرار نہ ہوگی۔ میرے دو ساتھی تھے۔ دونوں نے اپنے اپنے کام کئے اور ایک خاص راستے پر گامزن ہوئے۔ اب اگر میں ان دونوں ذُمّراد رسالت مآب علیہ السلام اور صدیق اکبرؓ) کی تقلید نہ کروں گا تو دوسرے راستے پر جا پڑونگا جو اُن کا راستہ نہ ہوگا۔"

ابوسہل بن مالک نے اپنے والد سے سنکر بیان کیا ہے:۔
"امیرالمومنین نے اپنے غلام یرفا سے پوچھا کہ تم ہر گھوڑے کو کتنا چارہ کھلاتے ہو؟"

یرفا نے کہا "تین تین سیر کے قریب"
امیر المومنین نے یرفا کو ہدایت کی کہ وہ گھوڑوں کی نگہداشت کا خاص لحاظ خیال رکھیں اس لیے کہ گھوڑے عربوں کے لیے ان کے اہل بیت اور اہل خاندان کا درجہ رکھتے ہیں"۔
عبدالملک بن عمیر نے ذیل کا فاروقی ارشاد نقل کیا ہے:۔
"ذاتی پسند اور قرابت کو بنیاد بنا کے منصب سونپنے والا گویا اللہ، رسول اور مومنین سے خیانت کرتا ہے"
عمران بن سلیم نے اسی بات کو حضرت عمرؓ سے ان الفاظ میں منسوب کیا ہے:۔
"وہ شخص خود بھی فاجر قرار پائے گا جو یہ جانتے ہوئے کسی کو منصب سونپے کہ وہ فاجر اور گنہگار ہے"۔
ابو عمران الجونی کا بیان ہے کہ:
"ابو موسیٰ اشعری نے عمر بن الخطابؓ کی خدمت میں تحائف روانہ کیئے۔ اس سامان کو امیر المومنین نے کھولنا شروع کیا۔ ابھی ایک ہی تھیلی دیکھی تھی کہ پکار اٹھے:۔
"اسے واپس کر دو، اسے واپس کر دو۔ نہ ہم یہ دیکھیں گے کہ کیا کیا آیا ہے۔ اور نہ تم اسے قریش کو دکھاؤ گے کہ یہ آپس میں کٹ مریں"۔
انس بن مالک کہتے ہیں کہ میں امیر المومنین کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک انصاری عورت نے آکر فریاد کی:۔
"مجھے پہننے کو کپڑا چاہیئے"۔
"آپ نے کہا "کپڑے مانگنے کا یہ کیا موقع ہے؟"
مگر وہ عورت کہتی رہی کہ "میرے پاس تن ڈھانکنے کو بھی کچھ نہیں"
امیر المومنین اسی وقت کھڑے ہو گئے اور خزانہ سے ایک سفید رنگ کی پوشش نکال لائے اور اسے لاکر عورت کے سامنے ڈال دیا اور فرمایا:۔

"اس لباس کو لے جاؤ اور اس میں کہیں دریدگی ہو تو رفو کر لو۔ یعنی اس کپڑے کو زیادہ سے زیادہ مدت تک استعمال کرو، اس لیے کہ ہر نئی چیز پرانی ہو جاتی ہے۔"

عطاء بن عبید بن عمیر کی روایت ہے کہ عمر بن الخطابؓ نے ایک شخص کو حرم کے حدود میں ایک درخت کو کاٹتے اور اس سے اپنے اونٹ کو کھلاتے ہوئے دیکھا۔ حضرت عمرؓ نے اس شخص کو طلب کیا۔ وہ آیا تو اُس سے فرمایا:۔

"اللہ کے بندے تمہیں معلوم نہیں کہ مکہ حرام ہے اور اسکے حدود میں درخت تک کاٹنا جائز نہیں ہے اور ان حدود میں قطع اشجار یا شکار وغیرہ ناگزیر اور مناسب صورتوں ہی میں جائز ہو سکتے ہیں۔"

اُس شخص نے جواب دیا "امیر المومنین یہ میں نے بالکل اضطراری عالم میں کیا ہے۔ میرے پاس جو جانور ہیں وہ بے حد کمزور اور ناطاقت ہیں اور اگر میں ایسا نہ کرتا تو شاید میں اور وہ سب بے موت مر جاتے۔"

امیر المومنین نے یہ بات سُنی تو ان کا دل بھر آیا اور صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ جو آٹے کی بوریوں سے لدا ہوا تھا، منگوا کر اس شخص کو دے دیا لیکن ساتھ ہی کہا کہ آئندہ سے تم کبھی حرم کے درخت نہ کاٹنا۔

عبد اللہ بن مبارک سے روایت ہے کہ عمر بن الخطابؓ نے حطیئہ نام کے شاعر سے عام لوگوں کی عزتیں اور حرمتیں تین ہزار درہموں میں خرید لی تھیں۔ یعنی یہ رقم دے کر اسے ہجو گوئی سے باز رکھا تھا۔ حطیئہ کے دو شعر اس باب میں مشہور ہیں۔ ان کا مفہوم نظم میں درج ذیل ہے۔ ان اشعار کے مخاطب خود حضرت عمرؓ ہیں:۔

میرے لبِ سخن پہ لگا ئی جو تم نے مہر ہجو و ہزل سے میرے تونگر بری ہوئے
آشفتہ سر تھا دے کے مجھے فقر سے نجات تم مانعِ مذمتِ مردِ دَنی ہوئے

ش۔ح۔ع

اسحاق بن ابراہیم کہتے ہیں کہ :۔

"ایک بار فضیل بن عیاض " قہر درویش بجانِ درویش " کے مصداق، خود اپنے ہی نفس کو ملامت کر رہے تھے، کہتے جاتے تھے کہ اے شخص تو کس منہ سے بات کرتا ہے۔ یہ حق تو صرف عمر بن الخطابؓ کو پہنچتا تھا۔ وہ خود معمولی غذاؤں پر قانع رہتے اور دوسروں کو لذیذ کھانے کھلاتے۔ وہ خود موٹا جھوٹا پہنتے اور دوسروں کو نرم و نازک لباس عطا کرتے۔ وہ لوگوں کو ان کے حقوق بھی عنایت کرتے تو بڑھا چڑھا کر عنایت کرتے۔ چنانچہ ایک بار انھوں نے ایک شخص کو چار ہزار درہم کی رقم بطور روزینہ کے دی تو معاً اس میں ایک ہزار کا اضافہ بھی کر دیا۔ اور جب کسی نے کہا کہ، ابنِ عمر کا روزینہ بھی بڑھا دیجئے تو فرمایا :۔

"اس شخص کا باپ احد کے معرکہ میں ابن عمر کے باپ سے زیادہ ثابت قدم رہا تھا۔"

ابن عمر راوی ہیں کہ :۔

"جن دنوں زبیر بن العوّام کے مذبح خانہ (بوچڑ خانہ) کے علاوہ مدینہ میں اور کوئی مذبح نہ تھا۔ عمر بن الخطابؓ ہر روز اپنا دُرّہ لیے وہاں آجاتے تھے۔ اور اگر وہ کسی کو دیکھتے کہ مثلاً وہ دو دن سے مسلسل گوشت لینے آتا ہے تو اس کی دُرّہ سے تادیب فرماتے اور کہتے :۔

"اے شخص تو اپنے پڑوسیوں اور اپنے اقربا کی خاطر اپنے شکم پر ذرا قابو نہیں پا سکتا تھا۔"

ابن شہاب کو قاسم بن محمد سے ذیل کا واقعہ معلوم ہوا تھا :۔

ایک شخص نے ہذیل کے قبیلہ کے چند لوگوں کی دعوت کی۔ ان لوگوں کی نظر میزبان کی ایک ناکتخدا لڑکی پر پڑی جو کسی کام سے باہر نکلی تھی۔ مہمانوں میں سے ایک شخص نے اس لڑکی کا پیچھا کیا اور اس سے شاد کام ہونے کا ارادہ کیا۔ بہر حال ریتیلی زمین پر دونوں . . . . . لڑکی نے بعد میں زانی کو پتھر مارا جس سے اس کا جگر شق ہو گیا۔ واقعہ قتل کی اطلاع حضرت عمر کو ہوئی تو فرمایا :۔

"مقتول کا خون رائگاں نہ جائے گا"۔ (دراصل آپ کو اصل واقعہ کی ابھی تک خبر نہیں ہوئی تھی۔ش۔ح۔ع)

عبید بن عمیر نے بھی انہی الفاظ میں روایت بیان کی ہے۔ لیث اس روایت کو یوں بیان کرتے ہیں کہ:۔

"ایک دن عمر بن الخطابؓ کو سرِ راہ ایک نوجوان لڑکے کی لاش ملی۔ امیرالمومنین نے تفتیش کی مگر قاتل کا سُراغ نہ لگ سکا۔ یہ بات دلِ پُرسوزِ عمرؓ پر بے حد گراں گزری۔ آپ نے دعا کی:۔

"اے اللہ! مجھے توفیق دے کہ میں قاتل کا پتہ چلا سکوں"۔

اِس واقعہ کو ایک سال کے قریب گزرا تھا کہ عین اسی جگہ جہاں مقتول کی لاش دیکھی گئی تھی ایک نومولود اور نوزائیدہ بچہ پڑا پایا گیا۔ اب حضرت عمرؓ کی کچھ ڈھارس بندھی اور فرمایا:

"انشاء اللہ اب میں قاتل کا پتہ چلا لوں گا"۔ آپ نے بچے کو ایک عورت کے سپرد کیا اور عورت کو حکم دیا کہ وہ بچے کی دیکھ بھال اور نگہداشت کرتی رہے اور اس کی تمام ضرورتوں کا لحاظ رکھے اور حکومت سے معاوضہ لیتی رہے اور ساتھ ہی ان عورتوں پر نظر بھی رکھے جو بچہ کو اس کی گود سے لینے کی طرف مائل ہوں۔ اور اگر کوئی ایسی عورت نظر آجائے جو بچے کو پیار کرے اور چھاتی سے لگائے تو انہیں (امیرالمومنین کو) ایسی عورت کا مکمل پتہ بتایا جائے۔ خلاصہ یہ کہ بچہ جب ذرا بڑا ہوا تو ایک عورت اس سرکاری دایہ اور کھلائی کے پاس آئی اور کہا:۔

"میری مالکن نے مجھے یہ پیام دے کر بھیجا ہے کہ انہیں یہ بچہ لوٹا دیا جائے"۔

عورت بولی "بالکل ٹھیک ہے چلو میں بھی چلتی ہوں، یہ کہہ کر دایہ عورت بچہ کو ساتھ لیکر پیام لانے والی عورت کے ساتھ چلی گئی۔ جس وقت یہ دونوں عورتیں مالکن کے پاس آئیں جو اصل میں

بچہ کی ماں تھی پہنچیں، مالکن نے بچہ کو گود میں اٹھالیا۔ اسے پیار کیا، چوما اور چھاتی سے لگالیا۔ مگر یہ مالکن کون تھی؟ ایک جلیل القدر انصاری صحابی کی بیٹی تھی! حضرت عمرؓ کو صورتِ حال سے آگاہ کر دیا گیا۔ انھوں نے ہاتھ میں تلوار اُٹھائی اور عورت کے مکان پر پہنچے۔ بچہ کی ماں کے والد اپنے دیوان خانہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ امیر المومنین نے انصاری صحابی سے پوچھا:۔

"تمہیں معلوم ہے تمہاری لڑکی نے کیا کیا ہے؟"

صحابی بولے: "امیر المومنین میری بیٹی اسلامی کردار کا ایک نمونہ ہے۔ وہ اللہ کے حقوق بھی پہچانتی ہے اور اپنے والد کے حقوق بھی اور وہ صوم وصلوٰۃ کی پابند ہے۔"

حضرت عمرؓ بولے، "بہرصورت اب یہ ضروری ہوگیا ہے کہ میں اس لڑکی سے کچھ باتیں کروں اور اس کو نیک اعمال کی طرف مزید راغب کروں۔"

صحابی نے کہا: "امیر المومنین! اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ یہیں ٹھہریے، میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔"

گھر میں جاکر صحابی نے اعلان کیا کہ امیر المومنین اندر آنا چاہتے ہیں۔ امیر المومنین گھر کے اندر تشریف لے گئے اور حکم دیا کہ:۔

"میرے اور صحابی کی لڑکی کے سوا گھر میں کوئی نہ رہے۔"

جب گھر بالکل خالی ہوگیا تو حضرت عمرؓ نے اپنی تلوار نیام سے نکال لی اور فرمایا:۔

"تم پورا واقعہ مجھ سے سچ سچ بیان کردو۔"

ان کی عادت تھی کہ اگر کوئی اصل واقعہ بلاکم وکاست بیان کر دیتا تو اُسے نہ جھٹلاتے۔ لڑکی بولی:۔

"امیر المومنین ذرا ٹھہریے۔ میں قسم کھاتی ہوں۔ پورا واقعہ سچ سچ بیان کروں گی۔ ایک سن رسیدہ عورت میرے پاس آتی رہتی تھی۔ میں نے اسے ماں بنا لیا تھا۔ اور وہ بھی

مجھ سے ماں کا سا برتاؤ کرتی تھی۔ میرا طرزِ عمل اس سے ایسا ہو گیا گویا میں اس کے بطن سے پیدا ہوئی ہوں۔ کچھ مدّت کے بعد ایک دن اس عورت نے مجھ سے کہا :۔

"بیٹی مجھے ایک سفر درپیش ہے۔ میری اپنی ایک بیٹی ہے جو۔ . . . . . . رہتی ہے۔ میری غیر موجودگی میں ممکن ہے اسے تکلیف ہو۔ میں چاہتی ہوں اس لڑکی کو تمھارے پاس چھوڑ جاؤں۔ سفر سے واپس آجاؤں گی تو لڑکی میرے پاس آجائے گی۔ اس بہانہ سے بڑھیا نے اپنے ایک جوان لیکن بے ریش و بروت لڑکے کو میرے پاس چھوڑ دیا۔ یہ لڑکا ایک دوشیزہ کی ہیئت اختیار کئے ہوئے تھا۔ میرے پاس جب نوجوان لایا گیا تو اس کی ہیئتِ کذائی سے مجھے یہ گمان تک نہ گزرا کہ یہ لڑکی نہیں ہے۔ ایک دن جب میں سو رہی تھی۔ یہ نوجوان مجھے اپنی ہوس کا ہدف بنا بیٹھا۔ میری آنکھ کھلی تو حالت یہ تھی کہ وہ مجھ سے اختلاط کی منزل میں تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر ایک خنجر اٹھا لیا جو اتفاق سے میرے پہلو میں تھا۔ اور اس سے اس بدبخت کو ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد میں نے اسے پھنکوا دیا مگر اس افسوسناک واقعہ کا نتیجہ یہ بچہ تھا۔ جب یہ پیدا ہوا تو میں نے اسے بھی عین اسی مقام پر ڈلوا دیا۔ بس یہ ہے قصہ اس مقتول کا اور اس مولود کا!"

امیر المومنین نے بولے:۔

"لڑکی تو نے سچ کہا۔" اس کے بعد آپ نے اسے نصیحت کی، ہدایتیں دیں اور اسے دعا دے کر گھر سے باہر آگئے۔

صحابی سے جو اس شجاع اور پاک دامن لڑکی کے والد تھے۔ امیر المومنین نے فرمایا:۔

"تمھاری لڑکی ایک قابل قدر لڑکی ہے۔ میں نے اسے نصیحتیں کی ہیں اور چند ہدایات دی ہیں۔"

شیخ نے کہا، "امیر المومنین اللہ آپ کو اپنی رعیت کی پاسداری کا صلہ دے۔"

عبداللہ بن عامر بن ربیعہ کہتے ہیں کہ :۔

"ہم سب مکّہ کی جانب رواں تھے کہ آدھی رات کو ایک ساربان کے لڑکے نے حدی خوانی شروع کر دی۔ ابنِ خطابؓ نے اس نغمہ کو سُنا تو چند لوگوں کے ساتھ جن میں عبدالرحمٰنؓ (ابنِ عوف) بھی تھے وہ بھی آئے اور سواری سے اُتر کے ہم لوگوں میں شامل ہو گئے۔ نُور کا تڑکا ہوا تو انھوں نے لڑکے کو گانے سے روک دیا اور کہا: اب خاموش ہو جاؤ اور اللہ کو یاد کرو۔"

(یہاں مجھے اقبال کا ایک دل انگیز شعر یاد آ گیا ؎

کٹی ہے رات تو ہنگامہ گستری میں تری
سحر قریب ہے اللہ کا نام لے ساقی (ش۔ ح۔ ع)

حسن کہتے ہیں کہ ارشادِ فاروقی ہے کہ:۔

"قریش تو بس یہ چاہتے کہ مالِ غنیمت سب کا سب انہیں کے تصرف میں آ جائے اور اوروں کو کچھ بھی نہ ملے۔ مگر جب تک میں زندہ ہوں ایسا نہیں ہوگا۔ یاد رکھو میں قریش کے گلے پکڑے ہوئے اور انہیں تھامے ہوئے ہوں تاکہ وہ آگ میں نہ گر پڑیں۔ میں نے اسلام کی تدریجی اور مسلسل ترقی میں اور اس کی نشوونما کے لیے جو کچھ کیا ہے اس کی تمثیل ایک اونٹ کی نشوونما سے دی جا سکتی ہے جو رفتہ رفتہ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔ لیکن تکمیل کے بعد زوال کا بھی امکان رہتا ہے۔

قتادہ کہتے ہیں کہ ایک بار عمر بن الخطابؓ نے فرمایا کہ:۔

"میرا مصمم ارادہ ہے کہ میں مملکتِ اسلام کے مختلف صوبوں میں آدمی بھیج بھیج کر یہ معلوم کروں کہ وہ کون (بدنصیب) لوگ ہیں جو سنِ بلوغت کو پہنچ چکے ہیں اور ساتھ ہی ان میں حج کی استطاعت بھی موجود ہے مگر وہ حج کے لیے نہیں آتے تاکہ میں انہیں (ایسے لوگوں کو) غیر مسلم قرار دے کر ان پر جزیہ لگا دوں۔ ایسے لوگ مسلمان نہیں ہیں، ایسے لوگ مسلمان نہیں ہیں۔"

باب ۴۳

مدینہ میں حضرت عمرؓ کی شب گردیاں

جابر بن عبداللہ کا بیان ہے:۔

ایک رات ہم امیرالمومنین کے ساتھ اہل مدینہ کا حال معلوم کرنے نکلے۔ چلتے چلتے ہم ایک خیمہ کے قریب پہنچے۔ خیمہ میں ہلکی سی روشنی نظر آئی جو کبھی جل اٹھتی، کبھی بجھ جاتی۔ ناگاہ ہم کو ایک کمزور سی آواز سنائی دی۔ امیرالمومنین نے فرمایا:۔

"تم لوگ یہیں رکو" اور خود خیمہ تک پہنچ گئے۔ غور سے سنا تو ایک بڑھیا یہ کہتی ہوئی سنائی دی:۔

علی محمد صلوات الابرار　　صلی علیہ المصطفون الاخیار
قد کنت قواما بکیٰ الاسحار　　فلیت شعری والمنایا اطوار
هل تجمعنی وحبیبی الدار

مفہوم

محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نیکو کاروں کا درود و سلام، محمد کے مداح اور ثنا خواں وہ لوگ رہ چکے ہیں جو زمانے میں انتخاب ہیں۔ محمد! تم راتوں کو عبادت کرتے تھے اور صبح کو روتے تھے۔ خوشا وہ ساعت کہ مجھے میرے محبوب کا قرب نصیب ہو۔

اشعار سنکر حضرت عمرؓ رو پڑے، ان پر رقت طاری تھی اور ان کی صدائے گریہ ہمیں صاف سنائی دے رہی تھی۔ وہ خیمہ کے قریب پہنچے اور کہا:۔

" السلام علیکم، السلام علیکم، السلام علیکم (یہاں مجھے قائد اعظم کی ۱۹۴۸ء کی وہ تاریخی تقریر یاد آگئی جو انھوں نے ڈھاکہ کے ایک عظیم اجتماع کو مخاطب کرتے ہوئے کی تھی۔ اس تقریر کی ابتدا بھی تین بار السلام علیکم کہہ کے کی گئی تھی۔ ش۔ ح۔ ع)

تیسری بار خیمے سے آواز آئی، "اندر آجایئے"۔ اندر جا کے آپ نے خیمہ دار بڑھیا سے کہا کہ وہ جو اشعار پڑھ رہی تھی اُنہیں دہرائے۔ بڑھیا نے اشعار دُہرائے تو عمرؓ پر رقت طاری ہوگئی۔ فرمایا:۔

" عمرؓ کو مت بھول جانا"۔

عورت بولی "خداوندا عمرؓ کو مغفرت سے نواز نا کہ تو بخشائش والا ہے"۔

ابن عباس کے غلام سائب بن جبیر جنھوں نے رسول اللہ کے اصحاب کا زمانہ پایا تھا، کہتے ہیں :۔

" میں عمر بن الخطّاب کا یہ ذکر برابر سنتا رہتا ہوں کہ ایک دن رات کو وہ گشت کرتے ہوئے نکلے اور یہ وہ اکثر کیا کرتے تھے۔ ایک عورت اپنے کو مقفّل کیے ہوئے سخت فراقیہ اور حزنیہ اشعار پڑھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس عورت نے کہا :۔

" مجھ پر کچھ ہی کیوں نہ بیت جائے عمرؓ کو کیا خبر، وہ کیا جانیں کہ شوہر کی جدائی سے مجھ پر کیا گزر رہی ہے؟"

امیر المومنین یہ سب سن رہے تھے۔ ان کا دل پسیج گیا۔ فرمایا :۔

" عورت، تجھ پر اللہ رحم کرے۔ پھر اس کی نقد اور جنس سے مدد کی اور حکم نافذ کر دیا کہ اس کا شوہر محاذِ جنگ سے واپس آجائے"۔

مجالد نے اِسی واقعہ کو الفاظ کے تھوڑے سے ردّ و بدل سے بیان کیا ہے لیکن اس روایت میں اضافہ یہ ہے کہ امیر المومنین نے کسی سے پوچھا تھا کہ عورت کتنی مدت کے بعد مرد کی ضرورت محسوس کرتی ہے"۔

اور جب انھیں یہ بتایا گیا:

"چھ ماہ کی مدت کے بعد۔"

تو حضرت عمرؓ نے یہ احکامات نافذ کر دیے کہ چھ ماہ سے زیادہ غازیانِ اسلام اپنے گھروں سے باہر نہ رہیں۔"

یعنی کوئی لشکری چھ ماہ سے زیادہ جہاد پر نہ رہے۔"

عبداللہ بن زید بن اسلم نے اپنے والد سے اور انھوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے:۔

"میں عمر بن الخطّاب کے ساتھ تھا اور وہ مدینہ کا گشت لگا رہے تھے۔ رات کا وقت تھا۔ عمرؓ کسی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ ناگاہ ایک عورت اپنی ایک بیٹی سے کہتی ہوئی سنائی دی:۔

"بیٹی جلدی کر، جلدی کر، دودھ میں پانی ملا دے۔"

لڑکی بولی "اماں، تم نے سنا نہیں کہ امیرالمومنین نے آج منادی کروا دی ہے کہ کوئی دودھ میں پانی نہ ملانے پائے۔" ماں نے کہا:۔

"بیٹی! عمرؓ یا ان کا آدمی کوئی دیکھ رہا ہے، ہیں، تُو تو جلدی کر۔" بچّی بولی:۔

"ماں ہرگز نہیں، نہ میں کھلے بندوں گناہ کروں گی اور نہ چُھپ کر۔"

عمرؓ یہ تمام باتیں سُن رہے تھے، فرمایا:۔

"اسلم (یہ وہی اسلم تھے جو بیت المقدس کے سفر میں فاروقِ اعظمؓ کے ہمرکاب تھے۔ ش۔ح۔ع) ذرا اس جگہ کو ذہن میں رکھنا اور اس مکان کو مت بھول جانا۔ صبح ہوئی تو عمرؓ نے اسلم کو اس مقام پر بھیجا تاکہ وہ یہ دیکھ کر آئیں کہ یہ سب کون کہہ رہا تھا اور کس سے کہہ رہا تھا۔"

یعنی یہ دیکھ کر آئیں کہ لڑکی کون تھی اور ماں کون تھی اور یہ بھی کہ کیا گھر کو دیکھنے

بھالنے کے لیے کوئی مرد نہیں ہے۔ اسلم کہتے ہیں :۔

"میں اس جگہ پہنچا، لڑکی کنواری تھی اور اس کی ماں بیوہ میں نے صورتِ حال سے عمرؓ کو باخبر کر دیا۔ عمرؓ نے اپنے بیٹوں کو طلب کیا اور سب کو جمع کیا اور پوچھا :۔

"تم لوگوں میں جو بھی شادی کرنا چاہتا ہو مجھے بتائے، تاکہ میں اس کے لیے ایک مناسب لڑکی کا بندوبست کردوں۔ ایک ایسی لڑکی میرے علم میں آئی ہے کہ اگر میری شادی کی عمر ہوتی تو خود میں اسے اپنی زوجیت میں لاتا"

عبداللہ اور عبدالرحمٰن دونوں کی شادیاں ہو ہی چکی تھیں۔ عاصم نے البتہ کہا :۔

"ابا جان میری شادی کرا دیجئے"

حضرت عمرؓ نے شیر فروش لڑکی کو بلوایا اور پھر اپنے بیٹے عاصم سے اس کی شادی کردی۔ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی والدہ ماجدہ اسی لڑکی کی نواسی تھیں۔ میرے نزدیک اس روایت میں غلطی یہ ہے کہ خود عمر بن عبدالعزیز اس لڑکی کے نواسے تھے نہ کہ ان کی والدہ! عمر بن شبہ نے اپنے اسناد کے ساتھ ثابت سے اور ثابت نے انس سے سنکر بیان کیا ہے :۔

"امیرالمومنین ایک رات مدینہ کا گشت لگا رہے تھے۔ ناگاہ انہیں ایک لق و دق میدان دکھائی دیا۔ اور اس میدان میں انہیں ایک تازہ بنا ہوا پھوس کا مکان دکھائی دیا۔ امیرالمومنین مکان سے قریب ہوئے تو انھیں کسی عورت کے کراہنے کی صدا آئی۔ ایک مرد بھی وہیں بیٹھا ہوا تھا۔ امیرالمومنین نے نزدیک جاکر سلام کیا اور اس سے سوال کیا کہ وہ کون ہے اور صحرا میں کس لیے پڑا ہوا ہے؟"

مرد نے جواب دیا :۔

"میں ایک بادیہ نشین ہوں، آیا ہوں کہ امیرالمومنین کے جود و سخا سے فیض پاؤں!"

"مگر یہ آواز کیسی تھی؟"

آپ اپنا کام کیجئے۔" بادیہ نشین نے جواب دیا۔

امیر المومنین رضؓ کا اصرار بڑھا تو اس نے کہا:۔

"میری بیوی دردِ زہ میں مبتلا ہے۔"

"تمہاری بیوی کے پاس اس وقت کوئی اور نہیں ہے؟"

"نہیں، کوئی اور نہیں۔" آدمی نے جواب دیا۔

اب امیر المومنین وہاں سے سیدھے اپنے مکان پر پہنچے اور آکر اپنی بیوی ام کلثوم بنت علی رضؓ سے کہا:۔

"ایک کار ثواب ہے کرو گی؟

ام کلثوم نے پوچھا، "کیا ہے؟

فرمایا:۔

ایک غریب الدیار عورت ہے۔ اس وقت وہ تنِ تنہا ہے اور دردِ زہ میں گرفتار ہے۔"

ام کلثوم نے کہا، "اگر آپ کو منظور ہے تو میں چلتی ہوں۔"

امیر المومنین نے فرمایا:۔

"اپنے ساتھ وہ تمام چیزیں بھی لیتی چلو جو ولادت کی صورت میں درکار ہوتی ہیں۔

خود امیر المومنین نے کھانے پینے کا سامان اور اجناس وغیرہ لے لیے۔ اب شوہر نامدار آگے آگے اور بنت علی رضؓ پیچھے پیچھے چل پڑے اور دونوں اس مکان تک، جس کا ابھی ابھی ذکر آچکا ہے، آپہنچ گئے۔ امیر المومنین نے ام کلثوم سے فرمایا:۔

"تم اس عورت کے پاس چلی جاؤ اور خود بادیہ نشین کے پاس بیٹھ گئے۔

امیر المومنین نے اس مرد سے آگ دہکانے کو کہا۔ آگ دہک اٹھی۔ اتنے میں ام کلثوم نے کہا:۔

"امیر المومنین اپنے ساتھی کو بتا دیجئے کہ ان کے یہاں لڑکا پیدا ہوا ہے۔"

آدمی نے امیر المومنین کا لقب سنا تو جیسے ڈر سا گیا اور پھر چھپنے کی کوشش کی۔
حضرت عمر رضؓ نے اس کو اپنی جگہ کھڑے رہنے کی ہدایت کی اور پکی ہوئی دیگچی کو عین
دروازہ پر لاکر رکھ دیا اور اُم کلثوم سے فرمایا:۔
"عورت کو خوب آسودہ کر کے کھلاؤ"
اس کے بعد اس عورت کے شوہر سے کہا "لو تم بھی کھاؤ کہ تم تمام رات
کے جاگے ہوئے ہو"
آدمی نے اپنا پیٹ بھرا۔ اب عمر رضؓ نے ام کلثوم کو باہر طلب کیا اور
جاتے جاتے مردِ صحرا سے فرمایا کہ:۔
"کل صبح ہمارے پاس آجانا تاکہ ہم تمہارے بارے میں ایسے احکامات نافذ
کر دیں کہ تمہارے حالات بالکل ٹھیک ہو جائیں"
اُس آدمی نے ایسا ہی کیا اور فاروق رضؓ کی حکومت کی طرف سے اس کا
روزینہ یا وظیفہ مقرر ہو گیا۔
عبداللہ بن بریدہ الاسلمی سے روایت ہے:۔
"ایک رات گھومتے پھرتے امیر المومنین نے ایک عورت کو یہ شعر پڑھتے سنا:۔

مفہوم

نصر بن حجاج کو مخاطب کرتے ہوئے:۔

آکہ مری جان کو قرار نہیں ہے
طاقتِ بیدادِ انتظار نہیں ہے (غالبؔ)

صبح ہوئی تو تحقیق پر معلوم ہوا کہ نصر بن حجاج بنی سلیم کے قبیلہ کا
ایک فرد ہے۔

نصر کو طلب کیا گیا۔ عجب جوانِ رعنا تھا یہ شخص، غالیہ مو، صبیح و جمیل اور طنّاز! امیر المومنین نے حکم دیا کہ :۔

"اس شخص کے بال اُتروا دیے جائیں۔

لیکن پیراستہ حُسن اور آراستہ ہو گیا۔ یعنی گیسوؤں والے کا حسن بال اُترنے سے اور نکھر آیا۔ اب ایک اور ترکیب نکالی گئی، اُس شخص کے سر پر عمامہ بندھوا دیا گیا۔ مگر اس سے بھی صباحت کا بازار سرد نہ پڑا۔ یعنی گویا ع

یہ زمرّد بھی حریفِ دُمِ افعی نہ ہوا

امیر المومنین نے تنگ آ کر فرمایا :۔

"بہر صورت تم اب یہاں نہیں رہ سکو گے"۔

چنانچہ اس شخص کے لیے ضروری انتظامات کر دیے گئے اور جوانِ رعنا کو بصرہ کی فوجی چھاؤنی میں بھیج دیا گیا ۔

یہ زورِ دست و ضربتِ کاری کا ہے مقام
میدانِ جنگ میں نہ طلب کر نوائے چنگ

(اقبال)

محمد بن جہم بن عثمان بن ابی جہمہ کہتے ہیں کہ :۔

"میرے والد نے مجھے اور میرے والد کو میرے دادا نے بتایا تھا کہ۔ فاروق اعظمؓ ایک رات مدینہ کی گلیوں میں گشت کر رہے تھے۔ ایک عورت بڑے درد بھرے لہجہ میں کچھ فراقیہ اور حزنیہ اشعار پڑھ رہی تھی۔ ان شعروں کو سُن کر امیر المومنین نے فرمایا :۔

میں اس شہر میں کسی ایسے شخص کو نہیں رہنے دوں گا جس کا ذکر حجاب اندر حجاب بھی ہوتا رہے۔ یعنی جس کے حُسن کے چرچے خلوت گاہوں میں بھی ہونے لگیں۔ میں نصر بن حجاج سے بات کرنا چاہتا ہوں"۔

یہ شخص کیا تھا جمالِ کامل کا نمونہ تھا۔ خوبصورت بال، صباحت ریز چہرہ۔ حجام بلوایا گیا اور اس نے نصر کے بال چھوٹے کر دیے۔ مگر اب اُس کے رخسار یوں نکل آئے جیسے ماہتاب کے دو ٹکڑے ضو ریز ہوں۔ اس کے بعد حکم ہوا کہ یہ عمامہ باندھے۔ مگر اس کی فتنہ انگیزی اور دل رُبائی دونوں قائم رہیں۔

امیر المومنین نے کہا:

"تم اب اس شہر میں نہیں رہو گے"۔

نصر نے کہا "کیوں امیر المومنین؟"

اسے جواب دیا گیا "یہ بحث طلب معاملہ نہیں ہے اور ایسا ہی ہو گا"۔

اسے بصرہ بھیج دیا گیا۔ بزم سے رزم کی جانب! نصر کو روانہ کیا گیا تو عشقیہ اشعار پڑھنے والی عورت ڈری کہ کہیں اسے بھی تنبیہ ہو۔ چنانچہ اس نے اپنی ندامت کا اظہار کرتے ہوئے اسی مضمون کے چند شعر لکھ بھیجے۔ یہ اشعار عمرؓ کو سنائے گئے تو انھوں نے اس عورت کو کہلا بھیجا:۔

"میں نے نصر کو محض تمہاری وجہ سے شہر بدر نہیں کیا تھا۔ وہ دوسری عورتوں سے بھی ملنے کی کوشش کرتا تھا"۔ اس کے بعد امیر المومنین رونے لگے اور فرمایا:۔

"اللہ کے لیے سب تعریفیں ہیں جس نے حرص و ہوا کو اس دیار میں مقید کر دیا اور کلمہ گو ضبطِ نفس پر قادر ہو گئے۔ اب بصرہ کے عامل (گورنر) کو ہدایات روانہ ہوئیں۔ عمرؓ کا پیامی کئی دن تک بصرہ رُکا رہا اور جب وہاں سے روانہ ہونے لگا تو اعلان کروا دیا گیا کہ سرکاری ہرکارہ روانہ ہونے کو ہے۔ جو جو امیر المومنین کو کچھ لکھنا چاہے وہ لکھ بھیجے:۔

نصر نے موقع کو غنیمت جانا اور امیر المومنین کی جناب میں ایک منظوم خط روانہ کر دیا۔ اس خط میں نصر نے پہلے اپنی غریب الوطنی کا شکوہ کیا تھا اور پھر کہا تھا کہ اسے عورتوں کی غلط تمناؤں کی قیمت ادا کرنی پڑ رہی ہے اور پھر ایک نوع کا اعتراف گناہ بھی تھا اور بڑی

دلدوز آہ و زاری کے ساتھ وطن واپس بلائے جانے کی درخواست بھی تھی۔
لیکن کیا امیرالمومنین نے اس شخص کو واپس آنے کی اجازت دے دی؟ ہرگز نہیں، جب تک وہ زندہ رہے نصر مدینہ نہیں آسکا۔

انہی محمد بن جہم بن عثمان بن ابی جہم السلمی نے اپنے دادا کے حوالے سے اسی واقعہ کو ایک اور جگہ تھوڑے سے ردّو بدل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ عورت نے معذرت کا خط لکھا اور اس واقعہ سے اپنی برأت کا اظہار کیا۔

اس پر امیرالمومنین روئے اور فرمایا:۔

"خوب ہوا کہ گناہ تقویٰ کی زد میں آگیا۔ یعنی زہد گناہ پر غالب آگیا"۔

نصر کو جب ایک زمانہ تک بصرہ میں رہنا پڑا تو ایک دن اذان اور اقامت کے درمیان نصر کی ماں عمر رضی اللہ عنہ کے راستہ میں آکر کھڑی ہوگئی۔ تھوڑی دیر میں عمرؓ اپنی ردا میں دُرّہ بدست برآمد ہوئے۔ عورت بولی:۔

"امیرالمومنین! قیامت کے دن میں اور تم اللہ کے روبرو کھڑے ہوں گے اور اللہ تم سے محاسبہ کرے گا۔ یہ کیا کہ عبداللہ اور عاصم تو تمہارے پہلو میں رہیں اور میرا بیٹا مجھ سے اس قدر دور کر دیا جائے کہ میرے اور اس کے درمیان بے شمار پہاڑ اور میدان حائل ہو جائیں"۔

امیرالمومنین نے فرمایا:۔

"عبداللہ اور عاصم عصمتوں پر ڈاکہ نہیں ڈالتے پھرتے"۔ کچھ عرصہ بعد امیرالمومنین نے عتبہ بن فرقد کے پاس بصرہ کی ڈاک روانہ کی۔ سرکاری نامہ بر بصرہ میں کئی دن تک رُکا رہا۔ چلتے وقت اس نے اعلان کیا کہ امیرالمومنین کو جو جو کچھ لکھنا چاہے لکھ دے اس کا خط امیرالمومنین کو پہنچا دیا جائے گا۔

نصر بن حجاج نے اپنے منظوم نامہ میں اپنے شہر بدر کیے جانے پر گلہ و زاری کی

تھی اور غریب الوطنی کی شکایت کی تھی اور ساتھ ہی یہ درخواست کی تھی کہ اسے مدینہ واپس آنے کی اجازت دی جائے۔ خط کو پڑھ کر امیر المومنین نے احکامات صادر کر دیئے کہ نصر کو بصرہ میں کچھ جائداد اور شہر کے بازار میں ایک ٹھکانا دے دیا جائے مگر مدینہ میں آنے کی اجازت اسے پھر بھی نہ دی۔

امیر المومنین کے مرتے ہی یہ شخص مدینہ آ گیا۔ شعبی کہتے ہیں :۔

"عمر رضی اللہ عنہ شہر کا گشت لگا رہے تھے کہ انھیں ایک گھر سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ کوئی عورت تھی جو ذیل کے اشعار پڑھ رہی تھی۔

هل من سبيل الىٰ خمر فاشربها

ام هل سبيل الى نصر بن حجاج

یعنی یا تو مجھے ایک جام شراب ملے کہ غم گیتی غلط ہو یا مجھے نصر کا وصال نصیب ہو۔

نصر بڑا وجیہہ اور خوب رو تھا۔ حضرت عمر رضؓ نے شعر سن کر فرمایا :۔

"جب تک میں زندہ ہوں یہ نہیں ہو سکے گا"

صبح ہوئی تو نصر کو طلب کیا گیا۔ اس سے مخاطب ہو کر امیر المومنین نے فرمایا :۔

"تم مدینہ سے نکل جاؤ اور بصرہ چلے جاؤ"

بصرہ میں نصر نے مجاشع بن مسعود کے یہاں جو ابو موسیٰ اشعری کے نائب تھے، قیام کیا۔ مجاشع کی بیوی ایک جوان اور خوبصورت عورت تھی۔ ایک دن مجاشع کے گھر میں سب بیٹھے ہوئے تھے۔ مجاشع بھی، نصر بھی اور مکان کے ایک گوشے میں مجاشع کی بیوی بھی۔ نصر نے بیٹھے بیٹھے زمین پر لکھا ۔ اَنَا وَاللهِ اُحِبُّكِ" (بخدا مجھے تم سے محبت ہے)"۔

مجاشع کی بیوی نے کہا، "بخدا مجھے بھی"

مجاشع کو شبہ ہوا، وہ بولا "نصر نے تم سے کیا کہا ہے؟"

عورت بولی "یہ کہ تمھارے یہ خرمے کے درخت کتنے اچھے ہیں؟"
شیخ نے کہا "تمھارے یہ درخت کتنے اچھے ہیں" کا جواب "بخدا میں بھی" کیسے ہو سکتا ہے! مجھے تمھاری بات پر یقین نہیں"۔
عورت بولی "اچھا یقین نہیں تو سنو، نصر نے کہا تھا "تمھارا مکان بہت خوب ہے"۔
شیخ نے کہا "خوب، تمہارا مکان خوب ہے" اور "بخدا میں بھی" میں کیا تعلق اور ربط ہو سکتا ہے، بات کچھ اور معلوم ہوتی ہے"۔
بعد میں شیخ کی نظر اس رقعہ پر پڑ گئی جو نصر نے زمین پر لکھ کر ڈال دیا تھا۔ شیخ نے اپنے دفتر سے اپنے منشی کو بلوایا اور اس سے کہا کہ وہ ان لفظوں کو پڑھے"۔ اس نے پڑھ دیا "انا واللہ احبک"۔
شیخ نے کہا "اب بات صاف ہو گئی۔ نصر نے تم کو لکھا تھا کہ وہ تم کو چاہتا ہے اور تم نے فوراً کہا کہ "بخدا میں بھی تم کو پسند کرتی ہوں"۔ تو یہ تمہارا انا واللہ دراصل "جواب آں غزل تھا"۔
اس کے بعد شیخ نے اس جوان سے جو دفتر سے آیا تھا کہا:۔
"تم چاہو تو اس عورت سے شادی کر سکتے ہو۔ میں اسے چھوڑتا ہوں"۔
ان دنوں فوجی سردار اپنے کمانڈروں اور امراء سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھتے تھے چنانچہ مجاشع نے یہ تمام باتیں ابو موسیٰ اشعری سے آن کے بیان کیں۔
ابو موسیٰ نصر سے بے حد ناراض ہوئے اسے نکال دیا۔ اب نصر، عثمان ابن ابی العاص کے پاس فارس پہنچا۔ عثمان نے کہا:۔
"آخر امیر المومنین اور ابو موسیٰ نے تجھے بلاسبب تو نہیں نکالا ہوگا۔ اس لیے تجھے مجھ سے بھی کچھ نہیں ملے گا"۔
نصر نے کہا "بخدا اگر تم میرے ساتھ یہ برتاؤ کرو گے تو میں دوبارہ مشرک بن جاؤں گا"۔

یہ تمام باتیں عثمان نے ابوموسیٰ کو لکھ بھیجیں اور ابوموسیٰ کو صورتِ حال سے باخبر کیا۔ بارگاہِ عمری سے حکم صادر ہوا:۔

"اس شخص کے بال ترشوا دیئے جائیں اس کی قمیص بدنما کر دی جائے اور اُسے مسجد میں بٹھا دیا جائے۔" (تاکہ اس کے عشق و بدمستی کا نشہ ہرن ہو جائے۔ ش۔ ح۔ ع)۔

عبداللہ بن بریدہ بیان کرتے ہیں:۔

"ابنِ خطابؓ شب میں مدینہ کا چکّر لگا رہے تھے۔ کچھ نسوانی آوازیں گوشِ حق نیوشِ عمرؓ کے پردہ سے ٹکرائیں۔" مدینہ میں سب سے حسین و جمیل کون ہے؟"

ایک عورت بولی "ابوذویب"

صبح ہوئی تو دریافتِ حال پر معلوم ہوا کہ ابوذویب بنی سلیم کے قبیلے کا ایک فرد ہے۔ اسے بلوایا گیا۔ واقعی یہ شخص بھی خوبصورتی کا نمونہ تھا۔ فاروقؓ نے کئی بار اُسے دیکھا اور کہا:۔

"تو گویا تم ہو ان (عورتوں) کے ذئب (ذئب، یعنی بھیڑیا۔ یہاں بیان میں لطف آگیا ہے۔ یعنی تم ہو ان عورتوں کیلئے غارت گرِ ہوش اور دشمنِ تمکین و آگہی۔ ش۔ ح۔ ع) اس کے بعد کہا:۔

"نہیں نہیں جہاں میں ہوں وہاں تم نہیں رہ سکتے۔"

ذویب بولا "اگر میرا یہاں سے نکل جانا ازبس ضروری ہے تو مجھے بھی وہیں بھجوا دیجئے جہاں میرا ابنِ عم (نصر بن حجّاج) بھیجا گیا ہے۔"

امیرالمومنین نے ضروری احکامات صادر کر دیے اور یہ شخص بصرہ چلا گیا۔

ابواسید کے غلام، ابوسعید کا بیان ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ رات گئے مسجد میں بھی متجسسانہ چکّر لگاتے رہتے تھے اور وہاں کسی کو بھی نہیں ٹکنے دیتے تھے۔ اِلّا یہ کہ کوئی شخص کھڑا نماز پڑھ رہا ہو۔

ایک رات، رات گئے کچھ لوگ مسجد میں بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ عمرؓ کی عقابی نگاہ ان پر پڑی۔ یہ لوگ بولے:۔

"امیرالمومنین ہم لوگ غیر نہیں۔ آپ ہی کی قوم کے لوگ ہیں"۔

ان لوگوں میں ابیؓ بن کعبؓ بھی تھے۔ امیرالمومنین نے پوچھا:۔

"نماز کے بعد تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو؟"

ابی بن کعب بولے، "ہم ذکر کے لیے یہاں بیٹھ گئے تھے"۔ چنانچہ حضرت عمرؓ بھی وہیں تشریف فرما ہو گئے۔ اب مجلس میں جو شخص ان کے بالکل نزدیک تھا۔ اس سے انھوں نے کہا کہ وہ دعا پڑھنا شروع کر دے۔ پھر ایک ایک دعا پڑھوائی۔ دراصل وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ ابی نے انہیں کیا تعلیم دی ہے۔ میں امیرالمومنین کے دوسرے پہلو میں دوسری جانب بیٹھا ہوا تھا۔ آخر میں نوبت مجھ تک آئی۔ میں دعا سنانے لگا، لیکن مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی۔ میرا رعشہ بدن امیرالمومنین تک کو محسوس ہونے لگا۔ فرمایا:۔

"اس شخص کو کہنا چاہیئے، " اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَنَا اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنَا (اللہ ہمیں معاف کر دے، اللہ ہم پر رحم کرے) اب خود امیرالمومنین نے دعا پڑھنی شروع کر دی۔ اس وقت تک کسی پر نہ اتنا گریہ طاری تھا نہ کسی کی آنکھیں اس درجہ اشک بار تھیں۔ تھوڑی دیر بعد فرمایا:۔

"اب تم لوگ اپنے اپنے گھر چلے جاؤ"۔

اور یہ سوز آگیں روایت جو اب بیان ہو رہی ہے۔ جعفر بن زید العبدی کی بیان کردہ ہے:۔

عمر رضی اللہ عنہ مدینہ کی شبینہ زندگی کا جائزہ لے رہے تھے۔ ان کا گزر ایک کلمہ گو کے مکان سے ہوا۔ صاحبِ مکان کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔ امیرالمومنین کو اشتیاق ہوا کہ دیکھیں نماز میں کونسی سورۃ پڑھی جا رہی ہے۔ معلوم ہوا سورۂ طور پڑھی جا رہی ہے۔

چنانچہ آپ بغور سننے لگے اور جب پڑھنے والا "اِنّ عذاب ربّکَ لواقع (پروردگار کا عذاب وقوع پذیر ہو کے رہے گا) پر پہنچا تو عمر پکار اُٹھے:۔

"اللہ اللہ رب کعبہ کا عہد و پیمان!"

امیر المومنین اپنی سواری پر سے اُتر آئے اور دیر تک ایک دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے رہے۔ اپنے مکان پہنچنے پر وہ بیمار ہو گئے۔

باب ۳۵

مردِ غازی کی جگرتابی

اس بات پر علماء کا اجماع ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بدر، احد اور ان تمام دوسرے غزوات میں شرکت کی ہے جن میں مجاہدینِ اسلام کی قیادت ذاتِ اقدسِ رسالت ص نے بنفسِ نفیس فرمائی تھی۔ محمد بن سعد نے علماء سیر کا یہ قول پیش کیا ہے کہ:۔

حضرت عمر رض نے بدر، احد، خندق اور تمام دوسرے معرکوں میں دادِ شجاعت دی ہے۔

جہاں تک آنحضرت کے سرایا (جمع سریہ، یعنی وہ عسکری کارروائی جو حضور ص علیہ السلام کے حکم سے انجام پائی ہو لیکن اس میں آپ خود شرکت نہ فرما سکے ہوں) میں ابن خطاب کی شرکت کا تعلق ہے۔ اتنا طے ہے کہ ان کی قیادت میں تربہ نام کے مقام پر مجاہدانہ یورش اور لشکر کشی ہوئی تھی۔ انہی محققوں نے ہمیں یہ تفصیل بھی بتائی ہے کہ اس سریہ میں حضرت عمر رض ہجرت کے ساتویں سال شعبان کے مہینے میں تربہ پہنچے تھے۔ اس پیش قدمی کا مقصد بنی ہوازن کی سرکوبی تھا۔

اس مقام تک جو عبلاء کے علاقہ میں اور مدینہ سے چار راتوں کی مسافت پر واقع تھا حضرت عمر رض اور ان کے ہمسفر مجاہدوں کی رہنمائی بنی ہلال کا ایک شخص کر رہا تھا (رسول کے یہ جاں باز اور اسلام کے یہ اوّلین خدمت گزار بندے) اپنے شعلہ مزاج قائد کی سرکردگی میں راتوں کو چلتے اور دن کو کہیں چھپ جاتے تھے۔ عجب اتفاق کہ بنی ہوازن کو اس پیش قدمی کا علم ہو گیا اور وہ بھاگ نکلے اور یوں عمر کی گرفت سے بچ نکلے۔ چنانچہ حضرت عمر رض مدینہ واپس آ گئے۔

باب ۳۶

فاروقِ معظّم رضؓ کی فتوحات اور اُنکے حج

حضرت عمر رضؓ کے عہد میں فتوحات بڑی کثرت سے ہوئیں۔ یہاں ہم ان کے دَور کی
اہم بالشّان قسم کی فتوحات کا ذکر تے ہیں۔ سیف بن عمر نے محمد بن عبداللہ بن سواد
اور طلحہ بن الاعلم اور زیاد بن سرخس الاحمری کے اسناد کے ساتھ روایت کی ہے۔

وہ سب سے پہلا کام جسے عمر بن الخطّاب رضؓ نے انجام دیا۔ وہ یہ تھا کہ انھوں نے اسی
رات کی صبح کو جس میں ابو بکر رضؓ کا انتقال ہوا تھا، فجر کی نماز سے پہلے پہلے قوم کے افراد
کو دعوت دی کہ وہ ایران کی مہم میں مثنیٰ بن حارثہ کے ساتھ جا کر جہاد کریں۔ یہ تقریر صبح
سے پہلے پہلے ہوئی۔ پو پھٹتے ہی خلیفۂ ثانی نے بیعت لینی شروع کر دی۔ بیعت لے چکنے
کے بعد حضرت عمر رضؓ نے پھر ترغیب جہاد میں لوگوں کو ایران کی مہم میں جانے کے لیئے تلقین
فرمائی۔ تین روز تک فاروق رضؓ برابر قوم کو پکارتے رہے، مگر ایران کی مہم پر جانے کے
لیے ایک متنفس بھی آمادہ نہ ہوا۔ اس کا نفسیاتی سبب یہ تھا کہ ایران اپنی شوکت و اقتدار
کے باعث اس عہد کے عربوں کے لیے بے حد دہشت انگیز جگہ تھی۔ حضرت عمر رضؓ مایوس نہ
ہوئے اور چوتھے دن پھر قوم کو پکارا۔ آج ایک شخص ابو عبید بن مسعود نے یہ دعوت قبول
کی اور عمر رضؓ کی آواز پر لبیک کہا۔ گویا چوتھے روز ایک شخص نے ایران جانے کیلئے رضامندی
کا اظہار کیا تھا۔ اب امیر المومنین نے مدینہ کے نواح سے ہزار آدمی منتخب کیے اور انھیں
ابو عبید کی قیادت میں منظم کیا۔ کسی نے کہا:۔ اصحابِ نبی صلعم میں سے کسی کو یہ منصب سونپا

جائے تو بہتر ہوگا۔" فرمایا:۔

"بخدا ایسا نہ ہوگا، اے دوستان پیمبر! جب میں تم کو جہاد کی طرف بلاتا ہوں تو تم دوسروں پر ٹال دیتے ہو اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوسرے اس دعوت پر لبیک کہتے ہیں۔ میں نے تو یہ طے کر لیا ہے کہ میری دعوت پر جس نے سب سے پہلے لبیک کہی ہے میں اسی کو امارت اور قیادت سونپ دوں گا۔ اصحاب نبیؐ کو دوسرے لوگوں پر جس چیز نے فضیلت دی تھی وہ ان کا ایسے ہی مواقع پر دوسروں پر سبقت لے جانا تھا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اہلِ نجران کو دعوت دی اور عہدِ صدیقی کے اہلِ ردّہ کو (جو مرتد ہونے کے بعد پھر دائرۂ اسلام میں آ گئے تھے اور جنھیں صدیق اکبرؓ نے جہاد کی اجازت نہ دی تھی) اسلامی لشکر میں شامل کر کے انہیں عراق اور شام کی مہم پر روانہ کر دیا۔ یہ لوگ بخوشی اسلامی لشکر میں بھرتی ہو گئے۔ پھر اہلِ یرموک کو ہدایت بھیجی گئی:۔

"تم سب کے سب ابو عبیدہ بن الجراحؓ کی سرکردگی میں رہو اور خود ابو عبیدہ کو تحریر فرمایا:۔

"تمھیں کسی معاملہ میں بھی عام لوگوں کو نظر انداز نہ کرنا چاہیئے۔"

پہلی فتح جو عہد فاروقی کا کارنامہ ہے۔ یرموک کی فتح ہے جو صدیق اکبرؓ کے انتقال کے بیس دن بعد حاصل ہوئی تھی۔

صالح بن کیسان نے عمر بن عبدالعزیزؒ سے روایت کی ہے:۔

"جس وقت عمرؓ کو اطلاع ملی کہ ایک طرف تو ابو عبیدہ مارے جا چکے ہیں اور دوسری طرف کسریٰ کی اولاد میں ایک شخص کی سرکردگی میں اہلِ فارس اکٹھے ہو گئے ہیں، تو آپ نے جملہ مہاجرین و انصار کو دعوت دی اور سب کو صرار کے مقام پر جمع کر کے خطاب کیا۔ پھر طلحہ بن عبیداللہ کو ہراول دستے پر اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو دائیں بازو پر اور زبیر بن العوامؓ کو بائیں بازو پر یعنی میسرہ پر متعین کیا۔ ادھر مدینہ کا انتظام علی بن ابی طالبؓ کو

سونپ دیا اور پھر صورتِ حالات کے بارے میں پوری قوم کو مشورہ میں شریک کیا۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ آپ کو ایران کی مہم کی قیادت کرنی چاہیئے۔ عبدالرحمان بن عوف نے اس رائے کی مخالفت کی۔ ان کا خیال تھا کہ اگر امیرالمومنین کے خود کمان سنبھالنے کے باوجود اسلامی لشکر کو شکست ہو گئی تو اس سے بڑی بات کوئی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ طے یہ پایا کہ لشکر سعد بن ابی وقاصؓ کی کمان میں روانہ ہو۔

سعد، قادسیہ کی طرف بڑھے اور آخر کار مدائن پہ قابض ہو گئے۔

سیف بن مخلد بن قیس العجلی نے اپنے والد سے روایت کی ہے:۔

جب وہ (سیف بن مخلد کے والد) کسریٰ کی تلوار اور اس کا زریں کمر بند لے کر عمر بن الخطابؓ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے برجستہ فرمایا:۔

"جن لوگوں نے کہ یہ تمام (زر و جواہر) جوں کا توں یہاں بھجوایا ہے، وہ کتنے امانت دار لوگ ہیں"۔

اس پر علی رضی اللہ عنہ نے کہا:۔

"امیرالمومنین! قوم کی اس امانت داری کے پیچھے دراصل آپ کی امانت داری ہے"۔

عمرؓ کے عہد میں بصرہ کی چھاؤنی قائم ہوئی اور اھواز، رامہرمز، تستر، سوس، جندلیسابور، خراسان، توز، جور، اصطخر، فسا، دارابجرد وغیرہ کے علاقے فتح ہوئے۔

دارابجرد کو ساریہ بن زنیم نے فتح کیا۔ یہ وہی ساریہ ہیں جن کا نام امیرالمومنین نے منبر سے پکارا تھا اور کہا تھا، "یا ساریۃ الجبل"۔

ان علاقوں کے علاوہ کرمان، سجستان، مکر (مکران؟) حمص اور قنسرین بھی اسی عہدِ میمنت لزوم میں اسلام کے زیرِ نگیں آئے۔

ابوبکر بن خیثمہ کہتے ہیں:۔

"ہم سے محمد بن بکار نے ابومعشر کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ابھی عمرؓ کی خلافت

پر پانچ ماہ ہی گذرے تھے کہ ذی قعدہ کے مہینے میں واقعہ فحل ہوا۔ ہجرت کے تیرھویں سال صحابہ کرام نے عبدالرحمٰن بن عوف کی سرکردگی میں حج بیت اللہ سے فراغت کی۔ اس کے دوسرے سال امیرالمومنین نے خود قافلہ حج کی سرداری سنبھالی۔

ہجرت کے چودھویں سال دمشق بھی اسلام کی قلمرو میں شامل ہوا۔ اسی سال آپ نے خالد کو معزول کرکے ابو عبیدہ کو امارت سونپی۔ یرموک کا واقعہ رجب ۱۵ھ کا ہے۔ اس سال بھی امیرالمومنین حج کے لیے تشریف لے گئے۔ عمواس اور جابیہ ۱۶ھ سے متعلق ہیں۔ اس سال بھی عمرؓ نے حج کیا۔ ۱۷ھ سرغ کے لیے معروف ہے۔ عمری حج اس سال بھی ادا ہوا۔ ۱۸ھ قحط کی مصیبت اور عمواس کے طاعون کے لیے ممتاز ہے۔ اس سال بھی آپ نے بیت اللہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ ۱۹ھ میں سعد بن ابی وقاصؓ کی قیادت میں جلولاء کی فتح عمل میں آئی۔ پھر اسی سال معاویہؓ کی قیادت میں قیساریہ پر تصرف حاصل ہوا۔ ۲۰ھ میں عمرو بن العاصؓ نے مصر فتح کیا اور ۲۱ھ میں نعمان بن مقرن المزنی نے نہاوند کے سر پر غرور کو نیچا کیا۔ ۲۲ھ میں مغیرہ بن شعبہؓ نے آذربائیجان کو فتح کرلیا۔ ۲۳ھ میں اصطخر اور ہمدان کے علاقے فتح ہوئے۔ ان تمام برسوں میں امیرالمومنین حج کے فریضے سے برابر سبکدوش ہوتے۔

حسنؓ سے روایت ہے کہ امیرالمومنین عمر بن الخطابؓ نے مملکت اسلام میں متعدد شہروں کی بنا بھی ڈالی تھی۔ جیسے کوفہ اور بصرہ وغیرہ۔

باب ۳۷

زمینوں کی تقسیم سے حضرت عمرؓ کا گریز

جاگیردارانہ نظام کی بیخ کنی

ابراہیم التیمی کی روایت ہے کہ:-

"مسلمان غازیوں نے جب (عرب اور عجم) کے مختلف علاقے فتح کئے تو انہوں نے حضرت عمر رضؓ سے مطالبہ کیا کہ وہ مفتوحہ علاقوں کی زمینوں کو فتح مند غازیوں میں تقسیم کر دیں

امیر المومنین نے اس سے انکار کر دیا۔ مجاہدین نے کہا:-

"ہم نے یہ علاقے اپنے زور بازو سے لیے ہیں"

عدل گستر اور دور اندیش عمر نے فرمایا:-

"اگر آج یہ زمینیں وغیرہ تمہاری مجاہدانہ فتوحات کے صلہ میں تمکو دیدی جائیں تو بعد میں آنے والے مجاہدوں کے لیے بھی یہی سوال اٹھے گا۔ اور مجھے اندیشہ ہے کہ یوں تم لوگ آپس ہی میں کٹ مرو گے۔

چنانچہ قدیم زمینداروں کا قبضہ ان کی اپنی زمینوں پر بحال رہنے دیا گیا اور ان لوگوں پر جزیہ اور ان کی زمینوں پر محصول عائد کر دیا گیا۔ خلاصہ یہ کہ زمینیں مجاہدوں میں تقسیم نہیں کی گئیں

زید بن اسلم نے اپنے والد کے حوالے سے حضرت عمر رضؓ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:-

اگر ایک ایک مسلمان کا (جن کی تعداد بہت بڑھ چکی تھی) سوال نہ ہوتا تو میں ہر مفتوحہ علاقہ کو بالکل اسی انداز میں تقسیم کرتا جس انداز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین تقسیم کی تھی"۔

انہی زید بن اسلم نے اپنے والد سے روایت کی ہے:۔

"میں نے عمر بن الخطاب کو کہتے ہوئے سنا تھا کہ اگر آئندہ سال تک میری زندگی نے اور وفا کی تو جیسے حضور اکرم صلعم نے خیبر کی زمین تقسیم فرمائی تھی میں بھی تمام مفتوحہ علاقوں کو مسلمانوں میں اسی طور پر تقسیم کروں گا"۔

یزید بن ابی حبیب سے روایت ہے کہ:۔

"سعد نے جب عراق فتح کیا یعنی جب ان کی سرکردگی میں عراقی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو فاروق رضؓ نے انہیں ذیل کا مکتوب گرامی روانہ کیا:۔

"مجھے تمہارا وہ نامہ ملا جس میں تم نے ذکر کیا ہے کہ لوگ تم سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ غنائم کو ان میں بانٹ دیا جائے۔ اس سلسلے میں میرا حکم یہ ہے کہ ساز و سامان اور مال و دولت تو بے شک حاضر فوج میں تقسیم کر دیا جائے۔ مگر زمینیں اور نہریں وغیرہ انہی لوگوں کے تصرف میں رہنے دی جائیں جو پہلے سے ان پر متصرف ہیں۔ ان سے مسلمانوں کے روزینے وغیرہ دیے جا سکیں گے۔ البتہ اگر تم زمینیں انہی لوگوں میں تقسیم کر دو گے جو وقت پر موجود ہوں گے تو پھر بعد کے لوگوں کے لیے کچھ نہ رہ جائے گا"۔

حکم سے روایت ہے:۔

"عمر بن الخطاب رضؓ نے عثمان بن حنیف کو اس بات پر مامور کیا کہ وہ تمام اراضی کی پیمائش کا کام مکمل کریں۔ عثمان نے فی جریب (علامہ شبلیؒ نے ایک جریب کو پون بیگھ کے مساوی تسلیم کیا ہے۔ ش۔ ح۔ ع) کے حساب سے اور اس کا بھی لحاظ کرتے ہوئے کہ زمین آبی ہے یا غیر آبی، یعنی منبع آب سے قریب ہے یا دور۔ لگان کی شرحیں مقرر کر دیں۔ ہر ایک جریب پر

ایک درہم لگان مقرر رہوا۔ اسی طرح نخلستانوں پر دس درہم فی جریب اور زرخیز زمینوں پر پانچ درہم فی جریب لگان مقرر رہوا۔

امام شعبیؒ کا بیان ہے:۔

"حضرت عمرؓ نے زمین کی پیمائش کا صبر آزما اور بے حد مشکل کام عثمان بن حنیف کو سونپا تھا۔ (یہ وہی عثمان بن حنیف ہیں جن کے لیے امام ابویوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ عثمان نے زمین کی پیمائش کا کام اس دقتِ نظر سے انجام دیا جیسے کوئی ریشمین کپڑا ناپ رہا ہو۔ش۔ح۔ع)

عثمان کی مساحت کی رُو سے زمین کا رقبہ تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب نکلا۔

ابو عبید کہتے ہیں کہ مجالد نے امام شعبی سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے:۔

"جس علاقہ کی پیمائش کا کام ہوا تھا وہ لمبائی میں موصل سے عبادان تک اور عرض میں حلوان کے پہاڑی سلسلوں کے کٹاؤ سے قادسیہ کے اُس سرے تک جہاں وہ عرب آبادی العذیب سے مل جاتا ہے، واقع تھا۔

ہشام بن محمد نے اپنے والد سائب سے سنا تھا کہ سواد کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ عربوں کو دُور سے درخت، پانی اور باغات وغیرہ رات کی طرح سیاہ نظر آتے تھے۔ اس لیے وہ سواد کی اصطلاح استعمال کرنے لگے۔

(حضرت عمرؓ کی شخصیت اس لحاظ سے بڑی حیرت انگیز ہے کہ وہ بے حد ہمہ گیر ہے۔ زراعت آب پاشی اور لگان کی مختلف شرحوں کا تعین اور اس نوع کے پیچیدہ اور نازک مسائل، جن کے حل کے لیے غیر معمولی حاکمانہ ژرف نگہی درکار ہے اور جن سے ادنیٰ اسی پہلوتہی خوفناک تاریخی نتائج کی حامل ہو سکتی ہے۔ ان تمام مسائل سے نبرد آزمائی، یہ تمام باتیں ثابت کرتی ہیں کہ فاروق اعظمؓ تاریخ کے سب سے بڑے مدبّر فرماں روا تھے)

علامہ شبلی نے عمرؓ کی مالیاتی اور زرعی اصلاحات اور طرز ہائے کار سے متعلق

فتوح البلدان، کتاب الخراج اور معجم وغیرہ میں منتشر تفصیلات کو بڑی دیدہ وری اور جامعیت کے ساتھ یکجا کر دیا ہے۔ اس باب میں وہ علامہ مقریزی اور ابن حوقل کے دوش بدوش نظر آتے ہیں۔ الفاروق کا یہ حصّہ اس عہد کے بڑے سے بڑے ماہرین معاشیات وارضیات کو بھی حیرت میں ڈال سکتا ہے۔

پروفیسر برخیم BERCHEM نے اپنی کتاب LAPROPIETE TERRITO-RIAL ET L E PORT FONCIER SON LES PREMIER CALIFS ______ میں جو مسلمانوں کے قانون مال گذاری پر ہے اس بات کی صراحت کر دی ہے کہ اسلامی فتوحات میں اسلام کے قانون مال گزاری کو بڑا دخل ہے۔ حضرت عمرؓ کی انتظامیہ یعنی انکے (Administration) نے، اکاسرہ، قیاصرہ، فراعنہ اور دُوسرے فاتحین کی طرح مفتوحہ علاقوں کو استعمار اور استثمار EXPLOITATION کا ہدف نہیں بنایا۔ جابر کشور کشاؤں کی طرح ان کی زمینیں ان سے نہیں چھینیں۔ ان پر کوئی نئی زبان مسلّط نہیں کی بلکہ ان مفتوحہ علاقوں کے ساکنوں کے ساتھ نہایت فیاضانہ اور روا دارانہ سلوک کیا۔

یہاں میں اس فرانسیسی عالم کی متذکرہ بالا کتاب کے اس اقتباس کو جس سے الفاروق کے بیشتر پڑھنے والے آشنا ہیں، نقل کرتا ہوں تاکہ ہم میں اسلامی فتوحات اور اسکندر و چنگیز کی کشورکشائیوں میں تمیز کرنے کا شعور بیدار رہے۔ اسلام بلاشبہ اس قسم کی کشورکشائیوں کو غیر مستحسن قرار دیتا ہے، مگر وہ ربع مسکوں ہی نہیں پوری کائنات اور ارض وسماوات کے درمیان واقع نجوم وکواکب اور مریخ وماہ کی تسخیر کے لیے مومنین کو تیار بھی کرتا ہے اور اس کا کشورکشائی کا اپنا الگ تصّور ہے۔ اور اگر یہ زندگی بخش دوران تصّور اس کے پاس نہ ہوتا تو اسلام عرب کے صحرا سے باہر سے نکلتا ہی نہیں اور آخر یہ رہبانیت اور عزلت گزینی کے روباہی فلسفہ کی آغوش میں بیٹھ کے سرد پڑ جاتا، ٹھٹھر جاتا۔ اسلام ایک انقلابی اور آتشیں فکر کا نام ہے: جو

علی الخصوص فاروقی عہد میں اپنی تمام تر رعنائیوں اور برنائیوں کے ساتھ عرب وعجم کے دماغ میں داخل ہوگئی۔ عدل گستری کی اس سے بڑی کوئی مثال نہیں ہوسکتی کہ ایران کے فاتح نے نہ ایرانیوں سے ان کی زمینیں چھینیں نہ ان کی زبان، نہ ان کو ذلیل وخوار کیا بلکہ ان کو آتش پرستی اور مزدکیت سے نکال کر توحید کے خمخانہ میں لاکر بٹھایا۔ یہی عدل پروری مصر کے حق میں ہوئی اور یہی شام کے حق میں! ہاں پروفیسر برغیم کی وہ عبارت رہی جاتی تھی۔ وہ یہ ہے:-

"یہ بات مسلّم ہے کہ اسلام کی فتوحات میں خراج اور مالگزاری کے معاملہ کو بہت دخل ہے۔ رومن سلطنت (Roman Empire) میں باشندگانِ ملک کو جو سخت کرب انگیز خراج ادا کرنا پڑتا تھا۔ اس نے مسلمانوں کی فتوحات کو نہایت تیزی سے بڑھایا۔ مسلمانوں کے حملوں کا جو مقابلہ کیا گیا وہ اہلِ ملک کی طرف سے نہ تھا بلکہ حکومت کی طرف سے تھا۔ مصر میں تو خود قبطی کاشت کاروں نے یونانیوں کے خلاف مسلمانوں کو مدد دی، دمشق اور حمص میں عیسائی باشندوں نے ہرقل کی فوج کے مقابلے میں شہر پناہ کے دروازے بند کردیے اور کہہ دیا کہ ہم تمہاری حکومت کو بے رحم رومیوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔" (ش، ح، ع)

باب ۳۸

خلیفہ دین دار کی عدیم النظیر عدل گستری

عامر الشعبی نے حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد امت کی تحویل میں دیا ہے

"بخدا میرے قلب کا عالم یہ ہے کہ جب یہ اُس غفور الرحیم کی خاطر نرم ہونے پر آتا ہے تو پانی کے جھاگ سے بھی زیادہ نرم ہو جاتا ہے اور اسی کی خاطر جب سختی اختیار کرتا ہے تو پتھر بھی اس کے سامنے ہیچ ہے!"

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن!

عروہ کا بیان ہے:۔

"جب کبھی دو فریق اپنا کوئی مقدمہ لے کر امیر المومنین کی عدالت میں آتے، تو وہ فوراً متفکرانہ انداز میں سر بہ زانو ہو جاتے اور فرماتے:

"خداوندا! چونکہ فریقین میں ہر ایک کی آرزو یہ ہے کہ میں خالص عادلانہ نقطۂ نگاہ سے معاملہ کا فیصلہ کروں۔ اس لیے تُو مجھے توفیق بخش کہ میں معیارِ قضا پر پورا اُتروں"۔

ابو فراس نے ایک مختصر اور دل انگیز عمری خطابیے کی نشان دہی کی ہے وہ خطابیہ درج ذیل ہے:۔

"جب تک رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود رہے۔ ہمارے لیے یہ ممکن تھا کہ ہر شخص کی اصل حقیقت سے واقف ہو جائیں۔ بسبب اس کا ظاہر ہے

حضور پر وحیِ الٰہی کا نزول ہوتا تھا اور وہ تم میں سے ایک ایک کا رازِ نہاں جان لیتے تھے۔ مگر اب صورتِ حال مختلف ہے۔ حضورؐ جا چکے ہیں اور وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔ اب ہمارے پاس لے دے کے یہ صورت رہ گئی ہے کہ عام لوگوں کے بارے میں انکے اظہارات اور اقوال کی بنیاد پر حکم لگائیں اور ان کے یہ اقوال اچھے ہوں تو ان کے بارے میں اچھی رائے قائم کریں اور اگر یہ ناپسندیدہ ہوں تو اسی مناسبت سے ہماری رائیں بھی ان کے باب میں بدل جائیں۔ تمہارے بھید کیا ہیں۔ یہ اب تمہیں معلوم ہے اور تمہارے پروردگار کو۔ ہم تو ظواہر کے پابند ہیں۔ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ قرآن کے مطالعہ کا اصل مدعا اللہ کی رضا جوئی ہے نہ کہ دنیوی جاہ وجلال اور مقبولیت عند الناس! ان اواخر میں مجھے احساس ہوا کہ بعض لوگ اب قرآن کی قرأت محض ہر دل عزیزی اور دنیاوی نام و نمود کی خاطر کرتے ہیں، میری نصیحت یہ ہے کہ قرآن دانی یا قرآن خوانی محض اللہ کی خوشنودی کے لیے ہونی چاہیئے۔ یعنی خالصتہً لِلّٰہ ہونا چاہیے۔ یاد رکھو میں نے اپنے عمالِ حکومت کو اسکے لیے مملکت اسلام کے طول وعرض میں نہیں روانہ کیا کہ وہ تمہارے چہروں سے انکی بشاشت اور تمہارے لبوں سے ان کا تبسم چھین لیں اور تم کو تمھاری دولت و ثروت سے محروم کریں ان کے بھیجنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ وہ تمھیں تمھارا دین اور رسول اللہ کی سنتیں اور طرز ہائے فکر وعمل سکھائیں۔ میری حکومت کا کوئی رکن یا افسر اگر اس کے ماسوا عمل کرتا ہے تو رعیت کے ایک ایک فرد کو حق حاصل ہے کہ وہ میرے پاس ایسے افسر کی شکایت لے آئے تاکہ میں امت کی جانب سے اس سے قصاص لوں اور اسے کیفر کردار تک پہنچاؤں۔"

تقریر فاروقی کے اس مرحلہ پر عمرو بن العاصؓ بڑی برہمی اور شعلہ مزاجی کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا:۔

"امیر المومنین! یہ تو بڑے غضب کی بات ہوگی کہ اگر کوئی عامل تادیبی کارروائی ضروری سمجھے تو آپ اس سے بھی قصاص لیں۔"

امیرالمومنین نے جواب دیا:۔

”ہاں بے شک میں اسے سزا دوں گا، یعنی اپنے افسر کو نہ کہ شکایت کرنے والے کو، مجھے تو وہ دوریاد ہے۔ جب رسول اللہ علیہ وسلم خود اپنی ذات ستودہ صفات سے بھی عدل وانصاف کی خاطر قصاص لے لیا کرتے تھے۔ تم کو اس کی اجازت نہیں کہ تم مسلمانوں کو مار کر انھیں رسوا و ذلیل اور کم رتبہ بنا دو۔ تمہیں انکے حقوق دینے ہوں گے۔ ورنہ وہ مائل بہ کفر ہو جائیں گے۔ تم انھیں ایسی پستی میں نہیں ڈھکیل دو گے کہ وہ بالکلیہ برباد و تباہ ہو جائیں۔“

جریر بن البجلی نے یہ واقعہ بیان کیا ہے:۔

”ابو موسیٰ الاشعری کے ساتھ ایک شخص تھا جس کی آواز اور مار سے دشمنوں کے دل دہل جاتے تھے۔ بہر صورت اس شخص نے اور چند دوسرے اشخاص نے مل کر کچھ غنیمت حاصل کیا۔ ابو موسیٰ نے مردِ جہیر الصوت (اونچی آواز والے) کو غنیمت میں اس کا حصہ دینا چاہا مگر اس نے کہا کہ میں تو یہ تمام کا تمام غنیمت کا مال لوں گا اور محض اس کا ایک حصہ نہیں لوں گا!“

اشعری نے اس شخص کو بیس کوڑے رسید کئے اور اس کا سر بھی مونڈوا دیا (سر منڈوانا عربوں پر بے حد شاق گذرتا تھا۔ ش۔ ح۔ ع) اس آدمی نے صبر وسکون سے سزا تو برداشت کر لی مگر اپنے تمام ترشے ہوئے بال لے کر وہ سیدھا فاروق اعظمؓ کی بارگاہ میں پہنچا۔ جریر کہتے ہیں امیرالمومنین کے بالکل نزدیک بیٹھا ہوا تھا۔ اس آدمی نے (جس کا یہاں ذکر ہو رہا ہے) اپنے بالوں کا ذخیرہ نکالا اور انہیں بلا تکلف فاروق اعظم رضؓ کے سینے پر مار دیا۔ پھر کہا:۔

”بخدا اگر......“

حضرت عمر رضؓ بولے:۔

"یہ آدمی ٹھیک کہتا ہے۔ اگر جہنم کا ڈر نہ ہوتا، یعنی اگر عذاب کا خوف نہ ہوتا" (تو خدا جانے لوگ کتنے مظالم کرتے) تراشیدہ سر آدمی بولا:۔

"امیرالمومنین! قصہ یہ ہے کہ دشمنوں پر میری زبردست دھاک بیٹھی ہوئی تھی اور ..... یہ کہہ کر اس آدمی نے پورا قصہ کہہ سنایا۔ یعنی کس طرح ابو موسیٰ نے اسے سزا دی اس کے بال اتروا دیئے اور پھر اس گمان میں رہے کہ ان سے قصاص بھی نہیں لیا جا سکتا۔

امیرالمومنین نے فرمایا:۔

"بخدا میرے نزدیک اس سے زیادہ عزیز اور محبوب شے کوئی نہیں ہو سکتی کہ تمام لوگوں میں اس شخص کی سی جرأت و بے باکی اور شجاعت پیدا ہو جائے۔ کیسا جری اور جسور ہے یہ شخص"

اس کے بعد موسیٰ کے نام عمرؓ کا یہ مکتوب روانہ ہوا:۔

"سلامٌ علیکم! احوال پرسی کے بعد تم کو معلوم ہو کہ فلاں فلاں شخص نے مجھ تک یہ باتیں پہنچائی ہیں۔ اگر یہ صحیح ہیں اور اگر تم نے اس شخص کا سر برملا مونڈا ہے تو میں نے یہ طے کیا ہے کہ تم کو اس بات پر مجبور کر دوں کہ تم بھی برملا اپنا سر منڈوانے کے لیے اس شخص کے سامنے بیٹھ جاؤ تاکہ یہ شخص تم سے قصاص لے لے اور اگر تم نے یہ سر تراشی عام لوگوں کے سامنے نہیں، تنہائی میں کی ہے تو تم بھی تنہائی میں سہی۔ مگر اپنا سر منڈوانے کے لیے اپنے آپ کو پیش کرو۔ قصاص تم سے بہرحال لیا جانا ضروری ہے"

قصاص کی منزل آپہنچی۔ لوگوں نے کہا بھی:۔

"بھائی جانے دو معاف بھی کر دو"

مگر وہ کہاں معاف کرنے والا تھا بولا:۔

"قسم ہے خدا کی میں اپنا قصاص کسی کے لیے بھی نہیں چھوڑوں گا"

مگر جس وقت مصر کا جلیل القدر گورنر امیر المومنین کے حکم پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے قصاص دینے کے لیے بیٹھ گیا تو آدمی نے آسمان کی طرف سر اٹھا کے کہا:۔

"خداوندا! میں نے امیر کو معاف کیا" (عدل کے اس نوع کے مناظر دیکھنے کے لیے چشمِ گردوں ترس گئی ہے۔

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت وہ سیارا (ش۔ ح۔ ع)

اب عمر بن شبہ کی پیش کردہ روایت آتی ہے۔ وہ یہ ہے:۔

"عمرو بن العاص رضؓ نے ایک تجیبی شخص کو (یعنی ایک ایسے شخص کو، جس کا تعلق قبیلہ تجیب سے تھا) منافق کہہ کر مخاطب کیا"

تجیبی نے کہا:۔

"مجھ میں نفاق کی صفت کبھی نہیں رہی۔ میں جب سے اسلام لایا ہوں مومن و مسلم ہی ہوں۔ اب میں عہد کرتا ہوں کہ میں اس وقت تک اپنے پر پانی اور بالوں میں تیل نہ ڈالوں گا جب تک (یہ بات کہنے کے لیے) عمر خطاب رضؓ سے نہ ملوں"

لیجئے یہ شخص فاروقی بارگاہ میں پہنچ گیا اور سنیئے وہ کیا کہہ رہا ہے؟

"امیر المومنین! عمرو (بن العاص) نے مجھے منافق کہہ کر پکارا حالانکہ خدا شاہد ہے میں جب سے مشرف بہ اسلام ہوا میں نے کبھی منافقت نہیں کی"

اب عمر رضؓ نے عمرو رضؓ کو لکھا اور جیسا کہ ان کی عادت تھی کہ جب ناراض ہوتے تو عمرو بن العاص رضؓ کو عاصی بن عاصی (گنہگار کے بیٹے گنہگار) لکھتے۔ چنانچہ انہیں بن عاصی کے القاب سے مخاطب کیا اور کہا کہ ایک تجیبی نے مجھے آن کر بتایا ہے کہ تم نے اسے منافق کہہ ڈالا۔ میں نے اسے حکم دیا ہے کہ وہ اس سلسلے میں دو گواہ لائے تاکہ وہ تم کو چالیس یا ستر کوڑے مار سکے!"

عرضی گذار نے (PETITIONER) نے تمام لوگوں کو جنھوں نے عمرو رضہ کو اسے منافق کہہ کر پکارتے سنا تھا، قسم دلائی کہ وہ اس کی طرف سے گواہی دیں۔ اہل مسجد کی اکثریت نے گواہی دے دی۔ بات بہت بڑھ چکی تھی۔ گورنر کے عملہ کے لوگوں نے کہا بھی:۔
"یعنی تم امیر کو مارو گے؟"

ایک قول یہ بھی ہے کہ اس شخص کو تاوان کی رقم بھی پیش کی گئی، ان معنی ہیں کہ وہ کچھ رقم لے کر امیر کو چھوڑ دے۔ مگر تجیبی کا تو دل دکھا ہوا تھا، بولا:۔
"تم یہ ساری عمارت زر و جواہر سے بھر دو گے تو بھی میں کوئی (پیشکش) قبول نہ کروں گا۔" عملہ نے پھر کہا، "ارے بھائی تم گورنر کو مارو گے؟"
کہنے لگا، "امیر کو مارنا عمری احکام کی اطاعت ہوگی۔"

جب اس شخص نے بالکل انکار کر دیا کہ وہ قصاص سے باز آجائے تو عمرو بن العاص رضہ نے فرمایا، "اسے چھوڑ دو۔"
اور پھر اس شخص کو ایک کوڑا دلوا کر خود اس کے سامنے بیٹھ گئے۔
آخری بات جو اس شخص نے عمرو سے پوچھی وہ یہ تھی:۔
"کیا تمہارا اقتدار تمہیں مجھ سے بچا سکتا ہے؟"
عمرو نے کہا، "،
"نہیں، تم کو جو حکم مِلا ہے تم اس پر عمل پیرا ہو سکتے ہو۔"
اس کا دل پسیج گیا، بولا:۔
"میں آپ کو چھوڑتا ہوں۔"

سلام سے مروی ہے:۔
میں نے حسن کو کہتے سنا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ مالِ غنیمت آیا اور اسکی خبر جب ام المومنین حفصہ رضہ کو ہوئی تو وہ تشریف لائیں اور کہنے لگیں:۔

"امیر المومنین! اِس مال پر آپ کے اقربا کا بھی حق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ذوی القربیٰ سے اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔"

فرمایا "بیٹی، میرے اقربا کو میری ذاتی دولت پر بیشک استحقاق حاصل ہے مگر یہ مال تو مسلمانوں کا مالِ غنیمت ہے۔ کیا خوب! تم نے اپنے باپ کو تو تباہ کرنا چاہا اور اقربا کی بھلائی چاہی!"

ام المومنین حفصہؓ واپس چلی گئیں۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ امیر المومنین حج کے لیے تشریف لائے ہوئے تھے۔ قیام میرے یہاں فرمایا تھا۔ صفوان بن امیہ نے کھانے کا انتظام کیا۔ کھانے کا ایک بہت بڑا خوان لایا گیا۔ جسے چار آدمی اٹھائے ہوئے تھے۔ کھانے پر سب لوگ بیٹھ گئے اور کھانا شروع ہوا۔ خدام ایک طرف کو ہو گئے۔ امیر المومنین نے پوچھا:۔

"کیا قصّہ ہے، تمہارے ملازمین تمہارے ساتھ کھانا نہیں کھا رہے۔ کیا تم لوگ ان کی طرف سے بالکل ہی بے پرواہ ہو؟"

سفیان بن عبداللہ نے کہا:۔

"امیر المومنین! واللہ یہ بات نہیں۔ دراصل ہمیں فرق مراتب کا بھی تو لحاظ رکھنا ہے۔"

یہ سُن کر فاروقؓ سخت غضبناک ہو گئے۔ یعنی شبلی کی زبان میں وہ معاملہ پیش آگیا کہ

غیض سے آگئی ابروئے عدالت پہ شکن

فرمایا:۔ جو گروہ اپنے کو پست اور اعلیٰ طبقوں میں تقسیم کر لیتا ہے اس کے لیے اللہ کی تعزیریں بے حد سخت ہوتی ہیں۔ اس کے بعد خدام سے فرمایا:۔

"آؤ تم لوگ بھی بیٹھ جاؤ۔"

خدام کھانے کے لیے دسترخوان پر بیٹھ گئے! مگر امیر المومنین اِس درجہ اس امتیازِ بندہ و آقا پر خشمگیں ہو چکے تھے کہ انھوں نے خود کھانے کو ہاتھ نہیں لگایا۔

سالم بن عبداللہ نے بیان کیا ہے :۔

حضرت عمرؓ اپنے اونٹ کے شکم پر ہاتھ پھیر کر کہا کرتے تھے کہ :۔

"مجھے یقین ہے کہ مجھ سے تیرے بارے میں بھی پرسش ہوگی"

مسیّب بن دارم سے روایت ہے :۔

"مجھے ایک بار بڑا دلچسپ منظر دیکھنے کا اتّفاق ہوا۔ عمر بن الخطابؓ ایک جمّال (اونٹ والے) کو مارتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے :۔

"تو نے اس اونٹ پر کیوں اس قدر بوجھ لاد دیا کہ یہ اسے اٹھا تک نہیں سکتا"

انہی صاحب سے ایک اور روایت ہے :۔

عمرؓ کو ایک سائل نظر آیا جس کے کاندھوں سے کھانے پینے کے سامان سے پُر ایک پشتارہ لٹکا ہوا تھا۔ فاروق نے اسے لے کر گھوڑوں کے سامنے ڈالدیا اور فرمایا،

"اب مانگو کیا مانگتے ہو؟"

سائب بن اقرع کہتے ہیں :۔

"میں مدائن میں کسریٰ کے محل میں بیٹھا ہوا تھا۔ میری نظر تصویر کے ایک پیکر پر جو اپنی انگلیوں سے ایک خاص نقطہ کی طرف اشارہ کر رہی تھی پڑی، مجھے بیٹھے بٹھائے خیال آیا کہ یہ انگلیاں جدھر اشارہ کر رہی ہیں وہاں کوئی نہ کوئی خزانہ ضرور ہوگا۔ چنانچہ میں نے اس جگہ کھدائی شروع کر دی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ میری نگاہوں کے سامنے ایک بہت بڑا خزانہ موجود تھا۔ میں نے امیر المومنین کو واقعہ کی اطلاع دی اور لکھا کہ یہ نعمت گویا خاص میرے لیے موہبت ہوئی ہے۔" ما

بارگاہِ فاروقی سے حکم پہنچا :۔

"تم مسلمانوں کے اُمراء اور قائدین میں سے ہو۔ لہٰذا اس نعمتِ غیر مترقبہ کو آپس میں بانٹ لو۔ اس پر سب کا حق ہے۔"

ثابت سے روایت ہے :۔

"ابوسفیان نے مکہ میں ایک مکان غلط موقع کا تعمیر کرایا اور پہاڑیوں سے اُتر اُتر کر آنے والے پانی کو پتھر رکھوا کے اس انداز میں رُکوا دیا تھا کہ وہ زیادہ مقدار میں دوسری جانب نہ نکلتا جس سے لوگوں کے مکانوں کے بہہ جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے یہ تمام پتھر اٹھوا دیے اور ابوسفیان کو مجبور کیا کہ وہ عام لوگوں پر مکہ کی وادی کو تنگ نہ کریں اس کے بعد انہوں نے قبلہ رُو ہو کے اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے وادیٔ مکہ میں اسلام کے طفیل عمرؓ کو ابوسفیان پر غالب کیا۔

یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب نے بھی الفاظ کے تھوڑے سے ردّوبدل سے اس واقعہ کو اپنے والد سے روایت کیا ہے اور یہ واقعہ جریر بن حازم نے حسن سے سنا تھا۔

سہیل بن عمرو، حارث ابن ہشام اور ابوسفیان بن حرب اور قریش کے چند رؤسا امیرالمومنین کی جناب میں حاضر ہوئے۔ اتفاق سے صہیب، بلال اور چند دوسرے موالی بھی جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے، اسی وقت حضرت عمرؓ سے ملنے آئے۔ امیرالمومنین کے آدمی نے باہر آکر حضرت صہیبؓ اور بلالؓ وغیرہ کو فوراً اندر بلا لیا اور رؤسائے قریش سے کچھ نہ کہا۔

ابوسفیان کو یہ بات بڑی ناگوار گذری۔ وہ بولے :۔

"کیا زمانہ ہے، غلاموں کو اذنِ باریابی بخشا گیا اور ہماری طرف کسی نے التفات تک نہ کیا"

سہیل بن عمروؓ بڑے خردمند شخص تھے، انھوں نے کہا :۔

"مجھے تمھاری ناگواریٔ خاطر کا احساس تمہارے چہروں سے پہلے ہی ہو چکا تھا، مگر تمہیں شکایت ہونی چاہیئے تھی خود اپنی ذات سے۔ پکارنے والے نے تو سب کو پکارا تھا ان لوگوں کو بھی اور تمہیں بھی، ان لوگوں نے دعوتِ حق قبول کرنے میں سبقت کی اور تم نے دیر کی

یہ تو خیر کچھ بھی نہیں، قیامت کا تصور کرو کہیں اس زہرہ گداز دن بھی یہ نہ ہو کہ یہ لوگ بلا لیے جائیں اور تم کو چھوڑ دیا جائے۔"

اسی نوع کی ایک اور دلچسپ روایت ہے، جو نوفل بن عمارہ نے بیان کی ہے۔

حارث ابن ھشام اور سہیل بن عمرو، امیر المومنین سے ملنے آئے۔ یہ دونوں عمرؓ کے دائیں بائیں بیٹھ گئے۔ اب مہاجرین اولین نے آنا شروع کیا۔ جوں جوں کوئی برگزیدہ مہاجر (صحابی) آتا جاتا۔ حضرت عمرؓ اسے اپنے قریب جگہ دیتے اور حارث اور سہیل کو ہٹنا پڑتا۔ یہ لوگ ہٹتے گئے ہٹتے گئے اور فاروقؓ کے لب گویا سے "ھا ھنا یا سہیل" اور "ھا ھنا یا حارث (سہیل تم یہاں اور حارث تم یہاں) سنتے گئے۔ یہاں تک کہ یہ دونوں مجلس عمرؓ کے بالکل سرے پر جا پہنچے۔ جس وقت یہ لوگ باہر آ رہے تھے۔ حارث بن ہشام نے سہیل سے کہا:۔

"دیکھا تم نے عمرؓ ہم سے کیسے پیش آئے؟"

سہیل نے کہا:۔

"میرے بھائی، ہمیں شکایت تو خود اپنے سے ہونی چاہیئے۔ ہم نے اسلام کی دعوت عام قبول کرنے میں تاخیر بھی تو بہت کی۔ ان دونوں کے دل پر بوجھ تو تھا ہی۔ اسی دن یہ پھر امیر المومنین سے ملنے گئے اور عرض کیا:۔

"امیر المومنین آپ کے آج کے طرزِ عمل سے گویا ہماری فہمائش اور تنبیہ مقصود تھی، آخر آپ کے تقرب کی کوئی صورت بھی ہو سکتی ہے؟"

فاروقِ اعظمؓ نے انگلی سے روم کی سرحدوں کی طرف اشارہ کیا۔

حارث اور سہیل دونوں اس طرف کو یعنی شام کو جا نکلے، اور اللہ کی رحمتیں نازل ہوں ان پر، اسی جہاد میں اپنی جانیں دے دیں۔

حسنؓ کہتے ہیں:۔ "ایک شخص پیاسا تھا۔ اس نے کچھ لوگوں سے جن کے پاس پانی موجود تھا،

پانی مانگا، انھوں نے انکار کیا۔ یہ غریب پیاس سے مر گیا۔ عمر بن الخطابؓ نے ان لوگوں کو اس شخص کا قاتل قرار دیا اور ان سے قاتل کے ورثا، کو خوں بہا دلوا دیا۔

انس بن مالک کہتے ہیں:۔

"میں امیر المومنین کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ان کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا، جو مصری تھا۔ مصری بولا:۔

آپ کے پاس پناہ لینے آیا ہوں۔

امیر المومنین بولے:۔

"کیا بات ہے؟ ہوا کیا تم کو؟"

فریادی نے کہا:۔

"ہوا یہ کہ عمرو بن العاصؓ نے مصر میں کچھ گھوڑے روانہ کیئے۔ ان میں ایک مجھے بھی ملا۔ لیکن جوں ہی لوگوں کی نظر اس گھوڑے پر پڑی تو اسے سب نے تحسین اور قدر دانی کے جذبے سے دیکھنا شروع کیا، گورنر کے بیٹے محمد بن عمرو بن العاص نے کہا،

"رب کعبہ کی قسم یہ میرا گھوڑا ہے"۔

محمد بن عمرو جوں ہی میرے پاس سے گذرے میں نے بھی انہیں کے الفاظ دہرا دیئے "فرس و رب الکعبہ" یعنی رب کعبہ کی قسم یہ گھوڑا میرا ہے"۔ محمد نے بے تحاشا مجھے کوڑے مارنا شروع کئے۔ گورنر کا یہ بیٹا مجھے کوڑے سے مارتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا،

"تجھ میں ہمت ہے تو یہ گھوڑا لے کر دکھ۔ تجھے معلوم نہیں میں اشراف زادہ ہوں"۔

ابھی مصری کا بیان یہیں تک پہنچا تھا کہ امیر المومنین نے کہا:۔

"تم بیٹھ جاؤ"۔ اور پھر چھوٹتے ہی حکمران مصر عمرو رضؓ کو یہ الفاظ لکھ بھیجے:۔

"جوں ہی تم کو میرا یہ مکتوب ملے تو اپنے بیٹے محمد کے ساتھ مدینہ کے لیئے روانہ ہو جاؤ"

عمرو رضؓ نے بیٹے کو بلا کر پوچھا :-
" بیٹے کوئی خاص واقعہ تو نہیں رونما ہوا اور تم سے کوئی جُرم تو نہیں سرزد ہوا۔
عمرو رضؓ کے بیٹے نے کہا، " نہیں تو" عمرو رضؓ نے کہا :
پھر عمر رضؓ نے تمہارا ذکر کیوں کیا آخر ؟"
بہر صورت یہ دونوں باپ بیٹے اُفتاں و خیزاں مدینہ آئے۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ ہم امیر المومنین کے پاس بیٹھے تھے کہ عمرو رضؓ اس ہیئتِ کذائی کے ساتھ وارد ہوئے اور بیٹھ گئے۔ ہم نے دیکھا کہ عمر رضؓ کی آنکھیں محمد بن عمرو کی تلاش میں تھیں۔ بیٹا باپ کے پیچھے تھا۔ فرمایا :-
" مصر کا آدمی کدھر گیا ؟"
مصری بولا :- میں حاضر ہوں"
ارشاد ہوا " تم یہ دُرّہ لو اور ان اشراف زادہ صاحب کو مارنا شروع کرو"
مصری نے درہ سے عمرو بن العاص کے بیٹے کو مارنا شروع کیا۔ وہ تکلف بھی کرتا تو امیر المومنین اسے حکم دیتے کہ وہ ابن عمرو کو مارتا جائے۔ گورنر کے بیٹے کے جسم سے خون جاری ہو چکا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر امیر المومنین نے فرمایا :-
" یہ جو کچھ ہوا اس کا سبب تمہارے والد ہیں۔ نہ ان کو اقتدار ملتا اور نہ تم کو یہ مصری یوں مارتا !"
صاحبزادے بولے :-
" امیر المومنین اس نے اگر مجھے مارا تو میں بھی اس کو مار چکا ہوں"
اس پر فاروق رضؓ کو جلال آ گیا اور فرمایا :-
" بہر حال اگر تم نے اسے دوبارہ مارا تو ہم شدّت سے مداخلت کریں گے اور آخر میں تم کو اس کے حق میں سپر ڈالنی پڑے گی"

یہ تو بیٹے سے کہا، مگر باپ سے جو کہا وہ ایک تاریخی اور یادگار جملہ ہو کر رہ گیا ہے۔ اور (روسو نے جو انقلابِ فرانس کے داعیوں میں ایک تھا، اپنے معاہدۂ عمرانی کے آغاز میں انسانی آزادی کے بارے میں اس سے بہتر بات نہیں کہی۔ ش۔ ح۔ ع)

عمرؓ نے گورنر سے کہا:۔

"عمرو! یہ تم نے انسانوں کو غلام کس دن سے بنا لیا ہے۔ وہ اپنی ماؤں کے بطن سے تو آزاد آئے تھے"۔

اس کے بعد وہ مصری سے مخاطب ہوئے اور کہا،

"اطمینان اور دلجمعی سے واپس جاؤ اور تمہیں پھر کوئی ناگوار معاملہ پیش آئے تو مجھے فوراً لکھو"۔

خوشا وہ قافلہ جس کے امیر کی ہے متاع
تصوّرِ ملکوتی و جذبہ ہائے بلند

(اقبالؔ)

باب ۳۹

بیت المال کا عمری تصوّر و تصرّف

قتادہ کا قول ہے :۔

"سب سے آخری مال غنیمت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں لایا گیا وہ بحرین سے آئے ہوئے آٹھ لاکھ درہم کی شکل میں تھا۔ حضورؐ یہ تمام دولت ایک ہی نشست میں تقسیم فرما کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ عہدِ رسالت اور عہدِ صدّیقی میں بیت المال کا قیام ابھی عمل میں نہ آیا تھا۔ بہر حال بیت المال سب سے پہلے فاروق اعظم رضؓ نے قائم کیا۔ اس سلسلہ میں مالک بن اوس کا بیان ہے :۔

" اسلام کے خزانہ عامرہ میں موجود مال وزر کے بارے میں عمری مسلک یہ تھا کہ اس مال و دولت میں کسی کو کسی پر ترجیح حاصل نہیں ہے۔ اور خود امیر المومنین اور رئیسِ مملکت کو کسی ایک فرد پر ترجیح نہیں دی جا سکتی اور مسلمانوں میں کوئی شخص بھی ایسا نہ رہ جائے گا جسے اس دولت میں حصّہ دار نہ بنایا جائے گا۔ اس معاملہ میں زرِ خرید غلام مستثنیٰ ہوں گے۔ البتہ اس مال میں مسلمانوں کی حصّۂ رسدی کا معیار کتاب اللہ اور تعلیمات رسولِ مقبولؐ کی روشنی میں متعین ہوگا۔ مثلاً مال بانٹتے وقت ہم دیکھیں گے کہ ایک شخص نے اسلام کی خاطر تکلیفیں اور مشقتیں کتنی اٹھائی ہیں۔ وہ اسلام کی دولت سے کس مرحلہ پر شرف یاب ہوا ہے۔ اسلام لانے کے بعد اس کی مالی حالت کس درجہ بہتر یا کس درجہ ابتر ہوئی ہے۔ امیر المومنین نے یہ بھی فرمایا کہ :۔

"اگر اجل نے انہیں مہلت دی تو وہ دولت کی عادلانہ تقسیم کا ایسا کامل انتظام کریں گے اور مال غنیمت یوں بانٹیں گے کہ صنعاء کی پہاڑی پر چرواہا اپنا گلہ چرارہا ہوگا اور وہیں اس کے حصّہ کا مال اس کے پاس پہنچ جائے گا۔"

موسیٰ بن علی نے اپنے والد سے سنکر حضرت عمر رضؓ کی جابیہ والی تقریر کے چند نکات کا ذکر کیا ہے۔ وہ بقول فاروقؓ یہ ہیں:۔

"قرآنیات کے سب سے بڑے ماہر ابیؓ بن کعب ہیں اور اسلامی قانون وراثت کے باب میں زید بن ثابتؓ حرف آخر ہیں۔ فقہ میں معاذ بن جبلؓ کا قول حجّت ہے اور مالی مسائل میں مجھ سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔" پھر فرمایا:۔

"اللہ نے مجھے مسلمانوں کی مشترکہ دولت کا خزانہ دار اور اسے تقسیم کرنے والا بنایا ہے۔ اس مال میں سب سے پہلے ازواجِ مطہرات کا حق تسلیم کرتا ہوں۔ انہیں اس میں سے (یعنی اس مال میں سے) دے چکنے کے بعد میں مہاجرین اوّلین کا، یعنی اپنا اور اپنے پرانے رفقاء اور ہم سفروں کا جنہیں ہمارے پرانے شہر اور دیارِ مکّہ سے بے سروسامان کر کے نکال دیا گیا تھا، حق تسلیم کرتا ہوں۔ اس کے بعد انصار آتے ہیں جن کی بدولت اسلام اور ایمان کو قوت پہنچی، مگر مہاجرین میں بھی ہم یہ دیکھیں گے کہ کون پہلے ہجرت پر آمادہ ہوا اور کون بعد میں۔ چنانچہ ہجرت میں جس نے جس نسبت سے دیر کی اسی نسبت سے اسے بیت المال سے تمتّع میں دیر لگے گی۔ اس سلسلے میں جو شخص بھی کبیدہ خاطر ہو اسے اپنے ذوقِ ہجرت کو ہدفِ ملامت قرار دینا چاہیئے۔"

ابنِ عمر رضؓ سے روایت ہے:۔

"امیر المومنین کی خدمت میں عراق سے خراج کا مال آیا۔ آپ نے اسے لوگوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ ایک شخص کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا:۔

"امیر المومنین! کیا ہی اچھا ہو اگر اس رقم کا کچھ حصہ ممکنہ عسکری مہم اور غیر متوقع اور

ہنگامی حالات کے پیش نظر محفوظ کر لیا جائے"۔

فاروق رضؓ غضبناک ہو گئے اور فرمایا:۔

"اس شیطانی وسوسے کا جواب یہ ہے کہ میں آنے والے کل کے لیے آج اللہ کی نافرمانی ہرگز نہیں کروں گا، ہرگز نہیں کروں گا۔ اور یہ تمام رقوم میں آج ہی بالکل اسی انداز میں بانٹ دوں گا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بانٹ دیا کرتے تھے"۔ ؎

کل کے لیے کر آج نہ خست شراب میں
یہ سوءِ ظن ہے ساقئ کوثر کے باب میں (غالبؔ)

ابوہریرہ رضؓ کہتے ہیں کہ:۔

"بحرین سے عمر رضؓ کے پاس کچھ مغتنم دولت آئی یہ ساری دولت اور سازوسامان لے کے میں ہی آیا تھا۔ اس شب میں نے امیرالمومنین کے ساتھ ہی عشاء کی نماز پڑھی انکی نظر مجھ پر پڑی ہی تھی کہ میں نے انھیں سلام کیا۔ مجھ سے پوچھا:۔"

"بحرین سے کیا لے کر آئے ہو" (ابوہریرہ بحرین کے گورنر تھے ش۔ح۔ع) میں نے کہا "پانچ سو ہزار (پانچ لاکھ) کہنے لگے:۔

"یہ جو کہہ رہے ہو سمجھ کے کہہ رہے ہو؟"

میں نے کہا "میں کہہ رہا ہوں کہ میں ایک سو ہزار اور ایک سو ہزار اور ایک سو ہزار، یہ میں نے پانچ بار کہا، لے کے آیا ہوں"۔

ارشاد ہوا، "تم پر غنودگی طاری ہے۔ تم جا کر سو جاؤ، صبح میرے پاس آنا"۔

"دوسرے دن صبح ہی صبح میں امیرالمومنین کے پاس تھا۔ اب مجھ سے پھر پوچھا:۔

"ہاں! کیا کچھ لائے ہو تم؟"

میں نے پھر وہی گزشتہ شب والی بات دہرا دی۔ "پانچ سو ہزار"۔

پوچھا:۔ "یہ سارا مال بالکل طیب اور حلال ہے نا؟"

میں نے کہا، "طیب مال کے سوا اور جو مال ہوتا ہے اسے میں نہیں جانتا۔"
اب امیر المومنین نے قوم سے مشورہ کیا کہ اس تمام مال کو زرِ نقد کی شکل میں تقسیم کر دیا جائے یا لوگوں کے حصے انھیں تول دیے جائیں ـ" مجمع میں کسی نے کہا:۔
"امیر المومنین! میں نے عجم (غیر عرب دنیا) میں یہ دستور دیکھا ہے کہ وہاں مختلف اصناف کے دفاتر مرتّب ہو جاتے ہیں اور لوگوں کو انہی دفاتر کی رُو سے رقوم ملتی رہتی ہیں۔" عمرؓ کی سلیقہ شعاری کو یہ بات پسند آئی اور انھوں نے ایک مفصّل دفتر یا دیوان مدوّن کرایا۔ اس دیوان کے مطابق مہاجرینؓ کے لیے پانچ پانچ ہزار اور انصارؓ کے لیے چار چار ہزار کے وظائف مقرر ہوئے۔ البتہ ازواجِ محمدؐ کے لیے بارہ بارہ ہزار مقرر ہوئے۔ اور یہ واقعہ جو اب بیان ہو رہا ہے اسے عبید بن عبداللہؒ کو ابو ہریرہؓ نے سنایا تھا۔ یہاں یہ واقعہ ابو ہریرہؓ کے الفاظ میں صیغۂ متکلّم میں بیان ہو رہا ہے۔
"میں عمر بن الخطابؓ کے پاس ابو موسیٰ الاشعری کے یہاں سے آٹھ سو ہزار درہم لے کر آیا۔ مجھ سے پوچھا:۔
"کیا لے آئے؟"
میں نے کہا، "میں آٹھ سو ہزار درہم (آٹھ لاکھ درہم) کی رقم لے کے آیا ہوں۔"
کہنے لگے :۔ "مجھ سے سنو، تم آٹھ سو ہزار نہیں اسّی ہزار درہم لائے ہو۔"
میں نے کہا، "میں بالکل آٹھ سو ہزار درہم لایا ہوں۔"
بولے :۔ "بھائی میں تم سے کہہ چکا ہوں، تم یمنی لوگ احمق ہوتے ہو۔ تم اسّی ہزار درہم سے زائد ہرگز نہیں لائے۔"
میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ امیر المومنین بولے :۔
"اچھا بتاؤ تو سہی آٹھ سو ہزار درہم (یا آٹھ لاکھ درہم کتنے ہوئے)
میں نے فوراً یہ رقم گنوانی شروع کر دی :۔

"ایک سو ہزار اور ایک سو ہزار اور ایک سو ہزار۔"

غرض میں نے آٹھ سو ہزار درہم گنوا دیئے۔ اب سنیئے، فرمایا:۔

"بھائی یہ سب حلال کا مال ہے نا؟"

میں نے کہا "بالکل حلال کا مال ہے۔"

وہ رات امیر المومنین نے جاگ کر گزار دی۔ فجر کی اذان ہو رہی تھی۔ ان کی بیوی بولیں:۔

"امیر المومنین! آپ رات بالکل نہیں سوئے؟"

بولے "کیا خوب! خطّاب کا بیٹا عمرؓ کیسے سو سکتا تھا۔ قوم کے لیے آج اتنی دولت آئی ہے کہ اسلام کے آغاز اور اس کی ابتدا سے آج تک اتنی دولت کبھی نہیں آئی تھی پھر عمرؓ کے ایمان کا تو خدا ہی مالک ہوتا۔"

صبح ہوتے ہی امیر المومنین نے بعض صحابہ کرام کو بلوا بھیجا اور ان کے سامنے اعلان کیا کہ:۔

"پچھلی رات مسلمانوں کے لیے اتنی بڑی دولت آئی ہے کہ اس سے پہلے اتنی بڑی دولت کبھی نہیں آئی تھی۔ میری رائے یہ ہے کہ میں یہ سب مال لوگوں میں برابر برابر بانٹ دوں آپ حضرات کی کیا رائے ہے؟"

اصحاب بولے:۔

"امیر المومنین ایسا مت کیجئے۔ لوگ برابر مشرّف بہ اسلام ہو رہے ہیں اور مملکت کی دولت میں بیش بہا اضافہ ہو رہا ہے۔ بہتر ہو گا کہ ایک دفتر قائم کیا جائے جو آبادی اور عطایا نے دربارِ خلافت میں نسبت پر نظر رکھے اور دولت میں جب کبھی آبادی کے ساتھ ساتھ اضافہ واقع ہو لوگوں کو از روئے حساب اور دفتری کارروائیوں کے ماتحت رقمیں دی جائیں۔"

امیر المومنین نے مال و دولت کے باضابطہ حسابات قائم کرنے کے خیال کو پسند

کیا اور فرمایا:۔

"اب مجھے یہ بتائیے کہ میں اس دولت کی تقسیم کس شخص سے شروع کروں"۔

صحابہؓ نے فرمایا:۔

"امیرالمومنین آپ اپنی ذات سے ابتدا کیجیے۔ آپ اس مال کے ولی اور محافظ ہیں"۔
ایک صحابی نے یہ بھی کہا تھا کہ "امیرالمومنین کو اپنے سے ابتدا کرنی چاہیئے، کیونکہ علم میں ان کو ہم سب ہی پر فوقیت حاصل ہے"۔

فرمایا:۔ "نہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابتدا کروں گا۔ یعنی آپ کے خاندانِ جلیل سے اور پھر درجہ بدرجہ حضورؐ کے اقرباء سے"۔

چنانچہ دیوان کی تنظیم اسی انداز پر کر دی گئی۔ اور جیسا کہ عبیداللہ نے بیان کیا ہے:۔
"سب سے پہلے (قرابت رسول معظم کے پیش نظر) بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب میں ہر ہر فرد کو رقوم دی گئیں۔ اس کے بعد عبد شمس، نوفل اور عبد مناف کی اولاد کی باری آئی کہ یہ رسول اللہ کے عم زادگان (cousins) تھے۔

محمد بن سعد نے محمد بن سیرین کے واسطے سے احنف کا ذیل کا بیان فاروق رضؓ کے سوانح نگاروں کے حوالہ کیا ہے"۔

"ہم عمر رضؓ کے مکان کے آگے بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک لونڈی ادھر سے گذری چند لوگ بول اُٹھے:۔

"یہ امیرالمومنین کی سرّیہ ہے۔ یعنی یہ لونڈی انہیں مالِ غنیمت میں ملی ہے"۔

ہم نے سوال کیا:۔

"امیرالمومنین کے لیے بیت المال کی کیا کیا چیزیں حلال ہیں؟"

ہم نے ابھی اتنا کہا ہی تھا کہ بات فاروق اعظم تک پہنچ گئی۔ نیتجۂ ان کا آدمی ہمیں بلانے آ گیا اور چند لمحوں میں ہم عمر رضؓ کے مقابل تھے۔ ہم سے چھوٹتے ہی پوچھا:۔

"کیا کہہ رہے تھے تم لوگ؟"

ہم نے کہا: "ہم نے کوئی غلط بات نہیں کہی، دراصل ایک لڑکی ہمارے سامنے سے گزر رہی تھی۔ ہم نے خیال کیا یہ آپ کی لونڈی ہوگی۔ اس نے (اس لڑکی نے) ہمیں بتایا کہ امیر المومنین کے پاس کوئی سریّہ نہیں ہے اور چونکہ وہ مال اللہ ہے وہ امیر المومنین کے لیے جائز نہیں۔ اس کے بعد اتنی سی بات ہوئی کہ ہم نے پوچھ لیا کہ، ان کے لئے (مُراد امیر المومنین کے) کیا کیا جائز اور حلال ہے۔" اب وہ خود ہی بول اُٹھے:-

"مجھ سے سنو، میں اللہ کے مال میں اپنے لیے کیا کیا جائز رکھتا ہوں۔ صرف دو جوڑے کپڑے۔ ایک جاڑوں کے لیے، ایک گرمیوں کے لیے اور ایک عدد اونٹ جس کی پیٹھ پر بیٹھ کر میں حج اور عمرہ سے فراغت حاصل کر سکوں۔"

اس کے علاوہ اپنے اور اپنے متعلقین کے لیے قریش کے متوسط گھرانوں کے معیار زندگی کے مطابق کھانے پینے کا سامان اتنا اور صرف اتنا لینے کے بعد میں کسی بھی دوسرے مسلمان کی طرح کا ایک عام فرد ہوں اور ایک عام فرد جن جن حالات سے گزرے گا۔ ان سے مجھے بھی گزرنا ہوگا۔" اس سلسلے میں عروہ نے ایک عمری ارشاد نقل کیا ہے وہ یہ ہے:-

"اس تمام دولتِ فراواں میں سے میں اسی قدر لے سکتا ہوں جتنا (خلافت سے پہلے کے دور میں) مجھے درکار ہوتا تھا۔"

ابن سعد نے محمد بن ابراہیم کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ عمرؓ شب و روز میں اپنے اور اپنے متعلقین کے لیے صرف دو درہم صرف کرتے تھے۔ دو درہم سے زیادہ نہیں، اور حج کے موقع پر انھوں نے ایک سو اسّی درہم خرچ کئے تھے

ابن سعد نے اپنے اسناد کے ساتھ حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے:-

"مال اللہ یعنی بیت المال کی دولت کا اور میرا معاملہ بالکل وہی ہے جو کسی ولی اور نگران کا ایک یتیم کے مال کے ساتھ ہوتا ہے۔ عام حالات میں میں اس مال کو ہاتھ تک نہیں

لگاؤں گا۔ لیکن احتیاج مبرم کی صورت میں میں اس سے استفادہ گوارا کر لوں گا اور یہ بیان خود فاروق اعظم رضؓ کا ہے:۔

"مجھے جب کبھی ضرورت پیش آتی میں بیت المال کے امین سے قرض لے لیتا کبھی کبھی بیت المال کا نگراں مجھ سے بیت المال کا قرض واپس لینے ایسے دنوں میں آتا جب میں بالکل تنگ دست ہوتا اور نگراں کا تقاضا جب شدّت اختیار کرتا تو مجھے پھر کوئی نہ کوئی ادائیگی کی صورت نکالنی ہی پڑتی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ جب مجھے میرے حصّہ کا وظیفہ ملتا تو میں یہ قرض اس میں محسوب کرا دیتا۔"

ایک دن کا ذکر ہے کہ عمرؓ اپنے گھر سے برآمد ہوئے اور مسجد کے منبر پر آبیٹھے منبر پر بیٹھے ہی بیٹھے انھوں نے محسوس کیا کہ ان کی طبیعت بگڑ رہی ہے۔ کسی نے کہا انہیں شہد پلانا چاہیئے۔ بیت المال میں شہد کا ذخیرہ موجود تھا۔ عمرؓ نے کہا:۔

"اگر قوم کو اعتراض نہ ہو تو وہ شہد استعمال کر لیں۔ ورنہ قوم کی رضامندی کے بغیر اس شہد کا استعمال ان کے لیے حرام ہوگا۔"

لوگوں نے ابنِ خطّاب کو اجازت دے دی۔ ایک اور موقع پر فاروق اعظمؓ نے فرمایا تھا:۔

"قوم میں ان کی مثال اس امیر سفر کی سی ہے جس کے پاس تمام اہل کارواں اپنی اپنی رقوم جمع کرا دیں تاکہ وہ ان کے لیے صرف کرتا رہے۔ لیکن ظاہر ہے ایسا شخص دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ نہیں لے سکتا۔"

لوگوں نے کہا بھی کہ:۔

"امیرالمومنین ایسا مت کہیئے۔"

مگر آپ نے اس مثال پر اصرار کیا کہ گویا اُمّت ایک کارواں ہے اور اس کارواں نے انہیں معتمد علیہ بنا کے انہیں اہلِ کارواں کے حساب کتاب کا نگراں مقرر کیا ہے۔

ابن سعد اور ابو امامہ بن سہل دونوں راوی ہیں :۔

"ایک زمانہ تک عمرؓ نے بیت المال سے ادنیٰ درجہ میں بھی استفادہ گوارا نہ کیا اور اس سلسلہ میں وہ بالکل انتہا پسند ہو گئے۔ اس کا نتیجہ ان کی مطلق ناداری کی شکل میں نمودار ہوا۔ فاروقِ معظمؓ نے اصحاب رسول اللہؐ کا ایک جلسہ بلا کر وہاں یہ مسئلہ پیش کیا اور فرمایا :۔

"میں حکومت کے کاموں میں لگ گیا ہوں اور اپنے کاروبار کی طرف مطلق توجہ نہیں کر سکتا، تو اب بیت المال سے میں کس حد تک مستفید ہونے کا حق رکھتا ہوں"

عثمانؓ اور سعید بن زیدؓ نے کہا کہ :۔

"آپ بیت المال سے اپنی تمام ضروریات پوری کر سکتے ہیں"

امیر المومنین نے علیؓ سے پوچھا کہ ان کی رائے کیا ہے؟"

حضرت علیؓ نے کہا :۔

"فقط صبح اور شام کا کھانا" (وہ لے سکتے ہیں)۔

عمرؓ نے اس رائے کو قبول کر لیا۔

ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ :۔

"قادسیہ اور دمشق کی فتوحات کی خبریں مدینہ پہنچیں تو امیر المومنین نے ایک بڑا جلسہ طلب کیا اور اس سے مخاطب ہو کر کہا :۔

"میں ایک تجارت پیشہ شخص تھا اور میرا کاروبار اتنا کامیاب تھا کہ میرے اہل و عیال خوش عیشی کے ساتھ گذر بسر کرتے تھے مگر اب حکومت کے بار گراں نے مجھ سے میرے ذرائع آمدنی مطلقاً چھین لیے ہیں۔ چنانچہ میں جاننا چاہوں گا کہ مجھے بیت المال سے کتنا لینا چاہیئے ؟"۔

مختلف لوگ مختلف باتیں کہتے رہے :۔

"آپ اتنا لے لیں، آپ اس سے بھی زیادہ لے لیں۔"

حضرت علیؓ خاموشی سے سن رہے تھے۔ فاروقؓ نے پوچھ ہی لیا:۔

"علیؓ تمہاری رائے کیا ہے؟"

حضرت علیؓ نے کہا:۔

"بس اتنا کہ آپ اور آپ کے متعلقین اس سے گذراوقات کر سکیں۔"

امیرالمومنین نے فرمایا:۔

"علیؓ نے جو کہہ دیا ہے وہی کہنے کی بات تھی۔"

اسلم کی روایت ہے:۔

ایک شخص نے عمرؓ سے پوچھا کہ خزانہ سے وہ جائز طور پر کس قدر لے سکتے ہیں؟ فرمایا "بس جتنے سے ان کی اور ان کے متعلقین کی بآسانی گذر بسر ہو جائے۔ ایک جوڑا جاڑوں کے لیے اور ایک گرمیوں کے لیے اور حج اور عمرہ کے لیے زادِ راہ اور مختلف ضرورتوں اور جہاد کے لیے سواری۔"

امام زہری کہتے ہیں:۔

"صدقے کے چند اونٹ بیکار ہو گئے۔ امیرالمومنین نے انہیں ذبح کر دیا اور جب انکا گوشت پک کر آیا تو صلائے عام کر دی گئی۔ منجملہ اور لوگوں کے حضرت عباسؓ بھی آئے۔

حضرت عباسؓ بولے:۔

"امیرالمومنین! روز ایسی دعوتیں ہوں تو لطف آجائے۔"

امیرالمومنین نے کہا:۔

"ان اونٹوں کو ٹھکانے لگانے اور ان کا جائز مصرف کرنے کی یہی ایک صورت سمجھ میں آئی۔ جائز مال، جائز طور پر صرف ہو گیا۔"

باب ۴۰

حاکمِ عادل کا ظلم و جَور سے احترازِ کامل

سلام بن مینخ التیمی نے احنف بن قیس سے روایت کی ہے :۔

" ہم امیر المومنین کی خدمت میں ایک زبردست فتح کی خبر لے کر حاضر ہوتے۔ ہم سے پوچھا :۔

" تم لوگ کہاں اُترے ہو ؟"

ہم نے جواب میں اس جگہ کا نام لیا جہاں ہم ٹھہرے ہوئے تھے۔ امیرالمومنین فوراً ہمارے ساتھ ہو لیے اور سیدھے وہاں گئے جہاں ہم نے اپنے گھوڑے اور جانور وغیرہ باندھ دیے تھے۔ انہیں حضرت عالی نے بغور دیکھا اور پھر ہم سے مخاطب ہو کر کہا :۔

" ان بے زبان جانوروں سے یہ برتاؤ کرتے وقت تمھیں اللہ سے ذرا خوف نہ آیا آخر ان کا بھی تو تم پر کچھ حق ہے۔ تم نے ان کو آزاد چھوڑ دیا ہوتا۔ تاکہ یہ کھلے میدانوں میں گھوم پھر کر پیڑ کے پتوں وغیرہ سے اپنا پیٹ بھرتے۔"

ہم نے عرض کیا :۔ " امیرالمومنین اللہ نے ہم کو اتنی بڑی فتح دی ہے، ہم چاہتے تھے جلد سے جلد یہ خبر آپ کو پہنچا دی جائے اور ملت کو بھی اس مژدہ سے مسرور کیا جائے۔"

خلاصہ یہ کہ امیرالمومنین واپس لوٹ آئے۔ ہم سب ان کے ساتھ تھے۔ راستہ

میں انہیں ایک شخص ملا، جس نے کہا:۔

" امیر المومنین ایک شخص نے مجھ پر بڑا ظلم کیا ہے آپ میرے ساتھ چل کر ذرا میرا اور اس کا انصاف تو کر دیجیے۔"

عمرؓ نے اپنا دُرّہ اٹھایا اور آہستہ سے مرد کے سر پہ رسید کیا اور کہا:۔

" جس وقت عمرؓ اپنے کو خود تمہارے سامنے پیش کرتا ہے تم اسے چھوڑ دیتے ہو اور جب وہ کسی کام میں منہمک ہوتا ہے، کسی بڑے کام میں یعنی جس سے ملت کا مفاد وابستہ ہوتا ہے تو آتے ہو کہ " مدد کیجیے۔" آدمی بڑ بڑاتا ہوا چلا گیا۔ فوراً ہی امیر المومنین نے اس آدمی کو طلب کیا اور اس کے سامنے درہ ڈال دیا اور کہا:۔

" لے، مجھے بھی مار لے اور اپنا بدلہ لے لے!"

آدمی بولا:۔ " ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں اسے (بدلہ کو) اللہ کی خاطر اور آپ کی خاطر چھوڑتا ہوں۔"

امیر المومنین بولے:۔

" یوں نہیں، یا تو اسے اللہ کی خاطر چھوڑ اور یا میری خاطر، تاکہ مجھے معلوم ہو جائے۔"

آدمی نے (عمری خشیت الٰہی سے متاثر ہوتے ہوئے) کہا:۔

" جائیے، میں نے اللہ کی خاطر اس معاملہ کو ترک کر دیا۔"

اس کے بعد امیر المومنین اپنے گھر لوٹ آئے۔ آتے ہی دو رکعت نماز شکر ادا کی اور مصلے پر بیٹھ کر فرمایا:۔

" خطاب کے بیٹے، تو پائیں رتبہ تھا، اللہ نے تجھے بلند رتبہ کر دیا، تو گمراہ تھا، اللہ نے تجھے ہدایت دی۔ تو خوار تھا اللہ نے تجھے مکرّم و معزّز کیا اور اس کے بعد تجھے مسلمانوں پر مسلط کر دیا۔ اب اگر کوئی آن کر تجھ سے طالب امداد ہوتا ہے تو تُو اسے الٹے سزا دیتا ہے۔"

غرض امیر المومنین تا دیر اپنے کو یوں خود ہی ملامت اور عتاب و قہر کا ہدف بنانے

رہے اور اس سوز آگیں منظرِ عاجزی و خاکساری کو دیکھ کر ہم نے محسوس کیا۔ عمرؓ واقعی منتخبِ روزگار ہیں اور شریف ترین مردِ روئے زمین!

ایاس بن سلمہ نے اپنے والد سے روایت کی ہے :۔

"میں بازار سے گزر رہا تھا کہ اتنے میں عمر رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ میں دُرّہ لیے ہوئے اپنی کسی ضرورت سے ادھر آ نکلے۔ مجھے دیکھا تو اپنے دُرّہ سے ایک ہلکی سی ضرب لگاتے ہوئے (جس کی زد میں میرا بدن تو نہیں، البتہ میرا دنبالۂ لباس آ گیا) فرمایا :۔

"یوں لوگوں کا راستہ روک کر مت چلو۔" میں نے اطاعت کی اور راستہ سے ہٹ گیا یعنی کنارے کنارے چلنے لگا۔ میری اس بلا چُون و چرا اور صبر آمیز اطاعت سے قلبِ رقیق پوحفص ایسا پسیجا کہ وہ بالکل چُپ ہو گئے اور مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ بات آئی گئی ہو گئی۔

ایک سال اور گزر گیا ــــ اسی بازار میں امیر المومنین سے پھر میرا آمنا سامنا ہوا مجھے دیکھتے ہی فرمایا :۔

سلمہ! اس سال حج کا ارادہ ہے؟"

میں نے کہا :۔

"نعم یا امیر المومنین۔"

پھر میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور مجھے یوں ہی اپنے گھر تک لے گئے اور پھر ایک عجیب بات ہوئی۔ امیر المومنین نے میرے ہاتھ میں ایک کیسہ تھما دیا۔ کیسہ میں چھ سو درہم تھے۔ ارشاد ہوا :۔

"سلمہ! یہ رقم لے لو اور سفرِ حج میں اسے کام میں لاؤ اور دیکھنا یہ اُسی دُرّہ کا خوں بہا ہے۔"

میں نے کہا، "میں تو بھول بھی گیا تھا۔ اب آپ کے یاد دلانے پر مجھے یہ واقعہ یاد آیا۔"

فرمایا، "خدا شاہد ہے، میں اس بات کو بالکل نہیں بھولا تھا۔"

عاصم نے عبداللہ سے روایت کی ہے:۔

عمر بن الخطاب مکّے کے راستے میں کسی درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ دھوپ سخت ہوگئی تو اپنے اوپر ایک کپڑا ڈال لیا اور کھڑے ہو گئے۔ قریب سے آواز آئی:۔

"امیرالمومنین! کبھی ہمارے بھی کام آئیے گا۔ ہمارا ایک کام مدتوں سے اٹکا ہوا ہے۔" پورِ خطاب نے پوچھا:۔

"آخر کس نے تمہارا کام بگاڑ رکھا ہے؟"

آدمی بولا، "تم نے۔"

امیرالمومنین کو یہ بات ناگوار گزری اور آدمی کو ایک دُرّہ رسید کر دیا۔ وہ بولا:۔

"آپ نے فیصلہ کرنے میں بڑی عجلت برتی۔ فرض کیجئے میں نے آپ پر غلط الزام لگایا تھا تو اب آپ کے اس طرزِ عمل سے آپ کی مظلومیت جاتی رہی اور اگر میں نے مثلاً زیادتی کی تھی تو لیجئے اب ہمارا حساب صاف ہو گیا۔"

عمرؓ نے آدمی کا دامن تھام لیا اور اسے اپنا دُرّہ دیتے ہوئے کہا:۔

"اپنا بدلہ مجھ سے لے لو۔"

آدمی نے انکار کیا تو فرمایا:۔

"تم کو ایسا کرنا پڑے گا۔ اور تم ایسا نہ کرو گے تو میں تم سے زبردستی اپنا حق لوں گا۔" آدمی بولا:۔

"میں نے معاف کر دیا۔"

مگر امیرالمومنین کہاں ماننے والے تھے

مردِ مومن در نسازد با حیات!

چنانچہ اس آدمی سے مستقل طور پر اصرار کرتے رہے اور کہا کہ بہتر ہے یہ بدلہ آج ہی چکا لیا جائے اور تم، اگر ہو سکے تو مجھے اتنا مارو، اتنا مارو کہ میں رو پڑوں!

ایک اور روایت بھی جو اسی سے مشابہ ہے مختلف باوثوق ذریعوں سے ہم تک پہنچی ہے (یہاں طوالت کے خوف سے میں نے نام حذف کر دیے ہیں۔ ش۔ ح۔ ع)

عمرؓ نے ایک شخص کو، جس سے ایک گناہ سرزد ہو گیا تھا، اپنے دُرّہ سے سزا دی، خطاوار نے بڑی حکیمانہ بات کہی :۔

"اگر میں مظلوم اور نیک تھا اور یہ گناہ محض ایک الزام ہے تو آپ نے میرے معاملہ میں زیادتی کی ہے۔ اور اگر مجھ سے واقعی بُرائی سرزد ہوئی ہے تو مجھے راہِ رشد پر لانے کا یہ طریقہ صحیح نہیں۔"

کشادہ فکر خلیفۂ راشد نے فرمایا :۔

"تم نے ٹھیک کہا، اللہ تمہارے معاملہ میں مجھے معاف کرے۔ لو مجھ سے اپنا قصاص لے لو۔" آدمی بولا :۔

"میں نے قصاص اللہ کو سونپا۔ اللہ آپ کو اور مجھے معاف کرے۔"

آگ اس کی پھونک دیتی ہے برنا و پیر کو
لاکھوں میں ایک بھی ہو اگر صاحبِ یقیں!

باب ۴۱

فاروق اعظم رض کے عمالِ حکومت اور عمری احتساب

عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ انھوں نے امیر المومنین کو ان کی شہادت سے صرف چند روز قبل مدینہ میں دیکھا تھا۔ اس وقت وہ اپنے دو افسروں حذیفہ بن الیمان اور عثمان بن حنیف سے پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ وہ پوچھ رہے تھے کہ تم دونوں کا کام کیسا رہا یعنی کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ جن علاقوں کا تمہیں حاکم بنایا گیا ہے تم ان پر عدل گسترانہ حکومت کرنے سے قاصر رہے۔ مگر ان دونوں نے جواب نفی میں دیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ انھیں حکومت میں کوئی دشواری نہیں پیش آئی۔ اس پر خلیفہ راشد نے فرمایا:۔

"اگر اللہ نے انہیں کچھ عرصہ تک اور زندہ سلامت رکھا تو وہ عراق میں رہنے والی بیوہ عورتوں کو اس بات سے بے نیاز کر دیں گے کہ وہ پھر کسی سے اپنا حالِ زار بیان کریں۔"

عجیب بات ہے کہ اس اعلان کے صرف چار روز بعد فاروق رض کو شہادت کا جام نوش کرنا پڑا۔ حضرت عمر رض جب کبھی کسی شخص کو کسی دور دراز علاقہ کا حاکم بنا کر بھیجتے تھے تو وہ اس سے علیٰ رؤوس الاشہاد یہ عہد لیتے تھے کہ:۔

"وہ گھوڑے پر سوار ہو کر نہیں چلے گا۔ نفیس غذائیں نہیں کھائے گا۔ نرم و نازک کپڑے نہیں پہنے گا اور یہ کہ مسلمانوں کے لئے اپنا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔"

اس کے بعد وہ عموماً اللھم اشھد کہا کرتے تھے۔یعنی خداوندا تو گواہ رہیو!

عمرو بن مرہ کہتے ہیں :۔

امیر المومنین عموماً اپنے صوبائی حکام کو یہ لکھا کرتے تھے۔"

"اے حکام سلطنت! رعیت کے تم پر حقوق ہیں اور تمہارے رعیت پر۔بردباری سے بڑھ کر کوئی شے نہیں اور اگر یہ بردباری مسلمانوں کے رہنماؤں اور ان کے حاکموں میں پائی جانے لگے۔ تو اس سے زیادہ محترم اور نفع بخش کوئی چیز نہیں ہوگی۔اسکے برخلاف ائمہ اور قائدین کی گمرہی اور بے خبری سے زیادہ نقصان دہ کوئی دوسری شے نہیں ہوسکتی۔اور جو شخص اپنے اہل وعیال کے لیے خیر اور سلامتی کا طالب ہوتا ہے۔اللہ اس پر عافیت اور کشادگی نازل فرماتا ہے۔"

محمد بن سعد سے روایت ہے کہ :۔

امیر المومنین نے ایک بار نعمان کو میسان کی گورنری سونپی۔نعمان ٹھہرے شاعر میسان پہنچ کر انھوں نے طبع آزمائی شروع کر دی اور عربی کے چند شعر کہے جن کا مفہوم یہ ہے :۔

"جانے کسی نے حسناء کو یہ اطلاع پہنچائی یا نہیں کہ میسان پہنچنے والے نے میسان پہنچتے ہی شیشے میں مے لنڈھائی ہے۔میں جس وقت بھی چاہوں، میرے لیے اہل قریہ ترنم ریز اور رقاصائیں عشوہ فروش ہوسکتی ہیں۔میں بادہ آشامی کروں گا تو بھر قدح خوار بنوں گا۔چھوٹے چھوٹے جام ہائے مے میرے کس کام کے؟"

امیر المومنین جو ہر چند کہ خود بہت بڑے ناقد سخن تھے اور ابن رشیق کی کتاب العمدۃ ان کے مذاق شعری پر رطب اللساں ہے) ان شعروں کو سن کر اخلاقی وجوہ کی بناء پر غضبناک ہوگئے اور نعمان کو کہلا بھیجا کہ انھیں سبکدوش کر دیا گیا۔جیسے یہ اطلاع نعمان تک پہنچا دی گئی۔امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد نعمان نے کہا :۔

"خدا شاہد ہے امیر المومنین میں نے ان مزعومہ باتوں میں سے کسی بات پر بھی عمل نہیں کیا۔ در اصل میں شاعر رہ چکا ہوں۔ ایک دن میری طبیعت موزوں تھی، بس یہ چند شعر ہو گئے۔"

عمر بن الخطاب نے فرمایا:۔

"اب تم تمام عمر میری حکومت میں کسی منصب پر فائز نہیں ہو سکو گے۔"

زبیر بن بکار نے بھی ایک بار خود اور ایک بار ضحاک بن عثمان الخزامی کے حوالے سے یہی روایت بیان کی ہے اور وہی اشعار سناتے ہیں (جن کا مفہوم سطور بالا میں پیش کیا گیا ہے) اس روایت میں اضافہ یہ ہے کہ امیر المومنین کے روبرو جب انکے اس غزل سرا حاکم کی پیشی ہوئی تو انھوں نے اس کی ایسی شدید گرفت کی کہ حاکم (نعمان) پر گریہ طاری ہو گیا۔ نعمان نے کہا:۔

"امیر المومنین! میں نے ہرگز ہرگز کبھی شراب نہیں پی۔ یہ تو بس ایک نوع کی سخن آرائی کی تھی۔" لیکن امیر المومنین کہاں ماننے والے تھے۔ انہوں نے کہا:۔

"میں جانتا ہوں، بات یہی ہے تاہم میں نے طے یہی کیا ہے کہ آئندہ تمہیں کوئی منصب نہیں سونپا جائے گا۔"

محمد بن اسحٰق نے بھی اتفاقاً یہی روایت بیان کی ہے اور ان کی روایت میں بھی یہی اشعار اور یہی واقعات مذکور ہیں۔

عمران ابن سوید نے ابن المسیب سے اور انہوں نے حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے۔ امیر المومنین نے فرمایا:۔

"اگر میرے کسی عامل (افسر) نے ظلم کیا اور میں اس ظلم کو نہ روک سکا تو گویا یہ ظلم خود میری طرف سے ہوا۔"

عیاض الاشعری کا بیان ہے کہ:۔

"حضرت عمرؓ کی خدمت میں شام سے مالِ غنیمت آیا۔ انہوں نے ابو موسیٰ سے کہا

کہ وہ اپنے کاتب (سکریٹری) کو بلائیں تاکہ وہ مسجد میں لوگوں کو غنیمت کے مال کی تفصیلات پڑھ کر سنائے۔"

ابوموسیٰ نے کہا کہ ان کا سیکریٹری نصرانی یعنی عیسائی ہے اور اسی بنا پر وہ مسجد میں نہیں داخل ہو سکے گا۔"

فاروق رضؓ غضبناک ہو گئے اور کہا:۔

"ابوموسیٰ تم نے ایک نصرانی کو کیوں اپنا کاتب بنایا؟"

لوین کا قول ہے کہ شریک نے ابو ہلال سے اور ابو ہلال نے اشق سے روایت کی ہے۔ وہ کہتا ہے:۔

"میں عمرؓ کا عیسائی غلام تھا۔ ایک بار مجھ سے ارشاد فرمایا:۔

"تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے تاکہ ہم تم کو امت کے چند کام سونپ دیں مگر بہرحال تمہارا مسلمان ہونا شرط اوّلیں ہے۔"

میں نے انکار کیا اس پر امیرالمومنین نے مجھے آزاد کر دیا اور مجھ سے کہا کہ میں جہاں چاہوں چلا جاؤں۔"

احنف بن قیس سے روایت ہے:۔

"میں ایک بار امیرالمومنین کی خدمت میں حاضر ہوا، انھوں نے مجھے ایک سال کے لیے اپنے پاس روک لیا۔ یہ مدّت گزر گئی تو فرمایا:۔

احنف میں نے تم کو آزما کے دیکھ لیا۔ تمہارا ظاہر یقیناً بے حد پسندیدہ ہے، لیکن اب مجھے یقین ہے کہ تمہارا باطن بھی اسی طرح پسندیدہ ہوگا۔ ہم لوگ کہتے رہتے تھے کہ اس امت کو وہ لوگ تباہ کریں گے جو واقف کار ہونے کے ساتھ ساتھ منافق بھی ہوا کرتے ہیں۔"

حسن نے احنف بن قیس کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ ایک موقع پر امیرالمومنین

نے انھیں ایک سال کیلئے اپنے پاس روک لیا۔ اس کے بعد امیر المومنین نے ان سے سوال کیا:
"تمہیں معلوم بھی ہے، میں نے تمہیں کیوں اپنے پاس روکے رکھا؟ دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ان لوگوں سے محتاط رہنے کا حکم دیا ہے جو زبان دانی کے ساتھ ساتھ اپنے اندر نفاق کی صفت رکھتے ہوں۔ اور میں نے (تمہیں خوب آزما کے) دیکھ لیا کہ تم ان میں سے نہیں ہو"۔

ابو عطیہ کہتے ہیں کہ :۔
"امیر المومنین نے ہمیں ہدایت لکھ بھیجی کہ جو لوگ تمہاری زبان نہ جانتے ہوں اور تم انھیں امان دینا چاہو، تو ان سے فارسی میں "مترس" کہہ دو جس کا مطلب ہے کہ "تم کو امان دی گئی اور اب ڈرنے کی کوئی بات نہیں"۔

عبدالرحمٰن ابن سابط کا بیان ہے کہ :۔
"عمری حکومت کے بعض افسروں کی شکایت آئی۔ آپ نے ان سب لوگوں کو بلا بھیجا اور پھر ایک تقریر دل پذیر ارشاد فرمائی اور فرمایا :۔
"عوام ہم سے مطالبہ کر سکتے ہیں کہ ہم ہر حالت میں ان کی فلاح و بہبود میں لگے رہیں اور اچھے کاموں میں ان کی مدد اور اعانت کریں۔ اس بات کا احساس ہمارے افسران اور حکّام کو بھی ہونا چاہیئے۔ ہمارے حکام کو جاننا چاہیئے کہ سردار اور قائد کی بردباری اور اس کے تحمل سے زیادہ کوئی شے اللہ کے نزدیک محبوب نہیں۔ اور اس جہل اور بے خبری سے زیادہ جو کسی سردار میں رخنہ انداز ہو کوئی چیز اللہ کی نگاہوں میں مبغوض اور قابل نفرت نہیں ہوتی"۔ اس کے بعد ارشاد ہوا :۔
"کوئی شخص جو اپنے سے کم درجہ کے لوگوں کو امان دیتا ہے، اسے اللہ کی جانب سے سکون اور عافیت کے سامان میسر ہوتے ہیں اور اللہ اسے دوسروں کے ظلم سے محفوظ رکھتا ہے۔

قیس سے روایت ہے کہ، حضرت عمرؓ نے جریر کو ایک فوج کے سردار کی حیثیت سے روانہ کیا۔ سردی بڑے غضب کی پڑ رہی تھی۔ فوج میں ایک شخص کا پاؤں ہی سردی سے ٹھٹھر کر الگ ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے اسے بلا بھیجا اور فرمایا:۔

"یہ جو کچھ ہوا، غالباً اس لیے کہ تم یہ چاہتے تھے لوگ تمہارے بارے میں یہ کہیں کہ تم سردی کے موسم میں جہاد کے لیے نکلے تھے!"

محارب بن وثار نے ذیل کا دلچسپ مکالمہ جو امیر المومنین اور ان کے دَور کے دِمشق کے علاقے کے جج کے مابین ہوا تھا، تاریخ اور سیرت نگاری کے حوالہ کیا ہے:۔

"تم کون ہو؟"

میں دِمشق کے علاقے کا قاضی ہوں۔ یعنی وہاں عہدہ قضا پر فائز ہوں"۔

تم مقدّمات کیسے فیصل کرتے ہو؟"

اِس سلسلے میں میرے لیے اللہ کی کتاب معیار ہوتی ہے۔

اگر تمہیں ایسے مقدمات سے سابقہ ہو جائے جن میں قرآن سے تمہاری رہنمائی واضح طور پر نہ ہوتی ہو تو تم کیا کرتے ہو؟"

اس صورت میں مَیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت سے رہنمائی حاصل کرتا ہوں"۔

اور اگر ایسے مسائل آئیں جہاں سنت خاموش ہو تو؟

پھر میں اجتہاد کرتا ہوں اور ہم جلسا، قضاء اور مشیروں سے مشورہ کرتا ہوں"۔

حضرت عمرؓ نے یہ باتیں بے حد پسند کیں اور اپنی اسلامی اور فلاحی مملکت کے جج کو نصیحت کی کہ وہ کرسی عدالت پر بیٹھتے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرے کہ اللہ اسے علم اور بردباری اور عدل و انصاف کی توفیق عطا فرمائے۔

محارب کہتے ہیں کہ :-

"اِس مکالمہ کے بعد جج مجلسِ عمرؓ سے رخصت ہوا مگر (اس کی شامت) تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ پھر پلٹ آیا اور کہا :-

"میں نے دیکھا کہ جیسے سُورج اور چاند میں جنگ ہو رہی ہے اور دونوں کے ساتھ ساتھ ستاروں کے لشکر ہیں۔"

امیرالمومنین نے اس شخص کو ٹوکا :-

"تم کس طرف تھے ؟"

جج نے جواب دیا ، "میں چاند کے ساتھ تھا۔"

امیرالمومنین نے فرمایا :-

اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے ، ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا۔ اس کے بعد ہم نے رات کی نشانی مٹا دی اور دن کی نشانی کو ظاہر کر دیا۔ اب تم میری حکومت میں کسی منصب پر کبھی نہیں رہ سکتے۔"

حسن نے ایک دلچسپ قولِ فاروقی نقل کیا ہے ، وہ یہ ہے۔

"اہلِ کوفہ نے مجھے بالکل ہی تھکا مارا ، میں کسی نرم اور رحم دِل آدمی کو ان پر حاکم بنا کر بھیجتا ہوں تو وہ اس سے گستاخیاں کرتے ہیں اور اگر کسی سخت گیر قسم کے حاکم کو ان پر مُسلّط کر دیتا ہوں تو وہ اس کی شکایتیں کرنے لگتے ہیں۔ ایک شخص موجود تھا ، وہ بول اُٹھا :-

" امیرالمومنین ! میں ایک طاقتور ، امانت دار اور اطاعت گزار شخص کا نام لے سکتا ہوں جو حاکم کی حیثیت سے آپ کو مطمئن کر دے گا۔ یہ شخص بے حد قابلِ تعریف ہے۔"

امیرالمومنین بول اُٹھے ، "آخر یہ کس شخص کا ذکر ہو رہا ہے ؟"

کہنے والے نے کہا: "عبد اللہ ابن عمر کا!"
حضرت بولے: "استغفر اللہ! میں یہ تقرر ہرگز نہیں کروں گا۔ مجھے تو اللہ کی رضا مطلوب ہے۔"

حسن نے ایک اور قولِ عمری پیش کیا ہے:-
"اگر ملت کے مفاد میں مجھے ایک گورنر کی جگہ یعنی اس کو ہٹا کر دوسرا گورنر کسی امارت میں بھیجنا پڑے تو یہ میرے لیے بالکل معمولی بات ہوگی۔"

عبد الملک نے روایت بیان کی ہے کہ:-
عمر رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص کو ذیل کی ہدایت لکھ بھیجی:-
"فوجی امور میں طلحۃ الاسدی اور معدی کرب سے مشورہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ دونوں ماہر اور آزمودہ لوگ ہیں۔ البتہ انہیں کسی درجے میں بھی حکومت نہیں سونپی جانی چاہیئے۔"

عاصم بن بہدلہ نے ایک عجیب واقعہ بیان کیا ہے:-
امیر المومنین اپنی مجلسِ خاص میں جلوہ فرما تھے۔ ایک (بدنفس) شخص کا ادھر سے گذر ہوا۔ یہ شخص کہتا کیا ہے؟
عمر تمہارے لیے جہنم......"
حاضرین میں ایک نے عرض کیا: امیر المومنین حکم دیجئے کہ میں اس شخص کی گردن اڑا دوں۔"
مگر نہیں۔ آپ نے اس دل جلے آدمی کو بلا بھیجا اور اس سے پوچھا:-
"تم یہ سب کیوں کہہ رہے ہو؟"
آدمی بولا: "تم لوگوں کو منصب سونپتے ہو اور ان پر چند شرائط عائد کرتے ہو لیکن تم پھر یہ نہیں دیکھتے کہ عامل نے ان شرائط پر عمل کیا یا نہیں۔"

دراصل فاروقِ اعظم رضؓ اپنے عاملوں اور حاکموں کو مختلف علاقوں میں بھیجنے سے پہلے ان سے یہ عہد لیا کرتے تھے کہ، وہ کسی سواری پر نہیں نکلیں گے، نرم ونازک لباس سے پرہیز کریں گے۔ لطیف غذاؤں کو ہاتھ نہ لگائیں گے اور اپنے دروازے تمام لوگوں کے لیے کھلے رکھیں گے۔"

خلاصہ یہ کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دو آدمی فوراً روانہ کئے کہ جس عامل کی شکایت آئی ہے اس کے حالات کا جائزہ لیں اور اگر یہ شکایت درست ہو اور اس میں دروغ بیانی سے کام نہ لیا گیا ہو تو عامل کو مدینہ پکڑ لائیں۔ رسولانِ عمرؓ یعنی ان کے قاصد عامل کے مکان پر پہنچے اور اسے مکان کے اندر سے باہر بلا بھیجا۔ انہیں جواب دیا گیا کہ عامل صاحب گھر سے باہر تشریف نہیں لائیں گے۔

فاروق رضؓ کے کارندے غضبناک ہو گئے۔ انہوں نے کہا اگر عامل اپنے گھر سے باہر نہ نکلے گا تو ہم اس کے گھر میں آگ لگا دیں گے۔ معاملہ بہت ہی سنگین ہو رہا تھا۔ ان دونوں قاصدانِ عمرؓ میں سے ایک نے آگ لگانے کے خیال سے اپنے ہاتھ میں ایک مشعل بھی روشن کر لی۔ عامل کا آدمی بھاگا بھاگا اندر گیا۔ اب عامل طوعاً و کرہاً باہر نکل آیا۔ یہ دونوں بولے:۔

ہم امیرالمومنین کے آدمی ہیں۔ تم ہمارے ساتھ ان کے پاس چلو۔"

عامل نے کہا، "ہم اپنے ساتھ کچھ زادِ راہ لے لیں تو اچھا ہو گا۔"

مگر فاروقی کارپردازوں نے اسے اس بات کی اجازت نہ دی اور اسے اپنے ساتھ بٹھا کر چل پڑے۔ لیجئے قاصدانِ عمرؓ عامل کو ساتھ لے کر دربارِ خلافت میں پہنچ گئے۔ عامل نے آتے ہی امیرالمومنین کو سلام کیا۔ امیرالمومنین نے سلام کے جواب میں پوچھا:۔

"کم بخت تو کون ہے؟"

عامل نے کہا، "میں آپ کی حکومت کی طرف سے مصر کا عامل مقرر ہوا ہوں۔"

یہ شخص بدوی تھا، مصر آیا تو اس کا رنگ و روپ نکھر آیا۔ امیرالمومنین نے فرمایا:
"میں نے تجھے چند شرائط کے ماتحت مسلمانوں کا عامل بنایا تھا، مگر تو نے یہ تمام شرطیں پس پشت ڈال دیں اور میرے احکامات کی خلاف ورزی کی۔ اے شخص میں تجھے بڑی ہی سخت سزا دینے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ایک دبیز کھردرا لباس منگوایا اور ایک عصا اور صدقہ کی تین سو بکریوں کا ریوڑ طلب کیا اور فرمایا:۔
"لے یہ لباس پہن لے، میں نے تیرے والد کو دیکھا ہے۔ اس کا پہناوا تیرے اس پہناوے سے بہتر نہ تھا اور تیری یہ لاٹھی بہر حال تیرے باپ کی لاٹھی سے اچھی ہے۔ بہر صورت اب تو ان بکریوں کو فلاں فلاں مقام پر لے جا (اتفاق سے وہ دن بے حد گرم دن تھا) اور اس کا لحاظ رکھ کہ راستہ میں بکریوں کا دودھ ضائع نہ ہونے پائے اور یاد رکھ کہ صدقہ کی ان بکریوں کے گوشت یا دودھ سے عمر کی آل اولاد نے ذرا بھی فائدہ نہیں اُٹھایا۔"

عامل کے حواس باختہ ہو گئے (کہاں مصر کے جاہ و حشم اور کہاں یہ خوفناک حالات)

امیرالمومنین نے اس شخص سے تین بار سوال کیا:۔
"میں نے تجھ سے جو کچھ کہا تُو نے سمجھا یا نہیں؟"

جب تیسری بار امیرالمومنین نے عامل کو مخاطب کیا تو وہ مارے خوف و دہشت کے زمین پر گر گیا اور کہا:۔
"آپ چاہیں تو میری گردن اُڑا دیں لیکن مجھ سے یہ سب نہ ہو گا۔"

اب امیرالمومنین نے کہا، "اچھا اگر ہم تجھے تیری جگہ پر واپس بھجوا دیں تو تیرا طرز عمل کیا ہو گا؟"

عامل بولا: "پھر آپ کوئی ایسی بات نہ دیکھیں گے جو آپ کو ناپسند ہو۔"

ابو عثمان کہتے ہیں کہ :-

"انہوں نے منصفق سے حضرت عمر رضؓ کے بارے میں سنا کہ انہوں نے ایک موقع پر ایک شخص کے نام کسی عہدہ کی تقرری کا فرمان لکھ دیا۔ اتنے میں حضرت عمر رضؓ کے خاندان کا کوئی بچہ ان کے پاس آیا جسے انہوں نے اپنی گود میں بٹھا لیا۔ آدمی جس کے نام فرمان لکھا گیا تھا، بول اُٹھا :-

"میں نے آج تک کسی بچے کو دیں نہیں بٹھایا"۔ اس پر امیر المومنین نے کیا خوب بات کہی :-

"اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل سے رحم و محبت کے جذبات چھین لیے ہیں تو اس میں میرا کیا قصور؟ یا د رکھو اللہ تعالیٰ اپنے انھیں بندوں پر رحم کرتا ہے جو رحیم و کریم ہوتے ہیں"۔

یہ کہا اور فرمان اس شخص کے ہاتھوں سے واپس لے لیا۔

بالکل اسی نوعیت کی ایک روایت ابو عثمان نے بھی بیان کی ہے۔ اس روایت کردہ واقعہ کا ماحصل بھی یہی ہے کہ امیر المومنین نے بنی اسد کے ایک شخص کو صرف اس جرم میں ایک منصب سے محروم کر دیا تھا کہ اس نے بچوں سے شفقت کے اظہار پر استعجاب کیا تھا۔

امام شعبی سے روایت ہے کہ :-

"حضرت عمر رضؓ نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ اگر کسی نے انہیں ابو بکر رضؓ پر ترجیح دی تو وہ اسے چالیس کوڑوں کی سزا دیں گے"۔

انہیں امام شعبی نے ہمیں بتایا ہے کہ فاروق رضؓ جب کبھی کسی کو کوئی منصب عنایت کرتے تھے تو اس سے پہلے پہلے اس کی دارائی اور املاک کی تفصیلات لکھوا لیا کرتے تھے۔

عمر بن شبہ نے زید بن وہب سے اپنے اسناد کے ساتھ روایت کی ہے :-

"فاروق کا عہدِ جلال و شوکت تھا۔ اسلامی فوج کی ایک ٹکڑی ایک پہاڑی کی طرف

پیش قدمی کر رہی تھی۔ اس فوجی دستہ کو ایک دریا پار کرنا پڑا جس پر کوئی پُل نہ تھا۔ امیر لشکر نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ پانی کی گہرائی دیکھنے کے لیے دریا میں اُترے۔ اس دِن بڑے غضب کی سردی پڑ رہی تھی۔ جس شخص کو حکم ملا تھا اس نے کہا:۔

یں اس پانی میں اُترا تو مر جاؤں گا۔" مگر اسے مجبور کر دیا گیا۔ وہاں سے وہ آدمی چلایا "یا عمراہ یا عمراہ" اور یہ کہتے کہتے وہ اُس دنیا میں پہنچ گیا جہاں سے کوئی واپس نہیں لوٹتا۔ یہ خبر پُر درد امیر المومنین کو مدینہ کے بازاروں میں ملی۔ انہیں یہ سُن کر شدید رنج و ملال ہوا۔ آپ نے امیر الجیش کو طلب کیا۔ اس کے آتے ہی اُسے اس کے عہدے سے برطرف کر دیا اور فرمایا:۔

"اگر مجھے یہ خوف لاحق نہ ہوتا کہ یہ رسم پکڑ جائے گی تو میں تجھے سزائے موت دیتا۔ بہر حال اب میری حکومت میں تجھے کوئی منصب نہ ملے گا۔"

باب ۴۲

عظیم صحابی اور رفیق پیغمبرؐ کا جوشِ عمل

اور

اتّباعِ سُنّت

مسور بن مخرمہ کہتے ہیں عمر بن الخطاب نے یہ ارشاد فرمایا:۔

”میں نے ہشام بن حرام کو سورۂ فرقان پڑھتے سنا تو مجھے تعجب سا ہوا۔ اسلئے کہ انھوں نے اس سورۃ کی بعض آیات اس انداز سے پڑھیں جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آشنا نہیں فرمایا تھا۔ میرے جی میں آیا کہ میں ہشام کو لقمہ دوں، مگر میں نماز میں ان کے پیچھے تھا۔ جوں ہی وہ فارغ ہوئے، میں نے پوچھا:۔

”تمہیں یوں پڑھنا کس نے سکھایا؟“

ابن حکیم نے کہا: ”رسول اللہ نے“۔

میں نے کہا ”تم غلط کہتے ہو، رسول اللہ نے ہرگز تمہیں یہ قرأت نہیں سکھائی۔ میں نے ابن حکیم کا ہاتھ تھام لیا اور انھیں اپنے ساتھ لئے رسول اللہ کے پاس لے آیا۔ رسول اللہ سے میں نے عرض کیا:۔

”رسول اللہ! آپ نے مجھے جس طور پر سورۂ فرقان کی تعلیم دی ہے، یہ (مراد ہشام ابن حکیم بن حرام) اس انداز میں اسے نہیں پڑھتے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ہم دونوں سے یہ سورۃ باری باری سُنی اور دونوں کی قرأتوں (یعنی میری اور ہشام کی قرأتوں) کو صحیح قرار دیا۔ پھر ارشاد ہوا:۔

"قرآن سات مختلف قرأتوں پر نازل ہوا ہے۔"

عابس بن ربیعہ کا بیان ہے:۔

میں نے دیکھا کہ عمرؓ نے حجرِ اسود پر نگاہ ڈالی اور فرمایا:۔

"مجھے معلوم ہے کہ تو محض ایک پتھر ہے۔ تو کسی کو نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ فیضان۔ اور اگر میں نے خود رسول اللہ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا میں ہر گز تجھے نہ چومتا۔"

ابوسعید الخدری کا بیان ہے:۔

"میں اُس حج میں امیر المومنین کے ساتھ تھا جو انھوں نے منصبِ خلافت پر فائز ہونیکے پہلے سال ادا کیا تھا۔ (مجھے یاد ہے) امیر المومنین حرم میں داخل ہوئے تو وہ حجر اسود کے قریب گئے اور اسے بوسہ دیا اور کہا:۔

"اے پتھر تو یہ جان لے کہ تو بس ایک پتھر ہے۔ تجھ سے نہ کسی کو نفع پہنچ سکتا ہے اور نہ نقصان اور اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھ لیا ہوتا تو میں بھی ہر گز ہر گز ایسا نہ کرتا۔"

اس پر علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

"امیر المومنین! یہ نہ کہئے۔ حجر اسود میں نفع اور نقصان پہنچانے کی صلاحیت موجود ہے۔ یہ میں جو کہہ رہا ہوں یہ قرآن سے ثابت ہے۔ آپ جانتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ۚ شَهِدْنَا۔"

(یہ آیت اس عہد و پیمان کی طرف اشارہ کرتی ہے جب پروردگار عالم نے ازل

کے دن تمام اَرواح سے اپنی ربوبیت پر اقرار لیا اور سب نے باتفاق یہ اقرار کیا تھا اور اللہ کی خالقیت اور ربوبیت تسلیم کی تھی۔ش۔ح۔ع)۔

چنانچہ جب تمام ارواح نے اقرار بندگی کر لیا تو اللہ تعالےٰ نے اس پیمان کو صحیفہ میں درج کیا اور اسے اس پتھر کے بطن میں محفوظ کر دیا۔ اب قیامت کے روز اس پتھر کو آنکھیں، زبان اور لب عطا ہوں گے اور یہ ان لوگوں کی طرف سے گویا عملاً گواہی دے گا۔ جنہوں نے اس پیمان کو پورا کر دکھایا ہوگا۔ یہ پتھر اس مقام پر اللہ کا امانت دار ہے۔"

امیرالمومنین نے یہ سُنا تو بے حد متاثر ہوئے اور فرمایا:۔

"ابوالحسن میری خواہش تو یہ ہے کہ میں اور تم ہر حالت میں ساتھ رہیں۔"

میرے نزدیک حضرت عمرؓ نے حجرِ اسود کے بارے میں یہ سب کچھ اس لیے کہا تھا کہ اسے بوسہ دینے اور اسے بصد احترام چھونے کی رسم عہد جاہلیت میں بھی تھی اور حضرتِ والا کی خواہش یہ تھی کہ دنیا کو اس امر کا احساس ہو جائے کہ مسلمانوں کا حجر اسود کو چومنا اور چھونا ایک جاہلانہ روایت کا اعادہ نہ تھا بلکہ محض اور محض رسول اللہ کے طرزِ کار کی پیروی تھی۔

اب نافع کا بیان سنئے:

"عام طور پر لوگ اس درخت کی زیارت کیلئے (جس کے سائے تلے سردارِ دوجہاں نے اپنے چہیتے داماد اور رفیق فی الجنۃ عثمان ذوالنورین رضؓ کے مکہ میں مبینہ قتل کی خبر پر غضب ناک ہو کر صحابہ کرام سے بیعتِ رضوان لی تھی) آیا کرتے تھے اور وہاں نماز پڑھا کرتے تھے، امیرالمومنین کو اس کی اطلاع ملی تو انھوں نے اس درخت کے کٹوانے کا حکم صادر فرمادیا۔

معمرؔ نے عبداللہ بن عبدالرحمٰن الانصاری سے اور انھوں نے ابن المسیّب سے سنا تھا:۔

اصابہ کے مقام پر ابن خطاب نے کوئی فیصلہ کیا۔ بعد میں انہیں آنحضرتؐ کے ایک فرمان کے بارے میں جو آپ کے حکم سے لکھا گیا تھا، بتایا گیا تو آپ نے اپنے پہلے فیصلے کو بدل دیا۔

اور فرمانِ نبوی ؐ کی روشنی میں نیا حکم صادر کر دیا۔

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید! (سعدیؒ)

معرور بن سوید کا بیان ہے:۔

"ایک سفرِ حج میں ہم امیر المومنین کی رکاب میں تھے۔ امیر المومنین نے کعبہ میں فجر کی نماز پڑھائی اور پہلی رکعت میں سورۂ فیل اور دوسری میں سورہ ایلاف کی تلاوت فرمائی۔ وہاں سے نکل کر انہیں ایک مسجد نظر آئی جس کی طرف لوگ شتابی سے رواں دواں نظر آئے۔ حضرت عمرؓ نے سوال کیا:۔

"یہ کیا قصّہ ہے؟"

لوگوں نے جواب دیا: "اس مسجد میں رسول اللہ نے نماز ادا کی تھی۔"

اس پر ارشاد ہوا:۔

"تم سے پہلے اہلِ کتاب بھی انہی چیزوں سے ہلاک ہوئے۔ ان لوگوں نے انبیاء علیہم السّلام کے آثار اور ان کی نشانیوں ہی کو اپنے لیے ذریعہ نجات تصّور کر لیا تھا۔ اگر اس مسجد میں نماز کا وقت آجائے تو بے شک نماز پڑھ لی جائے لیکن نماز کا وقت نہ ہو تو اس میں (مراد وہ مسجد جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی تھی) ٹھہرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

عبد الملک بن ہارون بن عنترہ نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے والد سے نقل قول کیا ہے:۔

"حضرت عمرؓ نے برسرِ منبر اعلان کیا کہ اصحاب الرائے (وہ لوگ جو واضح دینی امور و مسائل میں اپنی ذاتی رائے کو دخل دیتے ہیں) اسلام کے دشمن ہیں۔ حدیثوں کا محفوظ رکھنا انہیں گراں گزرتا ہے تو وہ چہ میگوئیاں اور فکری دراندازیاں کرنے

لگتے ہیں، اور یوں خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔
یاد رکھو! ہمارا کام سُنّت کی اتباع اور پیروی اور تقلید ہے، جدّت طرازی اور خیال آرائی نہیں اور پیمبرؐ کے نقش قدم پر ہم جب تک چلتے رہے گے گمراہ نہیں ہوں گے۔"

عمر بن میمون نے اپنے والد سے سنا تھا کہ عمر بن الخطّابؓ کے پاس آیک شخص آیا اور کہا کہ:-

"مدائن کی فتح کے موقع پر مجھے ایک بڑی دل پذیر اور اچھی کتاب ہاتھ لگی۔ اسکی چند باتوں نے مجھے بے حد متاثر کیا۔"

امیر المومنین نے پوچھا:- "آیا یہ باتیں اللہ کی کتاب سے ماخوذ تھیں۔"

اور جب اُنھیں جواب نفی میں ملا تو وہ غضب ناک ہو گئے اور ایک دُرّہ سے اس شخص کو پیٹنے لگے۔ اس کے ساتھ انہوں نے آلرا تلك آیاتُ الکتٰبِ المُبِیْنُ ۝ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ۝ ..... الیٰ ... وَاِنْ کُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ ۝ کی تلاوت کی اور فرمایا:-

"اگلی اُمّتیں صرف اسی لیے تباہ ہوئیں کہ انہوں نے توراۃ وانجیل کو ترک کرکے اپنے علماء کی کتابوں کو بنیادی اہمیت کا حامل سمجھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ توراۃ اور انجیل دفتر ہائے پارینہ ہوگئیں اور علمائے یہود و نصاریٰ کی کتابیں علم قرار پائیں اور یوں اصل علم کا حجاب بن گئیں۔"

ابراہیم سے روایت ہے کہ عمر کے علم میں یہ بات آئی کہ کسی نے اپنے لیے کتاب دانیال نقل کر لی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسے طلب کیا اور اس کی ہتھیلیوں پر اپنے دونوں ہاتھوں سے مارنا شروع کیا۔ امیر المومنین اس شخص کو مارتے جاتے اور سورۂ یوسف کی ابتدائی آیات پڑھتے جاتے تھے۔ اس کے بعد اس شخص سے مخاطب ہو کر کہا:-

"کیا کتاب اللہ سے بھی زیادہ دلکش اور خوبصورت باتیں کہیں لکھی ہوئی ہیں"۔

مبتلائے کتاب دانیال بولا :۔

"امیر المومنین میں معافی چاہتا ہوں۔ بخدا میں نے جو کچھ نقل کیا ہے اُسے مٹا دوں گا"۔

زید بن اسلم نے اپنے والد کو کہتے سنا تھا کہ :۔

عمر بن الخطابؓ نے ایک بار فرمایا :

"جب اسلام ظاہر ہو چکا تو تلاش حق کیا معنی؛ اسلام ہی حق ہے مگر رسول اللہ کے عہد میں ہم جو جو کرتے تھے اسے نہ ترک کریں گے"۔

سائب بن یزید سے روایت ہے۔ ایک شخص نے امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا :۔

"امیر المومنین ہماری ملاقات ایک ایسے شخص سے ہوئی جو قرآن کی تاویل چاہتا ہے۔ (مثلاً یہ کہ جنت کا واقعی کوئی وجود ہے یا یہ کہ اس سے تمثیلاً کچھ اور مُراد ہے۔ ش۔ ح۔ ع)

آپ نے فرمایا: "کاش یہ شخص میرے ہاتھ لگ جاتا"۔

ایک صبح جب امیر المومنین بیٹھے لوگوں کو کھانا کھلوا رہے تھے۔ یہ شخص سر پر عمامہ باندھے اور پورا لباس پہنے وارد ہوا۔ امیر المومنین فارغ ہوتے تو نو وارد نے ان سے کہا :۔

"والذاریات ذرواً فالحاملات وقراً"۔

حضرت عمر نے کہا :۔

"تم ہی ہو وہ ؟ (یعنی تمہارے ہی بارے میں مجھے یہ اطلاع ملی تھی کہ تم آیتوں کی تاویل کرتے رہتے ہو") بس پھر کیا تھا امیر المومنین اٹھ کھڑے ہوئے اور اس شخص کو اس کی پیٹھ ننگی کر کے بے تحاشا دُرّے لگانے شروع کر دیے۔

امیر المومنین نے اس شخص کو اس قدر مارا کہ اس کا عمامہ بھی اس کے سر سے گر گیا

اس کے بعد حکم ہوا کہ اس آدمی کو اس کے کپڑے پہنا دیے جائیں اور اس کو ایک بے کجاوہ اونٹ پر سوار کر کے اس کے وطن چھوڑ آیا جائے اور وہاں یہ اعلان کر دیا جائے کہ صبیغ نے (تاویل کرنیوالے کا نام جس کا قصّہ بیان کیا جا رہا ہے) جو اپنی قوم کا سردار تھا، علم کی تلاش تو کی مگر وہ غلط راہ پر چل پڑا اور اس کے علم نے اسے گمراہ کر دیا۔"

اس کے بعد صبیغ پھر اپنی قوم میں معزز نہ ہو سکا۔ صبیغ ہی سے روایت ہے:۔

"میں نے عمرؓ سے مرسلات، ذاریات اور نازعات کے بارے میں سوال کیا، فوراً بولے، "اپنا سر کھولو ذرا" اتفاق سے میرے سر پر گیسو تھے۔ ارشاد ہوا، "تیرا سر گھٹا ہوا ہوتا تو میں تیرا سر ہی اڑا دیتا"۔ اس کے بعد اہل بصرہ کو تاکید کر دی گئی کہ وہ میری صحبت میں نہ بیٹھیں (یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ امیر المومنین یہ نہیں پسند کرتے تھے کہ یقین اور ایمان کی محکم بنیادیں جن پر اسلام کی عمارت تعمیر ہوئی تھی، کمزور پڑ جائیں اور کلمہ گو تاویلات میں اُلجھ کر اپنا سب کچھ کھو دیں۔ خود اس دور میں بھی قرآن کے نئے نئے مفہوم دینے کی مفسدانہ اور دجّالانہ کوششیں جاری ہیں۔ لیکن بحمد اللہ اُمّتِ مرحومہ ان فتنوں کے طلسم میں گرفتار نہ ہو سکی۔ ش۔ ح۔ ع)

ابو عثمان کا بیان ہے کہ:۔

"اگر ہم سو آدمی بھی کہیں بیٹھے ہوتے تو صبیغ کے آتے ہی ہم اُٹھ جاتے کہ اس کی فتنہ انگیزیوں اور ذہنی تشویش سے محفوظ رہیں"۔

ہارون نے عوام سے عوام نے ابراہیم التیمی کے حوالے سے صبیغ کا قصّہ بالکل انہی الفاظ میں بیان کیا۔ البتہ اس میں اضافہ یہ ہے کہ بعد میں فاروقِ اعظمؓ نے صبیغ کا سوشل بائیکاٹ ختم کرا دیا تھا اور لوگوں کو اجازت مل گئی تھی کہ اس سے ملیں جلیں۔

چند مزید راویوں سے بھی یہ روایت منقول ہے۔ سعید بن المسیّب کا بیان البتہ قدرے مختلف ہے۔ ان کے بیان کی رو سے صبیغ التیمی نے امیر المومنین سے سوال

کیا کہ:۔

"والذاریاتِ ذرواً" (یعنی ان بکھیرنے والیوں کی قسم جو اُڑ کر بکھیر دیتی ہیں) سے کیا مُراد ہے؟"

آپ نے فرمایا:۔ ان سے مُراد ہوا ہے، اور اگر میں نے رسول اللہ کو یہ کہتے نہ سنا ہوتا تو میں یہ نہ کہتا"۔

مطلب یہ کہ یہ تشریح اس تشریح کے عین مطابق ہے جو آنحضرت صلعم نے اس آیت کی فرمائی تھی۔ پھر الحاملاتِ وقراً (پانی کا بوجھ اُٹھانے والیوں) کے بارے میں سوال کیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، "بادل"۔

اور جب پوچھا گیا "المقسماتِ امراً (چیزیں تقسیم کرنے والیاں) کیا ہیں؟" تو جواب ملا "فرشتے"۔ اور پہلی بار کی طرح دُوسری اور تیسری بار جواب دیتے وقت بھی حضرت عمرؓ نے وہی بات دُہرائی کہ یہ تشریحات عین ارشادِ نبوی کے مطابق ہیں۔

اس کے بعد فاروق دفعتہً غضب ناک ہو گئے اور صبیغ کو سو کوڑے لگوائے اور ایک مکان میں قید کروا دیا اور جب اس کی حالت بہتر ہو گئی تو اسے پھر وہی سزا دی اور اُسے اونٹ کی ننگی پشت پر سوار کرا کے بصرہ بھجوا دیا اور ابو موسیٰ الاشعری کو ہدایت لکھ بھیجی کہ صبیغ سے لوگ ملنے نہ پائیں۔

کچھ عرصہ بعد صبیغ نے ابو موسیٰ کے سامنے اپنا بیان حلفی پیش کیا کہ اب ان کے دل میں تشکک کے وسوسوں کا دخل و عمل ذرا بھی نہیں۔ ابو موسیٰ نے یہ بات امیر المومنین کو لکھ بھیجی۔ آپ نے لوگوں کو صبیغ سے ملنے کی اجازت دے دی۔

امام زہری کا بیان ہے کہ:۔

"ابنِ خطابؓ نے صبیغ تیمی کو حروفِ قرآن کے بارے میں شک آمیز استفسار پر اس قدر سختی سے سزا دی کہ ان کی پشت خونچکاں ہو گئی۔

نافع کی ایک اور روایت ہے :۔

عمر بن الخطابؓ نے طلحہ بن عبید اللہ کو دو ایسے مختلف پہناوے ایک ساتھ پہنے دیکھا جو عطر میں بسے ہوئے تھے، آپ نے پوچھا :۔

"یہ کیا قصہ ہے؟"

طلحہ نے جواب دیا، "طبّی نقطۂ نگاہ سے یہ مفید ہے۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا :۔

"اصحابِ محمدؐ ہونے کی حیثیت سے اُمت کی نگاہیں اس گروہ پر پڑتی ہیں اور لوگ اس گروہ سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں لہذا ہر عمل میں احتیاط ہونی چاہیئے اور جدّت اور بدعت سے دور رہنا چاہیئے۔

باب ۳۴

قرآن کی تدوین کتابی شکل میں

حسنؒ کا بیان ہے کہ:۔

"ایک بار عمر بن الخطابؓ نے قرآن کی ایک آیت کے بارے میں دریافت کیا تو انہیں بتایا گیا کہ اس آیت کا علم جس شخص کو تھا وہ یمامہ کی جنگ میں شہید کر دیا گیا! اس پر حضرت عمرؓ نے "انا للہ" کہا اور حکم دیا کہ قرآن کو ایک مصحف یعنی مجلّد کتاب کے اندر جمع کر دیا جائے۔ حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے یہ کام انجام دیا۔ قرآن کی تدوین کے سلسلہ میں بقول یحییٰ بن عبدالرحمٰن ابن حاطب، حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے یہ کیا کہ مجمعِ عام میں اعلان کیا کہ جس شخص کو بھی آنحضرت صلعم سے کوئی آیت ملی ہو وہ ہمارے پاس اسے لے کے آتے اور نبی اکرمؐ سے حاصل کردہ متن قرآن کو ہمارے حوالے کر دے۔"

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ صحابہ کرامؓ آیات کو کھالوں، پتھروں، پیڑ یا چھالوں پر لکھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ سب سرمایہ یکجا ہو گیا، لیکن جب تک کسی آیت کے سچے ہونے کے بارے میں دو گواہ نہیں مل جایا کرتے تھے حضرت فاروق اعظمؓ اسے نہیں قبول فرماتے تھے۔

عبداللہ بن فضالہ نے ہمیں بتایا ہے کہ اس تاریخی موقع پر حضرت عمرؓ نے اپنے مقرر کردہ کاتب کی مدد کے لیے صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت بھی بٹھلا دی تھی تا کہ اگر

کسی لفظ کے بارے میں اختلافِ رائے ہو جائے تو آنحضرت ؐ کے مُضَر سے تعلق کے پیشِ نظر، مُضَر کی زبان اور تلفظ کو ترجیح دی جائے اور صحابہ کرام رضؓ اس معاملہ میں کاتب کی علمی مدد فرمائیں۔ اس بات کی بھی احتیاط برتی گئی کہ کتابت کرنے والے زیادہ تر قریش یا ثقیف کے نوجوان ہوں۔

اور یہ میں (ابن جوزی) کہہ رہا ہوں کہ:۔

حضرت عمر رضؓ نے سُنن اور احادیث کی تدوین کا بھی ارادہ کیا تھا، لیکن بعد میں یہ ارادہ بدل دیا تھا۔ عروہ کا بیان ہے کہ:۔

سنن کی تدوین اور نبی اعظم علیہ السلام کی مقدس زندگی کی تفصیلات مُرتب کرنے کیلئے حضرت عمر رضؓ نے ایک مناسب مہینہ کا انتخاب کرنا چاہا۔ پھر ایک دن اس خیال سے باز رہنے کا ارادہ ظاہر کیا اور فرمایا:۔

"مجھے ایک ایسا گروہ یاد آیا جس نے اپنی ترتیب دی ہوئی کتاب کی خاطر کتاب اللہ کو ترک کر دیا تھا!

باب ۴۴

فاروقؓ کا طرزِ نگارش
اور
اُن کی دِل پذیر انشاء

ابو عثمان کہتے ہیں کہ ہم لوگ آذر بیجان میں تھے کہ فاروقِ اعظم رضؓ کا یہ نامۂ گرامی ہم تک پہنچا:۔

"عتبہ بن فرقد تمھیں عیش و عشرت سے گریز لازم ہے اور مشرکوں کے لباس اور ریشم سے پرہیز بھی اسلیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس تعیش سے باز رہنے کا حکم دیا ہے۔

ابو عثمان الھدی نے بھی ذیل کا عمری ارشاد نقل کیا ہے:۔

"تم لوگ لباس کا پورا پورا حق ادا کر سکتے ہو۔ مگر شرط یہ ہے کہ تمہاری بدوی درشتی اور مردانگی برقرار رہے۔ اور تمھیں اپنے آلِ عدنان ہونے کا احساس رہے۔ مسلمانوں کو عجمی قوموں کے تنعم سے بھی دُور رہنا چاہیئے اور ان کی پیرایہ پوشی سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ ریشم اور حریر پہننے سے انھیں خاص طور پر گریز کرنا چاہیئے۔ اس لیے کہ سردار دو جہاںؐ نے اِس سے منع فرمایا ہے:۔

ایک اور موقع پر خلیفۃ الرسول کے لائق و فائق جانشین نے ابو عبیدہ بن الجرّاحؓ کو یہ تحریر فرمایا:۔

"نوجوانوں کو تیراکی اور نیزہ بازی کی تعلیم دینی چاہیئے۔"

سماک کا بیان ہے :۔

"انھوں نے عیاض الاشعری کو یہ کہتے سنا تھا":

"میں یرموک کے معرکے میں شریک تھا۔ ہمیں امیرالمومنین کی ہدایت تھی کہ معرکہ کارزار میں ہم ابو عبیدہ کی قیادت میں لڑیں۔ سماک کہتے ہیں:۔

"ہم نے امیرالمومنین کو لکھ بھیجا، موت ہماری طرف متوجہ ہو چکی ہے اور ہم اپنے معاملات میں ابو عبیدہ رضی سے مدد کے طالب ہوتے رہتے ہیں۔ اس پر بارگاہِ خلافت سے یہ لکھ کر آیا:۔

"تم لوگوں نے اپنے مکتوب میں ہم سے مدد مانگی ہے۔ میں تمہیں ایک ایسے کریم کارساز کی جانب متوجہ کرتا ہوں جس کی نصرت زیادہ موثر اور جس کا لشکر ہمہ وقت حاضر ہے۔ تم اسی سے مدد کے طالب ہو۔ بدر کے معرکۂ حق و باطل میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اسی نے کی تھی۔ یاد رکھو بدر میں اللہ کے غازیوں کی تعداد آج کے مقابلے میں بہت کم تھی۔ میرا یہ نامہ پہنچے تو پورے عزم کے ساتھ قتال کرو اور مجھے مت لکھو"۔

سماک کہتے ہیں "اس کے بعد ہم نے قتال کیا اور کفار کو شکست فاش دی اور اور انہیں چار فرسنخ تک ڈھکیل کے مارا اور بہت کچھ مال و اسباب حاصل کیا"۔

موسیٰ بن سلمہ بن المنثیٰ بن المحیق الطندلی نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے والد سے اور انھوں نے اپنے والد سے یوں روایت کی ہے :۔

ابلہ کی فتح کے موقع پر جو قطبہ ابن قتادہ السدوسی کی قیادت میں عمل میں آئی تھی، میں موجود تھا۔ مالِ غنیمت بانٹا گیا تو میرے حصہ میں تانبے کی ایک دیگچی آئی۔ بعد میں اس دیگچی کو میں نے بغور دیکھا تو یہ سونے کی نکلی! اس بات کا علم اور مسلمانوں کو بھی ہو گیا۔ اب امیرِ لشکر سے میری شکایت کر دی گئی۔ امیر نے پورے قصہ کی اطلاع امیرالمومنین کو دے دی۔ امیرالمومنین نے فیصلہ لکھ بھیجا:

"اس آدمی کو جس وقت اس کا حصہ مِلا ہے اس وقت بہر حال یہ بات واضح نہ تھی کہ یہ دیگچی سونے کی ہے۔ اب اگر یہ اس کا صدقِ دل سے اعتراف کرے تو یہ دیگچی اسی کے پاس رہنے دی جائے۔ ورنہ اسے واپس لے لینا چاہیئے اور اس پر سب کا حق تسلیم کرنا چاہیئے۔" چنانچہ ایسا ہی ہوا اور دیگچی قابضِ اوّل کے پاس رہنے دی گئی۔ اس میں سے چالیس ہزار طلائی سکّوں کی مالیت نکلی۔ میرے دادا کا کہنا ہے کہ ہمارے خاندان میں جو مال و دولت ہے وہ اسی طلائی دیگچی کا فیضان ہے۔ سعید بن ابی بردہ کی روایت ہے:۔

"عمر بن الخطّابؓ نے ابوموسیٰ الاشعریؓ کو لکھا تھا:۔

"سب سے زیادہ پاکیزہ اور سعادت مند حکّام وہ ہوتے ہیں جن کی رعایا خوش حال اور فارغ البال ہو۔ اس کے برعکس وہ لوگ بہت ہی شقی لوگ ہوتے ہیں جو انسانی معاشرہ کو آلام و مصائب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ یاد رکھو! تم گمراہ ہو گے تو تمہارے عمّال (افسرانِ حکومت) بھی گمراہ ہو جائیں گے۔ پھر تمہاری مثال ان بہائم کی سی ہو گی جو صحرا میں سبزہ زار دیکھتے ہی اس طرف مڑ جاتے ہیں اور یہی چیز ان کی ہلاکت کا باعث ہوتی ہے۔ (کیونکہ وہ اپنے اس انحراف سے صیّادوں کا شکار ہو جاتے ہیں)

عامر الشعبی کا بیان ہے۔ عمرؓ نے ابوموسیٰ کو لکھ بھیجا:۔

"جس شخص کی نیت خالص ہو گی۔ اس کا وقار قوم کے اندر برقرار رہے گا اور اس معاملہ میں اللہ اس کی مدد کرے گا۔ تاہم ریاکار کے دل کے تمام بھید اللہ تعالیٰ کو معلوم رہتے ہیں اور ریاکاروں کے لیے اللہ کی رحمتِ کاملہ کے خزینے بند ہی رہیں گے۔"

ابو البختری کا بیان ہے کہ امیر المومنین نے ابوموسیٰ کو فرمان بھیجا:۔

"آج کے کام کو کل پر مت ٹال دینا۔ لوگوں کے اندر اہلِ اقتدار اور اہلِ حکومت کے لیے ایک نوع کا عناد موجود رہتا ہے۔ اللہ مجھے اور تمہیں اس عناد سے محفوظ رکھے۔

یاد رکھو! علی العموم لوگ دنیا کو ترجیح دیتے ہیں اور خواہشاتِ نفس کی پیروی کرتے ہیں"۔

یزید بن حبیب سے روایت ہے کہ :۔

عمرو بن العاص رض کے سکریٹری نے حضرت عمر رض کو ایک تحریر بھیجی جس کی ابتدا بسم اللہ سے کی گئی تھی۔ مگر کاتب نے سہواً یا قصداً بسم اللہ میں سین نہیں لکھی تھی۔ عمر رض نے عمرو رض کو لکھا کہ کاتب (سکریٹری) کو کوڑے لگائے جائیں۔ بعد میں کسی نے کاتب سے پوچھا کہ تمہیں کس قصور پر مارا گیا؟" اس نے جواب دیا۔

"سین نہ لکھنے پر!"

حسن کی روایت ہے :۔

"فاروق اعظم رض نے ابو موسیٰ کو ان کے بصرہ کی امارت کے دور میں لکھا:۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے دار الامارہ میں پورے پورے مجمع کو آنے کی اجازت دے دیتے ہو۔ میرا یہ نامہ پہنچے تو اس کے بعد سے فرقِ مراتب کا لحاظ رکھنا، یعنی اس کا لحاظ رکھنا کہ اہلِ شرف، اہلِ قرآن، اہلِ تقویٰ اور اہلِ دین اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ لیں تو عام لوگوں کو بیٹھنے کی اجازت دی جائے۔

جعفر بن برقان نے فاروقِ اعظم رض کے ایک نامۂ گرامی کے، جسے انھوں نے اپنے ایک عامل کو لکھا تھا، آخری فقرے نقل کئے ہیں:۔

"اپنے اچھے دنوں میں اپنا محاسبہ کرتے رہو۔ اس لیے کہ بہت جلد ایسا دَور آسکتا ہے جو تم سے شدّت اور تنگی کا حساب چکائے گا۔ اور جو دور راحت ہی میں اپنا محاسبہ شروع کر دیتا ہے وہی دوسروں کے لیے قابلِ رشک اور رضائے الٰہی سے کامیاب ہوتا ہے۔ البتہ وہ شخص جسے دُنیوی زندگی نے تغافل میں مبتلا کر رکھا ہے اور وہ اپنی نفسانیت کا شکار بن کر رہ گیا ہے۔ اسکی عاقبت حسرت و ندامت ہوگی۔ لہٰذا انسان کو نصیحتوں پر غور و فکر لازم ہے اور بُرے

اعمال سے اجتناب لازم ہے۔

امیر المومنین نے ایک بار عبیدہ بن الجراح کو ایک بے حد حکیمانہ تحریر لکھ بھیجی جس کا مفہوم یہ ہے:۔

"میں نے اس تحریر میں تمہاری اور اپنی دونوں کی بھلائی پیش نظر رکھی ہے۔ پانچ چیزوں پر مضبوطی سے قائم رہو۔ تمہاری دین داری محفوظ ہو جائے گی اور عاقبت میں تم کو بڑا برگزیدہ درجہ ملے گا۔ تمہارے سامنے دو فریقوں کا مقدمہ پیش ہو تو جھوٹی شہادتیں کبھی مت قبول کرو۔ تمہارا ایمان ایسا ہو جو اپنے میں قطعیت اور بھرپور سچائی کی صفت لیے ہوئے ہو۔ کمزور اور بے سہارا آدمی سے اس طرح ملو کہ وہ بے جھجک تم سے اپنی بات کہہ سکے اور اس کا دل اس کے سینے میں قوت محسوس کرنے لگے۔ پردیسی اور غریب الدیار کی ضرورتوں کا لحاظ رکھو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے دکھ کے علاج میں غیر ضروری تاخیر سے مایوس ہو جائے اور پھر وہ تمہارا دروازہ سرے سے نہ کھٹکھٹائے۔"

ابو جریر الازدی راوی ہیں:۔

"ایک شخص تھا جو امیر المومنین کے لیے تحفہ کے طور پر بکرے یا دنبے کی رانیں لایا کرتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد ہی شخص ایک دوسرے شخص کے ساتھ جس سے اس کا جھگڑا ہو گیا تھا، نمودار ہوا، آتے ہی اس شخص نے کہا:۔

"امیر المومنین! ہم دونوں کے تضیہ کا ایسا فیصلہ کیجئے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے اور اصل بات یوں واضح ہو جائے جیسے گوشت کے ٹکڑوں (پارچوں) میں ران واضح اور نمایاں ہو جاتی ہے۔ امیر المومنین کے کہنے کے مطابق یہ بات اس شخص نے اتنی بار کہی کہ انھیں یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں اس بات کے بار بار کہے جانے کا ان پر ایک نفسیاتی اثر نہ پڑ جائے اور ان کا فیصلہ متاثر نہ ہو جائے۔ چنانچہ پہلی بات تو یہ ہوئی کہ

امیرالمومنین نے فیصلہ اس شخص کے خلاف کیا اور دوسری بات یہ کہ انھوں نے فوراً تمام عمالِ حکومت کو یہ ہدایت لکھ بھیجی کہ:۔

"تحائف کسی صورت میں بھی قبول نہ کئے جائیں۔ یہ بھی رشوت کی ایک نوع ہے۔"

عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں:۔

"ایک سفر میں مَیں اپنے والد کے ساتھ تھا۔ ان کی نگاہ ایک شخص پر پڑی جو ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ امیرالمومنین نے اپنی سواری روک لی اور اس شخص سے پرسشِ احوال کی۔ اس نے چھوٹتے ہی رونا شروع کر دیا۔ اس پر میرے رقیق القلب والد بھی رو پڑے۔ اور اس آدمی سے پوچھا:۔

"آخر تمہیں ہوا کیا؟"

وہ کہنے لگا:۔

"امیرالمومنین! قصّہ یہ ہے کہ میں نے شراب پی اس پر ابوموسیٰ نے مجھے سزا دی۔ اور اسی پر بس نہیں کیا۔ وہ میرے چہرے پر کالک لگا کر مجھے لیے لیے پھرے اور منادی کرادی کہ کوئی مجھ سے بولے تک نہیں۔ اب میں نے یہ طے کیا ہے کہ یا تو اپنی اس تلوار سے ابوموسیٰ کو مار دوں گا یا کسی ایسی جگہ چلا جاؤں گا جہاں مجھے کوئی جانتا نہ ہوگا۔ یا پھر میں اسلام کی قلمرو ہی سے نکل جاؤں گا اور غیر مسلموں کے دیس میں جا بسوں گا، امیرالمومنین میں نے تو یہ سوچا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ آدمی رونے لگا۔ امیرالمومنین پر اس بات کا گہرا اثر ہوا اور آپ نے فرمایا:۔

"میں اس بات سے بالکل خوش نہ ہوں گا کہ تم بلادِ اسلام کو چھوڑ کر کفر و شرک کی بستیوں میں چلے جاؤ۔ جاہلیّت کے ایام میں خود میں ان لوگوں میں تھا جنہوں نے لوگوں کو شراب پلائی تھی۔" اس کے بعد ابوموسیٰ کو ذیل کی تحریر روانہ کی گئی جو اپنے اندر بڑی

شانِ کریمی رکھتی ہے۔ ایک ایسی شانِ کریمی جس نے بقول اقبالؔ، ان تمام قطروں کو موتی سمجھ کر چن لیا تھا۔ جو مردِ مے خوار کے عرقِ انفعال کی شکل میں نمودار ہوئے تھے۔ تحریر یہ تھی:۔

"فلاں شخص نے مجھ سے یہ یہ باتیں کہی ہیں۔ میرا نامہ تم تک پہنچے تو تم لوگوں کو پھر سے اس آدمی سے ملنے جلنے کی اجات دے دو۔ اور یہ توبہ کرلے تو اس کی شہادت کو بھی قابلِ قبول تسلیم کرلو۔ اس کے ساتھ ہی امیرالمومنین نے کمالِ ستاری و غفاری کے ساتھ اس شخص کو پہننے کے لیے کپڑے اور دو سو درہم مرحمت فرمائے۔

عمرو کہتے ہیں کہ انھوں نے بجالہ کو یہ کہتے سنا تھا:۔

"میں جزء بن معاویہ کا کاتب (سکریٹری) تھا۔ یہ جزءؔ بن معاویہ مشہور و معروف شخصیت احنف بن قیس کے چچا تھے۔ ہمارے پاس ایک فرمان پہنچا جسے امیرالمومنین نے اپنی وفات سے ایک سال پہلے روانہ کیا تھا۔ اس فرمان کی رُو سے ہمیں یہ حکم ہوا تھا کہ ہم تمام جادوگروں کو اور بقول سفیانؔ جادوگرنیوں کو، بھی موت کے گھاٹ اتار دیں اور ان ازدواجی رشتوں کو جو مُسلمانوں اور آتش پرستوں میں برپا ہوچکے تھے ختم کرادیں اور انھیں زمزموں اور منتروں کے پڑھنے سے روک دیں۔" غرض ہم نے تین جادوگر مار دیئے اور ایسی تمام شادیوں کو باطل قرار دے دیا جو مسلمانوں نے مجوسیوں میں کی تھیں۔ اس کارروائی کے بعد جزءؔ بن معاویہ نے بہت کافی مقدار میں کھانا پکوایا۔ اپنی تلوار اپنی ران پر رکھ لی اور مجوسی جادوگروں کو طلب کیا۔ انھوں نے چپ چاپ اور زمزمہ کے بغیر کھایا! رہا جزیہ کا سوال تو جب تک عبدالرحمٰن بن عوف نے یہ شہادت نہ دے دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوس سے جزیہ لیا تھا، آپ نے ان لوگوں سے جزیہ نہیں لیا یا بقول ابوسفیان قبول نہیں کیا۔"

یزید بن الاصم کا بیان ہے:۔

"اہل شام میں ایک شخص بڑا دلاور اور جری تھا جسے اکثر دبیشتر امیرالمومنین کی جناب میں پیش کیا جاتا تھا۔ دفعتہً اس کا آنا جانا بند ہو گیا تو حضرت عمر رضؓ نے اس کے بارے میں پوچھ گچھ کی گئی تو انھیں اطلاع بھجوائی گئی کہ اس آدمی کو شراب نے مار دیا۔ امیرالمومنین نے اپنے کاتب (آجکل کی اصطلاح میں سٹینو) کو بلوایا اور فوراً یہ الفاظ شخص مذکور کے لیے لکھوا دیئے:۔

"خطاب کے فرزند عمر کی جانب سے۔۔۔۔۔۔ کے نام نا

بعد سلام مسنون!

"میں تمہاری خاطر اور تمہاری اصلاح کی خواہش کے ساتھ) اس معبود برحق کی ستائش کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جو گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور عذر اور توبہ کو قبول کر لیتا ہے۔ جس کی سزا بے حد سخت اور گراں ہوتی ہے اور جو فضل اور قدرت والا ہے اور جس کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے"۔

یہ لکھنے کے بعد فاروق معظم و مکرم نے اہل مجلس سے مطالبہ کیا کہ سب ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ پاک و برتر اس مرد شرابی کی توبہ قبول فرمالے۔ روایت کی رُو سے جب عمری نامۂ گرامی اس شخص کو ملا تو وہ اسے بغور پڑھنے لگا، اس نے سوچا "اللہ غافر الذنب ہے۔ گویا اس نے مجھ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ میری مغفرت فرما دے گا اور میرے گناہ معاف کر دے گا۔ پھر اس نے قابل التوب اور شدید العقاب کے الفاظ پر غور کیا اور سوچا کہ گویا مجھے اللہ عز و جل نے اس بات سے خوف دلایا ہے کہ اس کی تعزیر بے حد سخت اور شدید ہے۔ پھر وہ ذی الطول بھی ہے اور طول کا مطلب فیض عام سے ہے، بقول سعدیؔ ؎

ادیم زمیں سفرۂ عام اوست۔
برایں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

پھر اس کے سوا کوئی معبود بھی نہیں اور رجوع اسی سے کرنا ہے تو مردِ قدح خوار نے بار بار ان الفاظ کو پڑھا۔ اس پر گریہ طاری ہوا اور اس نے جام ومینا سے ہاتھ کھینچ لیا! فاروق رضؓ کے گوشِ حقیقت نیوش نے جب یہ ماجرا سنا تو فرمایا:۔

"جب کبھی تم دیکھو کہ تمہارا کوئی بھائی سیدھی راہ سے بھٹک گیا ہے تو یہی انداز اختیار کرو یعنی اسے راہِ راست پر لانے کی کوشش کرو اور اللہ سے یہ آرزو کرو کہ وہ غفور الرحیم ایسے بندہ کی توبہ قبول کرے اور یہ نہ ہو کہ ایسے آدمی کو بگاڑنے میں تم اُلٹے شیطان کے معین و مددگار بنو۔"

باب ۴۵

مردِ عبقری کی شانِ جلال

صحیح حدیث میں ہے کہ ایک بار حضور انورؐ کی خدمت میں چند عورتیں حاضر تھیں کہ اتنے میں حضرت عمرؓ تشریف لے آئے۔ آپ کو دیکھتے ہی یہ عورتیں خاموش ہو گئیں۔ اس پر فاروقؓ نے کہا:۔

"تم نے میرا لحاظ کیوں کیا؟ لحاظ اور ہیبت کا اصل استحقاق تو سرورِ دو جہاں کو حاصل ہے۔" اس پر وہ بولیں:۔

"دراصل تم سخت اور درشت خُو ہو۔"

(حضرت عمرؓ کی شخصیت میں ایک جلال ودلیعت ہوا تھا۔ یہ جلال اور ہیبت کوئی اکتسابی شے نہیں۔ یہ عطائے الٰہی کا مظہر تھی۔ حضرت عمرؓ اس مرتبہ اور وقار کے حامل انسان تھے کہ سعد بن ابی وقاصؓ اور خالد بن ولیدؓ جیسے کشورکشا آپ کی بلاچون وچرا اطاعت کرتے تھے اور ایسا کرنے میں اپنے آپ کو مجبور پاتے تھے۔

اسی رعب وجلال کو نمایاں کرنے کے لیے یہاں چند حکایتیں بیان ہوئی ہیں جنھیں طوالت کے خوف سے حذف کر دیا گیا ہے۔ ش۔ ح۔ ع)

قاسم بن محمد کا بیان ملاحظہ ہو:۔

"عمرؓ کسی طرف کو جا رہے تھے، صحابہؓ میں سے چند حضرات بھی ذرا کچھ پیچھے آ رہے

تھے کہ ناگاہ عمرؓ پیچھے کو مڑے۔اب عجیب منظر دیکھنے میں آیا۔ صحابہؓ میں تقریبًا ہر ایک شدّتِ ہیبتِ ابنِ خطابؓ سے گھٹنوں کے بَل گر پڑا! عمر کی آنکھ اس منظر کو دیکھ کر نمناک ہوگئی۔ فرمایا:۔

"خداوندا! تجھے اس امر کا خوب علم ہے کہ جتنا یہ لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں۔میں اس سے کہیں زیادہ تیری ہیبت سے خائف رہتا ہوں"

اور یہ حسنؓ نے ہمیں بتایا ہے کہ:۔

"حضرت عمرؓ کو اس کا علم ہوا کہ ایک عورت ہے جس سے مختلف لوگ ملنے جایا کرتے ہیں۔ آپ نے اسے طلب فرمایا:۔

عمری ہیبت کا یہ عالم تھا کہ جس وقت مشار الیھا کی طلبی کا پیام لے کر امیر المومنین کا آدمی پہنچا، عورت حواس باختہ ہوگئی "اب کیا ہوگا؟ یہ عمرؓ نے مجھے کس لیے طلب کیا ہے، ہائے میری تیرہ روزی اور الم نصیبی!"

غرض یہ عورت بڑی سراسیمگی کے عالم میں گھر سے نکلی۔ راستہ میں اسے دردِ زہ اُٹھا۔ عورت کی اس تکلیف کا چند دوسری عورتوں کو، جو اس سے ملی تھیں احساس ہوگیا۔ خلاصہ یہ کہ اس عورت کے بطن سے ایک لڑکا متولد ہوا جو پیدا ہوتے ہی ایک شرارے کی مانند بجھ گیا ع

نفس حباب کا تابندگی شرارے کی!

امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے فوراً مہاجرین اور انصارؓ کو مشورے کے لیے طلب فرمایا۔ مجمع کے بالکل آخری حصہ سے ایک آواز بلند ہوئی:۔

"امیر المومنین آپ اُمت کے ادب آموز ہیں اور ملّت کے راعی اور پاسبان ہیں"۔
حضرت عمرؓ نے کہنے والے سے اس بات کی مزید توضیح چاہی تو مجمع میں یہ الفاظ سنے گئے۔

"امیر المومنین اگر قوم نے آپ کی اطاعت اس بنیاد پر قبول کی ہے کہ آپ صرف اپنی مرضی سے حکومت کریں تو یہ آپ کی خیر خواہی نہ ہوئی اور اگر قوم ہر معاملہ میں اپنی رائے کو مستند سمجھنے لگے تو بھی یہ اس کی غلطی اور خطا ہوگی۔ (یعنی صالح حکومت کا تمام تر دارومدار امیر المومنین اور مومنین کے تعاون پر ہوگا) آپ اپنی ذات پر حد درجہ سختی روا رکھتے ہیں اور اس شدت اور اس حدت کی زد میں پوری قوم بھی آجاتی ہے۔"

کسی نے حسن رضؓ سے پوچھا "یہ سب کس نے کہا تھا؟" فرمایا "علی رضؓ نے"۔

محمد بن عجلان نے ہمیں یہ اطلاع زید بن اسلم سے سن کر دی ہے۔ زید کو انکے والدِ ماجد نے سنایا تھا کہ:۔

کچھ لوگوں نے عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ سے گذارش کی کہ وہ ایک مسئلہ میں حضرت عمر رضؓ سے بات کریں۔ لوگوں نے کہا کہ دراصل کہنے کو تو ہم بھی کہہ سکتے تھے مگر عمر رضؓ کے رعب کا کچھ یہ عالم ہے کہ ہم ان سے نگاہ تک نہیں ملا سکتے۔ اس لیے تم ہی ان سے بات کرو۔ عبدالرحمٰن نے ضمناً یہ بات بھی حضرت عمر رضؓ تک پہنچا دی۔ اس پر فاروق رضؓ نے فرمایا:۔

"کیا واقعی لوگوں نے یہ کہا ہے؟ بخدا میں کبھی کبھی لوگوں سے اتنی نرمی سے پیش آتا ہوں کہ حقوق اللہ میں کمی ہوتی نظر آتی ہے اور پھر جب لوگوں پر سختی کرنے پر مجبور ہوتا ہوں تو خدا سے خوف آنے لگتا ہے کہ کہیں حقوق العباد پامال تو نہیں ہوئے جا رہے۔ لیکن اللہ گواہ ہے کہ جتنا لوگ مجھ سے ہیبت زدہ رہتے ہیں۔ اس سے کہیں زیادہ، کہیں زیادہ میں اپنے پروردگار سے خائف رہتا ہوں۔"

قریش کے ایک فرد نے ایک بار حضرت عمر رضؓ سے کہا:۔

"آپ کچھ نرم ہو جائیے کہ آپ کی ہیبت نے دلوں کو لرزا دیا ہے۔"

فاروق نے پوچھا:۔

"میری ہیبت میں ظلم وجور تو شامل نہیں ؟"

کہنے والے نے کہا:۔

"نہیں۔"

اس پر ارشاد ہوا:۔

"اللہ میری ہیبت اور زیادہ کر دے!"

عبداللہ ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں:۔

"ایک زمانے میں مَیں عمرؓ سے ایک آیت کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ مگر تقریباً ایک سال تک مجھے براہِ راست اس استفادہ کی ہمّت نہ ہو سکی!

باب ۴۶

عمر اعظمؓ کی درویشی اور دینداری

مجاہد کا قول ہے کہ :-

"حضرت عمرؓ نے ایک بار فرمایا تھا کہ :-

"سب سے زیادہ بھرپور انداز میں اور سب سے بہتر شکل میں انسانی زندگی صبر و رضا میں ظہور پاتی ہے"۔

الاحوص ابن حکیم نے اپنے والد سے روایت کی ہے ۔

فاروق اعظمؓ کے لیے گھی میں پکایا ہوا گوشت لایا گیا جسے کھانے سے انھوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ "وہ بیک وقت دو لذتوں کے متحمل نہیں ہو سکتے"۔

ابن سعد اور ابن عمر دونوں سے مروی ہے کہ :-

"حضرت عمرؓ کے نزدیک شادی کا مقصد تلذذِ نفسانی نہیں بلکہ نسلِ انسانی کا دوام تھا"۔

حسن کہتے ہیں :-

فاروق اعظمؓ نے اپنی خلافت کے روزِ اول سے اپنی شہادت کے دِن تک مرغن غذاؤں سے پرہیز کیا"۔

حبیب بن ابی ثابت سے ان کے چند دوستوں نے حضرت عمرؓ کا یہ واقعہ بیان کیا تھا :-

"ایک بار چند عراقی جن میں جریر بن عبداللہ بھی شامل تھے۔ آپ سے ملنے آئے۔ تھوڑی دیر میں ان لوگوں کے لیے کھانا آیا۔ یہ کھانا نان اور روغنِ زیتون پر مشتمل تھا، جو حضرت عمرؓ کی عام غذا تھی۔ امیر المومنین نے محسوس کیا کہ عراقی ذرا تکلف سے کھانا کھا رہے ہیں۔ عمرؓ کی نگاہ نے اس بات کو تاڑ لیا۔ آپ نے فرمایا:۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم لوگ کیوں اس قدر تکلف سے کھانا کھا رہے ہو۔ تم کو تو شیریں اور ترش، گرم اور سرد سبھی اقسام کی غذائیں مطلوب ہوں گی، مگر یہ غذائیں کام و دہن کی لذت کے سوا ہمیں کیا دیتی ہیں۔"

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل
زنہار اگر تمہیں ہوسِ نائے و نوش ہے (غالبؔ)

"عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے بھی بعینہٖ یہی روایت بیان کی ہے۔ مگر اس میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اہل عراق سے یہ بھی کہا تھا کہ اگر وہ چاہتے تو عراقیوں کو انواع و اقسام کی غذائیں بھی کھلوا سکتے تھے، لیکن ان کی خواہش تھی کہ اذھبتم طیباتکم فی حیاتِکم الدنیا کی قرآنی موعظت ریزی کے پیشِ نظر دنیوی لذتوں کو اخروی لذتوں کے لیے قربان کر دینا چاہیئے۔"

اسی نوع کی بات سالم بن عبداللہ سے بھی مروی ہے کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ:۔

"دنیوی لذّتوں کی طرف آنے سے انھیں اللہ نے روک رکھا ہے۔ ورنہ وہ ان تمام ماکولات اور مشروبات سے (جن پر اہلِ دول اپنی متاعِ حیات قربان کر دیتے ہیں) پورے طور سے واقف ہیں۔"

حسن سے روایت ہے:۔

فاروقِ اعظم فرمایا کرتے تھے "اگر وہ چاہتے تو انتہائی لطیف اور خوش ذائقہ غذائیں کھاتے اور بے حد عیش و آرام سے اپنے شب و روز گذارتے اور انھیں مختلف قسم کے لذائذ

اور ماکولات سے مکمل واقفیت ہے لیکن انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ قومیں اور اُمتیں اسی لذتِ کام و دہن کا شکار ہو کر ہلاک اور برباد ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ دنیوی لذت کے پیچھے انسانوں نے اپنے کو اصل لذتوں سے محروم کر لیا۔"

خلف بن حوشب سے روایت ہے، فاروق اعظم رضؓ نے فرمایا:

"میں نے دین و دنیا کے معاملہ میں بہت غور کیا اور میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اگر میں دنیا کی طرف جھک جاؤں گا تو دین جائے گا اور دین کی طرف پورے طور پر راغب ہو جاؤں گا تو میری دنیا برباد ہو جائے گی۔ بہت غور و خوض کے بعد میں نے طے کیا کہ میں وہ قبول کر لوں جسے بقا ہے اور اُس چیز کو مٹ جانے دوں جو یوں بھی مٹ جائے گی!

کیا عشق ایک زندگیٔ مستعار کا
کیا عشق پائدار سے ناپائدار کا (اقبالؔ)

حسن رضؓ نے ایک اور سوز آگیں اور رقت انگیز روایت بیان کی ہے جو یہ ہے:-

"عمر بن الخطابؓ تقریر کر رہے تھے۔ یہ وہ دور تھا جب انھوں نے خلافت کا بارِ گراں سنبھال رکھا تھا، ان کے کرتے میں بارہ پیوند لگے ہوئے تھے۔"

انسؓ نے بھی ایک بار حضرت عمر رضؓ کی طرف غور سے دیکھا تو انھیں امیر المومنین کی قمیص میں محض مونڈھوں پر چار پیوند نظر آئے۔ ابو عثمان النہدی کا بیان ہے کہ انھوں نے ایک بار حضرت عمر رضؓ کو اس عالم میں دیکھا کہ انھوں نے چمڑے سے اپنے کرتے کے پیوند درست کر لیے تھے۔ اور ایک اور موقع پر جب وہ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے۔ ان کی یہ شان تھی کہ ان کے کُرتے میں بارہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ ان پیوندوں میں کم از کم ایک پیوند سُرخ رنگ کے چمڑے کا تھا۔ گویا یہ بات تھی:

عباؤں میں پیوند پتھر شکم پر — قدم کے تلے تاجِ کسریٰ و قیصر (ظ انصاری)

ابنِ سعد اور عبدالعزیز بن ابی جمیلہ کا بیان ہے:

"ایک بار حضرت عمرؓ کو جمعہ میں کچھ دیر ہو گئی۔ چنانچہ منبر نبوی پر جلوہ فگن ہوتے ہی انھوں نے قوم سے اپنے دیر سے آنے کی معذرت چاہی اور فرمایا کہ:۔ دَراصل انکے پاس ایک ہی قمیص تھی اور اسے درست کیا جا رہا تھا تاکہ کہنیاں کھُلی نہ رہ سکیں"۔ یہی روایت قتادہ نے بھی بیان کی مگر اس میں تاخیر کا سبب قمیص کی درستی نہ تھا اس کا دھویا جانا تھا۔ اُمّت کے قائدِ گرامی کے پاس صرف ایک جوڑا کپڑا تھا اور وہ اسی کو دھو دھو کر پہنتا تھا۔

(اس کے بعد مستند اور عظیم المرتبت راویوں کے مختلف موقعوں کے بیانات دیے گئے ہیں۔ جن کا لب لباب یہ ہے کہ، حضرت عمرؓ کے لباس میں بارہ پیوند تھے۔ ایک راوی زید ابن وہب دوسروں سے تھوڑا سا اختلاف کرتے ہیں۔ اس لیے کہ انھوں نے امیرالمومنین عمرؓ کو مدینہ کے بازاروں میں اس حال میں چکر لگاتے دیکھا تھا کہ ان کے لباس میں چودہ پیوند تھے۔ ش۔ ح۔ ع۔)

باب ۷۴

امامِ عادل کی فروتنی

جبیر بن نصیر کا بیان ہے :۔

کچھ لوگ امیر المومنین کی خدمت میں باریاب ہوئے اور عرض کیا :۔

" امیر المومنین ! خدا گواہ ہے کہ رسول اللہ کے بعد ہم نے آپ کی طرح کسی کو اس درجہ عادل ، اس درجہ قول کا سچا ۔ اور اہلِ نفاق و ریا کے معاملہ میں اس درجہ سخت گیر نہیں پایا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ امت میں سب سے بہتر انسان ہیں "

عوف بن مالک موجود تھے ، وہ بولے :۔

" تم لوگ غلط کہہ رہے ہو ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو سب سے بہتر انسان تھا ہم اسے اس عہد سے پہلے دیکھ چکے "

حضرت عمر نے کہا :۔ عوف تم کس کا ذکر کر رہے ہو ؟"

عوف نے جواب دیا : میری مراد ابو بکرؓ سے ہے ۔ وہی تو ہیں حضور انورؐ کے بعد افضل النّاس "

عمر بولے :۔ " عوف ٹھیک کہتے ہیں اور تم لوگ غلط ، ابو بکرؓ مشک و عنبر سے بڑھ کر عطر بیز اور لطیف و نظیف تھے اور میں اپنے پالتو اونٹ سے بھی زیادہ بھٹک جانے کا عادی ہوں "

دراصل یہ کہہ کر منکسر المزاج فاروق اعظمؓ اس دور کی جانب اشارہ کر رہے تھے جب ابو بکرؓ مشرف باسلام ہو چکے تھے اور عمرؓ ابھی اس دولتِ بیدار سے بہرہ اندوز نہ ہوئے تھے ۔

مجالد بن سعید سے روایت ہے :۔

جس وقت عمرؓ کو یہ اطلاع ملی کہ رستم نے قادسیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیئے ہیں۔ تو ان کا معمول ہوگیا تھا کہ صبح سے لے کر دوپہر تک وہ اس طرف سے آنے والے ہر سوار سے قادسیہ کے معرکہ کے انجام کے بارے میں پوچھتے اور پھر اپنے گھر واپس آجاتے تھے۔ آخر کار جب ان کی ملاقات واقعی قادسیہ کی فتح کی بشارت لانے والے آدمی سے ہوئی تو انھوں نے اس سے پوچھا کہ وہ کہاں سے آرہا ہے۔ اور جب انھیں بتایا گیا کہ قادسیہ سے تو وہ بولے،

"اللہ کے بندے ذرا مجھے بتا تو سہی کہ وہاں کیا ہوا؟"

سوار نے کہا: "اللہ کے دشمنوں کو شکست ہوئی"۔

بس پھر تو عالم یہ تھا کہ امیرالمومنین سوار سے پوری بات سننے کے لیے بیتابانہ اس کے پیچھے پیچھے پیادہ پا بھاگتے جا رہے تھے اور سوار اطمینان سے اپنی اونٹنی پر سوار انہیں جواب دیتا جاتا تھا۔ اسے مطلق یہ خبر نہ تھی کہ یہ کون ہے جو اس کے پیچھے پیچھے یوں چلا آرہا ہے۔ لیجئے مدینہ بھی آچکا، لوگ حضرت عمرؓ کو دیکھتے ہی انھیں یا امیرالمومنین سلام علیکم، یا امیرالمومنین سلام علیکم، کہتے جاتے تھے۔ چنانچہ سوار کو اب معلوم ہوا کہ اصل ماجرا کیا تھا کہنے لگا:۔

"اللہ کی مہربانیاں آپ کے شاملِ حال ہوں۔ آپ نے بڑا ہی غضب کیا! آپنے کہہ دیا ہوتا کہ امیرالمومنین میں ہی ہوں"۔

امیرالمومنین نے فرمایا:۔

"میرے بھائی کوئی بات نہیں۔ یعنی میرا تمہاری سواری کے پیچھے سراپا سوال بنے ہوئے بھاگنا ہرگز ایسی بات نہیں ہے جس پر تم تاسّف کرو یا اس پر اظہارِ تعجب کرو"۔

مسروق بن الاجدع سے روایت ہے کہ:۔

"ایک بار منبرِ رسول اللہ پر بیٹھ کر فاروقِ اعظمؓ نے فرمایا:

"عورتوں کا مہر چار سو درہم کے اندر اندر ہونا چاہیے۔ اور اسے اس رقم سے زیادہ نہ ہونا چاہیئے۔ اس لیے کہ اگر مہر میں فراخ دلی اور برگزیدگی اور شرف کا حصول مقصود ہے تو بہر حال ظاہر ہے ہم اُن عظمتوں اور بلندیوں کے حصول میں جو رسول اللہ کو حاصل ہوئیں عاجز ہی رہیں گے۔" وہ یہ سب کہہ کر منبر سے اُتر آئے۔

ایک قریشی عورت نے ان کا راستہ روک کر ان سے کہا:۔

"امیرالمومنین! آپ نے لوگوں کو عورتوں کے مہر میں اضافہ سے روک دیا ہے اور ان سے یہ کہا ہے کہ وہ چار سو درہم سے آگے نہ بڑھیں، لیکن "وآتیتم احداھن قنطاراً فلا تاخذوا منہ شیئاً اتاخذونہ بہتاناً واثماً مبیناً" (سورۃ نساء کی ۲۰ ویں آیت کے الفاظ) کے پیش نظر کیا آپ کا یہ حکم قرآنی حکم کے خلاف نہیں ہے؟" ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ:۔ (اگر کسی عورت کو بڑی سے بڑی دولت بھی دی جا چکی ہے تو بھی اس سے علیحدگی کی صورت میں وہ واپس نہیں لینی چاہیے۔ اور اس کے واپس حاصل کرنے کے لیے کوئی بہانہ نہیں تلاش کرنا چاہیئے)۔

حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا: "خداوندا عمرؓ کو معاف کر۔ ہر شخص دینی معاملات اس سے کچھ زیادہ ہی سمجھتا ہے!" چنانچہ اس کے بعد امیرالمومنین نے اعلان کیا کہ اگر کوئی چار سو درہم سے زیادہ عورتوں کو مہر میں دینا چاہے یا اپنی خواہش کے مطابق اور کوئی چیز دینی چاہے تو وہ بے شک ایسا کر سکتا ہے۔

ابوالعالیہ الشامی کی روایت ہے۔

عمر بن الخطابؓ جابیہ کے قریب آ چکے تھے۔ حالت یہ تھی کہ وہ ایک غیر مزین اونٹ کی پشت پر سوار تھے۔ اُن کے دونوں پاؤں اونٹ کی پشت کے دونوں جانب لٹک رہے تھے گویا ان کے پاؤں کو رکاب کا سہارا تک نہ ملا ہوا تھا۔ ان کے پاس صوف کی ایک چادر تھی۔ اونٹ پر ہوتے تو اس پر بیٹھ جاتے اور اونٹ سے اُترتے تو وہی ان کے لیے سجّادہ کا کام دیتی

یعنی اسے رکھ کر فرش زمین پر بیٹھ جاتے۔ دھوپ میں ان کا بالوں سے معرّا سر چمک رہا تھا۔ ان کے تن پر ایک کرباس کی قمیص تھی۔ جو جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی تھی۔ جابیہ نزدیک آ گیا تو فاروق نے رئیس قریہ کو طلب کیا۔ لوگوں نے رئیس کو جس کا نام جلومس تھا، طلب کیا۔ وہ آیا تو حضرت عمرؓ نے اس سے فرمایا:۔

"میری قمیص دھلوا دو اور اس میں ٹانکے لگوا دو۔ اور اس عرصہ میں مجھے کوئی قمیص یا پوشش عاریتہً دے دو۔"

ایک ریشمین قمیص لائی گئی۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا:۔

"یہ کیا چیز ہے؟"

جلومس بولا: "یہ ریشمین کپڑا ہے۔"

"ریشم کیا ہوتا ہے؟"

عرب و عجم کے شاہ نے سوال کیا۔ لوگوں نے اس کی پوری تعریف بیان کی۔

غرض آپ نے اپنی قمیص دُھلنے اور سلنے کے لیے دے دی اور عارضی طور پر ریشمین لباس پہن لیا۔ اور پھر اپنی وہی کھُردری قمیص دوبارہ پہن لی۔ جلومس نے یہ رنگ دیکھ کر کہا:۔

"آپ عرب کے بادشاہ ہیں۔ آپ کے لیے زیب نہیں دیتا کہ آپ ایک اونٹ پر سوار ہو کر نکلیں!"

مگر آپ نے اپنے لباس یا سواری میں کسی نوع کی آرائش اور ظاہر داری کی اجازت نہ دی۔

تکلّف سے بری ہے حُسنِ ذاتی قبائے گُل میں گل بوٹا کہاں ہے!

ہشام بن عروہ سے روایت ہے:۔

"عمر بن الخطابؓ شام کی سرحد میں داخل ہوتے تو ان کے استقبال کے لیے

سرداران فوج اور دوسرے زعماء موجود تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو دیکھتے ہی پوچھا:

"این اخی"۔ (میرے بھائی کہاں ہیں؟)

لوگ این اخی کا اشارہ نہیں سمجھ پائے تو فاروق اعظمؓ نے خود ہی وضاحت کر دی:۔

ابوعبیدہ کہاں ہیں؟"

لوگ بولے: "وہ بھی آرہے ہیں"۔

تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ ابوعبیدہ اپنی اونٹنی پر، جس کی مہار رسّی کی تھی، آ پہنچے۔ امیر المومنین نے ابوعبیدہ بن الجراح کو سلام کیا اور ان کی مزاج پرسی کی اور پھر لوگوں سے فرمایا کہ وہ ہٹ جائیں۔

اب امیر المومنین اور قائدِ لشکر دونوں ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ ابوعبیدہ کی قیام گاہ نزدیک آچکی تھی۔ قائدِ لشکرِ اسلام کے گھر میں سوائے قائد کی تلوار، زرہ اور اسکی سواری کے اور کوئی شے نہ تھی۔ اس ہوش ربا منظر کا قلبِ گداختۂ فاروقؓ نے بڑا گہرا اثر لیا اور یہ سب دیکھ کر آپ نے فرمایا:۔

"آپ کے گھر میں کچھ سامان وغیرہ بھی تو ہونا چاہیئے تھا"۔

قائدِ سپاہ نے کہا: "میرے لیے بس یہی چیزیں کافی ہیں"۔

خوشا آں راہی کہ سامانی ندارد

دل او بندِ یاراں کم پذیرد (اقبالؒ)

حضرت عمرؓ کے غلام اسلم کا بیان ہے:۔

(اسے میں صیغۂ متکلم میں بیان کر رہا ہوں۔ ش۔ ح۔ ع)

"مجھے یاد ہے کہ میں امیر المومنین ابنِ خطابؓ کے ساتھ تھا۔ ہم نے شام کا قصد کر رکھا تھا۔ یعنی ہم شام کی جانب رواں تھے۔ ملک شام کی سرحد آ پہنچی تو کسی ضرورت سے امیر المومنین کو اپنی سواری روکنی پڑی اور وہ دور نکل گئے۔ اتنے میں میں نے یہ کیا کہ ان کے

اونٹ پر بیٹھ گیا اور اپنا اونٹ کھول دیا۔

امیرالمومنین واپس آئے تو میرے اونٹ پر بے تکلّف بیٹھ گئے۔ اسی حالت میں ہم شام میں داخل ہوئے۔ لوگ جوق در جوق آتے جا رہے تھے اور میں امیرالمومنین کی جانب اشارہ کرتا جاتا تھا!

بنگر کہ جوئے آب چہ مستانہ میرود — مانندِ کہکشاں بگریبان مرغزار
در خوابِ ناز بود بہ گہوارۂ سحاب — واکرد چشمِ شوق بآغوشِ کوہسار
از سنگریزہ نغمہ کشاید خرامِ او — سیمائے او چو آئینہ بے رنگ و بے غبار

زی بحرِ بیکرانہ چہ مستانہ میرود
در خود یگانہ از ہمہ بیگانہ میرود (اقبالؒ)

(یہ اشعار علامہ اقبال کی دل آویز فارسی نظم بعنوان "جوئے آب" سے جو گوئٹے کی نظم "نغمۂ محمدؐ" کا ترجمہ ہے، ماخوذ ہیں۔ یہاں ان کے نقل کرنے کا مدعا یہ ہے کہ ان اشعار کے ذریعہ زندگی کے حقیقی اسلامی تخیل کی تصویر کشی کے ضمن میں جس عظمت اور جوشِ عمل کے نقوش ابھارے گئے ہیں وہ حیاتِ محمدی میں بدرجہ اتم اور حیات صحابہ (بالخصوص حیاتِ فاروقی میں حیرت انگیز طور پر ابھر آئے تھے۔ فاروق اعظم کا کمال فقر و درویشی اور بے مثل وارفتگی کے ساتھ شام کے لالہ زاروں میں داخل ہونا انسانی تاریخ کا ایک دل انگیز باب ہے۔

باب ۴۸

فاروقؓ کی بردباری

عبیداللہ بن عبداللہؓ بن عتبہ نے عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے:۔

جب عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدرؓ، جو ان لوگوں میں شامل تھے جنہیں امیرالمومنین نے جنگی مہم پر روانہ کیا تھا اور جو کم عمر ہونے کے باوجود عمری مجلس کے ایک اہم رکن تھے، اپنی مہم سے واپس لوٹے تو انھوں نے اپنے بھتیجے حر بن قیس کے یہاں قیام کیا۔ عیینہ نے ایک دن اپنے بھتیجے سے کہا:۔

"تم مجھے امیرالمومنین سے ملوا سکتے ہو۔" حر نے ایسا ہی کیا۔ اب عیینہ نے چھوٹتے ہی کہا:۔

"ابنِ خطاب! آپ ہمیں ہمارا حق نہیں دیتے اور انصاف اور عدل کے ساتھ ہمارے معاملات کا فیصلہ نہیں کرتے۔"

امیرالمومنین غضب ناک ہو گئے۔ عیینہ نے سوچا اب خیریت نہیں اب یقیناً انھیں عمری عتاب کا شکار ہونا ہے۔ حُر بن قیس نے معاملے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے فوراً کہا:۔

"امیرالمومنین! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام سے فرمایا ہے:۔

"اے نبی درگزر کر اور نیکی کا حکم دے اور جاہلوں سے اعراض کر۔ اور یہ شخص جاہل اور نادان ہے۔"

چنانچہ امیرالمومنین نے، جو اللہ عزوجل کی کتاب کو خوب سمجھتے تھے اور اس کے رموز

سے کامل طور پر واقف تھے، عیینہ کو معاف کردیا۔

ابراہیم بن حمزہ سے روایت ہے:۔

"ایک بار عمر بن الخطابؓ کے پاس چند چادریں آئیں، انھوں نے یہ چادریں مہاجرین اور انصار میں تقسیم کردیں۔ ایک چادر اعلیٰ قسم کی نکل آئی۔ فرمایا:۔

"اب میں اگر یہ چادر کسی ایک خاص شخص کو دیتا ہوں تو لوگ ناراض ہو جائینگے اور یہ سمجھیں گے کہ میں نے کسی ایک شخص کے ساتھ رعایت برتی ہے۔ چنانچہ میں یہ چاہتا ہوں مجھے یہ بتایا جائے کہ تم میں کس کی نشو و نما امیرانہ ہوئی ہے؟"

لوگوں نے مسور بن مخرمہ کا نام لیا اور حضرت عمرؓ نے دوشالہ انھیں کو دے دیا۔ مگر جب سعد بن ابی وقاصؓ نے یہ دوشالہ مسور بن مخرمہ کے پاس دیکھا تو انھیں یہ بات ناگوار گذری اور وہ امیرالمومنین کے پاس شکایت لے کر آئے:۔

"تم نے مجھے یہ چادر دی اور میرے بھتیجے مسور کو اس سے بہتر قسم کی چادر دی، آخر یہ کیا؟"

جب سعد نے امیرالمومنین سے یہ کہا تو انھیں جواب ملا:۔

"ابو اسحٰق! میں نے اسے پسند نہ کیا کہ یہ قیمتی چادر تم لوگوں کو دوں کہ باہمی شکر رنجی کا باعث ہو۔ اسی لیے میں نے اسے ایک ایسے نوجوان کو دے دیا جس کی اٹھان بڑی امیرانہ تھی۔"

سعد بولے: "مگر میں نے یہ عہد کیا ہے کہ جو چادر تم نے مجھے دی ہے اسی سے میں تمہارے سر پر ماروں گا۔"

فاروق اعظمؓ نے اپنا سر جھکا دیا اور کہا:۔

"ابو اسحٰق! میرا سر حاضر ہے، لیکن بوڑھے کو بوڑھے پر رحم کرنا چاہیئے۔"

آخر سعد نے سرِ فاروق اعظمؓ پر اپنی چادر سے ضرب لگا ہی دی!

مبارک بن فضالہ بیان کرتے ہیں کہ عمرؓ میں اور ایک شخص میں کسی معاملہ میں تکرار ہوگئی، اس شخص نے کہا:۔

"امیرالمومنین! اللہ سے خوف کیجئے"۔ کسی نے کہا:۔

"اللہ سے خوف کیجئے"۔ یہ ہدایت تم امیرالمومنین کو دے رہے ہو؟"

حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا:۔

"انھیں یہ کہنے دو"۔ اس سے بہتر تلقین اور ہو بھی کیا سکتی ہے۔ اسکے بعد فرمایا:۔

"اگر تم لوگوں نے مجھ سے یہ سب کہنا چھوڑ دیا تو یہ تمہارے حق میں برا ہوگا اور اگر ہم نے اس بے بہا اور گراں قدر ہدایت کو قبول نہ کیا تو یہ ہمارے لیے بُرا ہوگا"۔

علی بن رباح کہتے ہیں کہ:۔

"جابیہ میں فاروقِ اعظمؓ نے جو تقریر کی تھی وہ میں نے بھی سُنی تھی۔ اپنی (شعلہ فشاں) تقریر میں انھوں نے فرمایا تھا:۔

"اللہ نے مجھے اس تمام مال و دولت کا امین اور خازن اور اس کا قاسم (بانٹنے والا) بنایا ہے"۔ پھر فرمایا:۔

"مگر حقیقت میں تو اللہ بانٹتا ہے۔ میں سب سے پہلے نبیؐ کے اہلِ بیت یعنی ازواجِ مطہرات سے تقسیمِ زر و مال کا کام شروع کرتا ہوں"۔

چنانچہ جویریہ، صفیہ اور میمونہ کے علاوہ تمام اُمہات المومنین کے لیے دس دس ہزار کے وظیفے مقرر ہوئے۔ اس پر حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا تھا کہ "رسول اللہ ہم لوگوں میں عدل برقرار رکھتے تھے اور عمرؓ نے بھی عدل برقرار رکھا"۔ بعد ازاں عمرؓ نے فرمایا:۔

"اُمہات المومنین کے بعد میں اپنا اور اپنے مہاجر ساتھیوں کے وظیفے کا حق تسلیم کرتا ہوں ہم لوگ وہ ہیں جنہیں صریح ظلم و ناانصافی کی بنیاد پر وطن سے نکالا گیا"۔

اس کے بعد اصحابِ بدر میں مہاجروں کا پانچ پانچ ہزار اور انصار کا چار چار ہزار

وظیفہ مقرر ہوا۔ حدیبیہ کی تاریخی صلح کے موقع پر جو لوگ نبی علیہ السلام کے ساتھ تھے ان کے لیے تین تین ہزار کے وظیفے مقرر ہوتے۔ پھر فرمایا:۔

"ہجرت میں جس نے عجلت کی روزینہ بھی اس کے پاس پہنچنے میں عجلت کرے گا۔ اور اس کے برخلاف جس نے ہجرت میں تاخیر کی ہے، روزینہ اسے تاخیر سے ملے گا۔ سو اس معاملے میں جسے ملامت کرنا ہو وہ اپنے غیر تربیت یافتہ ذوقِ ہجرت کو ملامت کرے!

البتہ خالد بن ولید کے سلسلہ میں میں تم لوگوں سے معذرت چاہوں گا۔ میں نے خالد کو حکم دیا تھا کہ وہ یہ تمام مال و دولت کمزور اور بے سہارا مہاجروں کے لیے محفوظ رکھیں۔ لیکن انھوں نے یہ مال قوی اور ذی رتبہ اور فصیح البیان اشخاص پر صرف کر دیا۔ یہی سبب تھا کہ میں نے ان سے سرداری چھین لی اور ابو عبیدہ بن الجراح رضؓ کو سرداری کی زمام دے دی۔"

یہ سننا تھا کہ مجمع سے حضرت حفص بن المغیرہ اٹھے اور کہا:۔

"اے عمرؓ یہ کیسی معذرت ہے؟ تم نے ایک ایسے سردار کو معزول کیا ہے جسے رسول اللہ نے سرداری سونپی تھی۔ تم نے ایک ایسی تلوار کو نیام میں کر لیا ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے نیام سے باہر کیا تھا۔ ایک ایسے جھنڈے کو سرنگوں کر دیا ہے جسے رسول اللہ نے لہرایا تھا۔ تم نے قرابت کا کوئی خیال نہ کیا اور ابنِ عم سے حسد برتا!

حضرت فاروق رضؓ نے صرف اتنا کہا:۔

"تم عزیز قریب ہو اور کم عمر۔ تمہیں اپنے چچیرے بھائی خالد بن ولیدؓ کے معاملہ میں غالباً طیش آگیا ہے۔"

اصبغ بن نباتہ کا بیان ہے:۔

"میں اور میرے والد زرود سے چلے تو صبح ہوتے ہوتے مدینہ پہنچے۔ صبح صادق

کا عمل تھا لوگ فجر ادا کر رہے تھے۔ نماز ہو چکی تو لوگ اپنے اپنے دھندوں پر نکل کھڑے ہوتے۔ تھوڑی دیر میں ہم نے دیکھا کہ ایک شخص ہاتھ میں دُرّہ لئے ہوئے ہمارے سر پر تھا۔ یہ شخص یہ کہتا ہوا سُنا گیا:۔

”اعرابی، اسے بیچو گے“ اور اس کے بعد جس قیمت پر وہ خریدنا چاہتا تھا اس پر اعرابی (یعنی میرے والد) کو راضی کر لیا۔ معلوم ہوا یہ مول تول کرنے والا شخص خود فاروق اعظم رضہ تھے۔ اس کے بعد عمر رضہ بازار کا چکّر لگانے لگے اور دکان داروں اور اہل کاروبار کو معاملات اور لین دین میں اللہ سے ڈرنے کی ہدایت فرمانے لگے۔ عمر کبھی بازار کے ایک سرے تک جاتے کبھی دوسرے سرے تک۔ ایک دفعہ وہ میرے والد کے قریب سے گزرے تو بولے:۔

مجھے رقم ابھی تک نہیں ملی۔ میرے والد نے پھر کہا ”یہی وعدہ تھا آپ کا“ ایک چکّر اور لگایا گیا اور فاروق کا اور میرے والد کا ایک بار پھر آمنا سامنا ہوا۔ اس بار میرے والد نے وہی بے صبری کے الفاظ پھر دُہرائے۔ جواب دیا گیا:۔

”میں جب تک تمہارا مطالبہ نہ دے دوں گا جاؤں گا نہیں“

تیسری بار عمر رضہ جب پھر اسی جگہ سے گزرے جہاں میرے والد کھڑے تھے تو عالم غیض و غضب میں وہ ان پر جھپٹ پڑے اور ان کا گریبان تھام لیا اور کہا:۔

”تم مجھ سے جھوٹ بولے، تم نے میرے ساتھ زیادتی کی“

یہ کہا اور ان سے دست و گریباں ہو گئے۔ یہ منظر دیکھ کر بہت سے مسلمان میرے والد پر ٹوٹ پڑے اور کہا:۔

”او خدا کے دشمن! تو نے امیر المومنین سے یہ جسارت کی ہے“

عمر رضہ نے میرے والد کا گریبان اس مضبوطی سے تھام لیا کہ وہ بالکل بے بس ہو گئے عمر تھے بھی بے حد شدید اور قوی۔ پھر وہ انہیں لیے لیے ایک قصاب کی دکان پر جا پہنچے“ اور کہا:۔

”میں نے تم کو قسم دلائی تھی کہ اس شخص کو اس کا حق دے دینا اور مجھے میرا منافع“

قصّاب نے کہا:۔

"امیر المومنین! میں نے ابھی تک ایسا نہیں کیا لیکن میں اس شخص کو اس کا حق دیے دیتا ہوں اور آپ کو آپ کا منافع"۔ قصہ یہ تھا کہ عمرؓ نے میرے والد سے قصّاب کے لیے جانور خرید کئے تھے۔ تو میرے والد کو جانور کی قیمت اور عمرؓ کو اس کا منافع ملنا تھا۔

چنانچہ جب میرے والد کو ان کا مطالبہ مل گیا تو عمرؓ نے فرمایا:۔

"تمہیں تمہارا مطالبہ مل گیا" انھوں نے کہا:۔

"ہاں" فرمایا:۔

"لیکن ہمارا مطالبہ تم پر اب تک باقی ہے۔ تم نے مجھے زد و کوب کیا اور گھسے رسید کیے اور میں نے جوابی کارروائی کو اللہ کی خاطر ترک کر دیا"! اصبغ کہتے ہیں:۔

"وہ منظر اب تک میری نظروں میں ہے"۔

عمر نے اپنے منافع کی ایک ران ایک ہاتھ میں لٹکا رکھی ہے اور دائیں ہاتھ میں اُن کا درہ ہے۔ وہ پورے بازار سے اسی عالم میں گزر گئے اور اپنے اونٹ پر جا بیٹھے۔

حسین کا بیان ہے:۔

ایک دن غضب کی گرمی پڑ رہی تھی۔ عمرؓ نے اپنی چادر سے اپنا سر ڈھانپ رکھا تھا۔ ادھر سے ایک نوجوان ایک گدھے پر سوار آ نکلا۔ عمرؓ نے کہا:۔

"بیٹے مجھے بھی بٹھالو"۔ آجکل کی اصطلاح میں گویا لفٹ مانگی گئی!

نوجوان بڑی تیزی سے اپنی سواری پر سے اُتر آیا اور کہا:۔

"امیر المومنین آپ بیٹھ جائیں"۔

فرمایا "ہرگز نہیں۔ تم بھی بیٹھو گے اور میں بھی۔ میں تمہارے پیچھے بیٹھ جاؤں گا۔ تم یہ چاہتے ہو گے کہ دشوار گزار راستے گزر جائینگے تو تم بھی سوار ہو جاؤ۔ یعنی تم میرے ساتھ رعایت برتنا چاہتے ہو لیکن ایسا نہیں ہو گا۔ تم بھی سوار ہو گے اور میں بھی میں تمہارے

پیچھے بیٹھ جاؤں گا۔"

حسن کہتے ہیں اسی عالم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ میں داخل ہوئے۔ خر سوار آگے بیٹھا تھا اور امیرالمومنین اس کے پیچھے۔ اور اہلِ مدینہ یہ عجیب اور دل انگیز منظر دیکھ رہے تھے۔

سعدیؒ نے خوب کہا ہے:۔

تواضع زگردن فرازاں نکواست

(آج کی پُر تکلّف اور نمائشی دنیا میں مساوات اور عدل اور انسانی حُرمت کی باتیں تو خوب ہوتی ہیں۔ البتہ ان پر عمل شاید ہی کسی مرحلہ پر ہوتا ہو۔ اس عہد کے ایک بڑے اہلِ قلم نے اپنی ایک کتاب میں ایک بار اس بات پر حیرت کا اظہار کیا تھا کہ چین میں عدالت العالیہ کے جج بسوں میں سفر کرتے ہیں، مگر اسلام کی درخشاں تاریخ تو ایسی مثالوں سے کہیں زیادہ ولولہ انگیز مثالوں سے پُر ہے۔ آخر ہم اسلامی تاریخ سے جو عالمی تاریخ کے تہذیبی حصہ کا نام ہے۔ کیوں نہیں درس اور رہنمائی حاصل کرتے۔ ش۔ ح۔ ع) واقعی

تواضع زگردن فرازاں نکواست!

باب ۴۹

اسلام کے عظیم کشور کشا کا حیرت انگیز زہد و اتقا اور انکی امانت کوشی

مسور بن مخرمہ نے بیان کیا ہے کہ ہم عمرؓ کے در پر علم کا سوال لے کر جایا کرتے تھے۔

یونس بن ابی یعقوب نے اپنے والد کو عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے سنا تھا:۔

"ایک بار میں نے ایک اونٹ خریدا اور پھر اسے محفوظ سرکاری چراگاہ میں بھجوا دیا۔ اور جب وہ خوب تیار ہو لیا تو میں اسے لے کر مدینہ آ گیا۔ اتفاق سے میرے والد بھی بازار آتے اور ایک موٹے تازے اونٹ کو دیکھ کر پوچھا:۔

"یہ اونٹ کس کا ہے؟" اور پھر خود ہی فرمایا:۔

"خوب خوب، امیر المومنین کے صاحبزادے کا! یہ طنزیہ کلام سن کر میں دوڑا آیا اور عرض کیا امیر المومنین کیا ہوا؟"

فرمایا: "یہ اونٹ کیسا ہے؟"

میں نے کہا:۔

"دراصل قصہ یہ ہے کہ میں نے بھی عام مسلمانوں کی طرح اپنے اونٹ کو سرکاری چراگاہ میں بھجوا دیا تھا۔"

امیر المومنین بول اٹھے: "مگر وہاں یہ ہوا ہو گا کہ: ارے ذرا اس اونٹ کو دیکھنا۔ یہ

امیر المومنین کے بیٹے کا اونٹ ہے۔ ابن امیر المومنین کا اونٹ۔ ابن امیر المومنین کا اونٹ! نہیں عبد اللہ نہیں، اصل قیمت مجھے واپس کر دو اور اس پر تمہیں جو بھی نفع ملا ہے اسے بیت المال میں داخل کر دو۔"

عبد اللہ ابن عمرؓ کا ایک بیان ہے جو ہمیں تمیع ابن عمیر التیمی سے پہنچا ہے:۔

"میں جلولا کی مہم میں شریک تھا اور میرے حصہ میں اتنا مالِ غنیمت آیا تھا کہ میں نے اسے چالیس ہزار درہم میں فروخت کر دیا۔ اس خطیر رقم کو لے کر میں مدینہ آ گیا اور اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ والد نے مجھ سے پوچھا:۔

"یہ کیسی رقم ہے؟"

"میں نے کہا:" میں نے اپنے حصہ کا مالِ غنیمت فروخت کیا ہے۔"

کہنے لگے: "عبد اللہ! اگر یہ رقم مجھے دوزخ کی آگ کی طرف لے گئی تو پھر تمہیں اس کا فدیہ دینا پڑے گا۔"

عبد اللہ نے کہا: "میرے پاس جتنا مال ہے وہ سب کا سب میں بطور فدیہ دینے کے لیے تیار ہوں! مطلب یہ کہ یہ رقم ہرگز ہرگز مشتبہ نہیں ہے۔"

امیر المومنین اس پر بھی مطمئن نہ ہوئے اور کہا:۔

"میرا خیال ہے کہ اتنی رقم تم کو اس لیے مل گئی کہ لوگوں نے سوچا ہوگا کہ تم رسول اللہ کے صحابی اور ان کی صحبت میں اٹھنے بیٹھنے والے اور امیر المومنین کے بیٹے اور ان کے خاندان کے سب سے معزز رکن ہو۔ اس لیے تمہارے معاملے میں رعایت ہونی چاہیئے۔ تم سے ترجیحی سلوک کیا گیا ہے۔ مجھے یہ منظور ہے کہ بجائے اس کے کہ تم سے ایک درہم کی بھی رعایت کی جائے تم سے ایک درہم زیادہ ہی وصول کیا جائے۔ پھر مجھ سے یہ تمام مال لے کر فرمایا:" اب میں تم کو اتنا منافع دلواؤں گا جو اس منافع سے زیادہ ہوگا جو عام حالات میں کسی اہلِ قریش کو ملا کرتا ہے۔" ظاہر ہے یہاں وہ منافع منظور ہے جو ایثار پیشگی کے عوض ہمیشہ قائم رہنے والے جہاں میں ملے گا!

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سوایسا زیاں نہیں ۔

بعد ازاں امیرالمومنین صفیہ بنت ابی عبید کے یہاں گئے اور ان سے جس قدر رقم بھی وہ دے سکتی تھیں اس کا مطالبہ کیا۔ صفیہ نے یہ رقم بخوشی دے دی۔ اب امیرالمومنین ایک ہفتہ تک بالکل مجھ سے الگ تھلگ رہے۔ پھر تاجروں کو بلوایا اور اس قلیل مدت میں انھوں نے جو مال حاصل کرلیا تھا اس کا معاملہ تاجروں سے کرلیا گیا اور انھیں چار لاکھ کی رقم ملی۔ اس رقم میں انھوں نے اسّی ہزار درہم مجھے دیئے اور تین سو بیس ہزار درہم سعدرضؓ کے کے پاس بھیج دیے۔ سعد کو ہدایت دی گئی تھی کہ وہ اس رقم کو غازیانِ معرکہ میں تقسیم کردیں اور جو لوگ اس معرکہ میں جامِ شہادت نوش کرچکے ہیں ان کے حصے کی رقوم ان کے وارثوں میں تقسیم کردی جائیں۔

ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں :۔

"میں نے اپنے والد سے جہاد کی اجازت مانگی تو مجھ سے عجیب بات کہنے لگے۔"

"عبداللہ مجھے خدشہ ہے کہ تم شرعی حدود توڑ دو گے۔"

میں نے کہا: "استغفراللہ! یعنی میرے بارے میں آپ کو یہ خدشہ ہے!"

کہنے لگے، "ہاں ہوگا یہ کہ جہاد میں تم لوگ دشمن کا مقابلہ کرو گے۔ قتال کا بازار گرم ہوگا۔ قیدی آئیں گے۔ مالِ غنیمت جمع ہوگا۔ پھر مثلاً مالِ غنیمت میں آئی ہوئی کوئی خوش گِل لڑکی اگر فروخت کے لیے پیش کی جائے گی تو تم اسے خرید لو گے اور لوگ یہ سوچ کر تم کو ایسا کرنے دیں گے کہ تم امیرالمومنین کے فرزند ہو۔ گویا مالِ غنیمت کی تقسیم میں "وللّٰہ وللرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل" کا معیار پس پشت ڈال کر امیرالمومنین کی فرزندی کو معیار قرار دیا جائے گا۔ پس ایسی صورت میں تمہارا مثلاً اس قسم کی کنیز کا اپنے تصرف میں لانا حدود سے تجاوز کے مرادف ہوگا۔ اب اس مسئلہ کو یہیں ختم کردو۔"

اسماعیل نے محمد بن سعد بن ابی وقاص سے روایت کی ہے:۔

"عمر کے پاس بحرین سے مشک و عنبر کی کچھ مقدار آئی۔ فرمایا:۔

"کیا اچھا ہوتا اگر کوئی عورت اس تمام خوشبو کے ذخیرہ کو بہت صحیح طور پر تول دیتی تاکہ تمام مسلمانوں کو برابر کا حصہ مل جاتا۔ ان کی بیوی عاتکہ بولیں:۔

میری تول بہت اچھی ہے۔ کہئے تو میں تول دوں" فرمایا:۔

"نہیں"

عاتکہ نے پوچھا، "کیوں؟

کہنے لگے:" مجھے خدشہ ہے تم اسے یوں لگاؤ گی" اس کے بعد اپنی انگلیاں کنپٹی پر پھیریں" اور اپنی گردن پر بھی اسے ملو گی۔ اور یوں میرے حصہ میں مشک عام مسلمانوں کے حصہ سے زیادہ آجائے گی" عطارہ کہتی ہیں:۔

بیت المال سے متعلق خوشبوئیں (PERFUMES) وغیرہ آتی تھیں تو انھیں فروخت کر کے وہ رقم خزانہ میں رکھ لی جاتی تھیں۔ امیر المومنین یہ خوشبوئیں اور لذیذ اشیا اپنی بیوی کے پاس رکھواتے تھے جنہیں خوشبوئیں اور نفیس اشیا فروخت کرنے کا کام سپرد ہوتا تھا۔

ایک دن امیر المومنین کی بیوی نے یا آجکل کی اصطلاح میں قلمرو اسلام کی خاتون اول نے خوشبو کی کچھ مقدار میرے ہاتھ بھی فروخت کی۔ وزن کرتے وقت انہیں بار بار مقدار کو کم یا زیادہ کرنا پڑتا۔ تولنے میں کوئی میٹھی چیز زوجۂ عمرؓ کی انگلیوں میں لگی رہ گئی جسے انھوں نے منہ میں رکھ لیا اور پھر اپنی انگلیاں اپنے آنچل سے پونچھ لیں۔

امیر المومنین اپنے گھر میں داخل ہوتے تو بیوی کے آنچل کو خوش بو پایا، پوچھا:۔

"یہ کیسی بو ہے؟"

بیوی نے صورتِ حال واضح کی تو فرمایا:۔

تو یہ کہیے بیت المال کی خوشبوؤں اور لذائذ سے متمتع ہوا جا رہا ہے۔ یہ کہہ کر بیوی کے

سر کی پوشش پر پانی انڈیلنا شروع کیا اور جب اس سے بھی اطمینان نہ ہوا تو آنچل کو لیکر زمین پر رگڑنا شروع کر دیا تاکہ وہ خوشبو سے پاک ہو جائے!

(سعدی شیرازی نے اپنے معجز نما کلام کے بارے میں کہا تھا ع

حد ہمیں بود سخندانی و خوش خوانی را!

میں اس واقعہ سے متاثر ہو کر فاروق کی جناب میں ذیل کا یہ مصرع پیش کرتا ہوں ع

حد ہمیں بود خدا ترسی و فاروقی را!

یعنی تقویٰ اور پرہیزگاری اور عفافِ نفس اور حق و باطل میں امتیاز کے لئے اگر کوئی حد ہو سکتی ہے تو بس یہی ہے! ش۔ ح۔ ع)

یہی عطارہ کہتی ہیں کہ:۔

"ایک اور موقع پر میں امیرالمومنین کی بیوی کے پاس پھر گئی۔ اس بار بھی جب انھوں نے میرے لیے ایک چیز تولی تو اس کا کچھ حصہ ان کی انگلی میں لگا رہ گیا۔ میں نے چاہا، میں وہ بھی لے لوں انہوں نے اسے، غالباً وہ کوئی میٹھی چیز تھی، منھ میں رکھ لیا لیکن فوراً ہی اپنا ہاتھ زمین پر مل ڈالا۔ میں نے کہا:۔

ارے ارے یہ کیا کر رہی ہیں، آپ پہلے تو ایسا نہیں کرتی تھیں"۔ کہنے لگیں:۔

"اس بار تمہیں معلوم ہے، انہوں نے (مراد امیرالمومنین) میرے ساتھ کیا کیا تھا؟ اور میری کیا دُرگت بن گئی تھی؟"

انس رضؓ کہتے ہیں:۔

"عمر رضؓ نے جب یہ آیتیں پڑھیں:۔

(یہ دراصل قرآن مجید کے اسی ویں سورۂ عَبَسَ کی ۲۷ ویں، ۲۸ ویں، ۲۹ ویں، ۳۰ ویں اور ۳۱ ویں آیتیں ہیں۔ ہر آیت دو دو تین تین لفظوں پر مشتمل ہے۔ آیات کا ترجمہ یہ ہے:۔

پھر ہم نے اس زمین میں اناج اُگایا اور انگور اور ترکاری اور زیتون، اور کھجوریں اور گھنے گھنے باغ اور میوے اور چارا اگائے۔ (ش۔ ح۔ ع)

تو فرمایا:۔

"اور تمام چیزیں تو ہم جانتے ہیں۔ یہ ابّ کیا شے ہے (ابّ یعنی چارا) یہ ہم نہیں جانتے۔"

اس کا مطلب ہرگز نہ سمجھا جائے کہ حضرت عمرؓ قرآن کی تفسیر و تشریح سے اعراض کرتے تھے اور بقول ابوبکر بن مقسم اوّل تو یہ لفظ ان کے علاقہ میں مستعمل نہ تھا اور یہ کوئی ایسا بحث طلب معاملہ نہ تھا۔ دوسرے یہ کہ یہ استفہام دراصل توضیح کی خاطر تھا۔ ورنہ ممکن ہے اس لفظ کو اہل بدعت خیال آرائیوں کا ہدف قرار دیتے۔

عبدالرحمٰن بن عمرو الاشعری کا بیان ہے:۔

"ایک روز میں عمر رضی اللہ کی طرف جانکلا۔ ان کے پاس ایک اونٹنی تھی جس کا دودھ ان کے اپنے استعمال میں آتا تھا۔ ان کا غلام ان کے لیے کہیں اور سے دودھ لایا۔ اسے انہوں نے پی لیا۔ تو دفعتہً پوچھا:۔

"تو یہ دودھ کہاں سے لایا تھا؟

غلام بولا:۔

"آپ کی اونٹنی پر اُس کا نوزائیدہ بچہ ٹوٹ پڑا تھا۔ سو میں ایک سرکاری اونٹنی کا دودھ نکال لایا۔"

امیرالمومنین غضبناک ہوگئے۔ ارشاد ہوا:۔

"کم بخت تو نے میرے پیٹ میں آگ ڈال دی۔ اور مجھے دودھ کی شکل میں نار سے سیراب کیا۔ جا، جاکے علی ابن ابی طالب کو بُلا لا۔" وہ آئے تو فرمایا:۔

"اس شخص نے بیت المال کی اونٹنی کو میرے لیے دوہا ہے۔ کیا آپ کے نزدیک یہ دودھ میرے لیے حلال ہے؟"

"نعم، یا امیرالمومنین۔ بیت المال کی اونٹنی کا دودھ بھی آپ کے لیے حلال ہے اور اس اونٹنی کا گوشت بھی!" حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا۔

باب ۵۰

فاروق کی خشیت الٰہی اور انکا بے نظیر زھد و تقویٰ

ابو بردہ نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے:۔

"ایک بار میرے والد نے تمہارے والد سے ملاقات کی اور ان سے کہا کہ:۔

"تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تم نے اپنی منصبی زندگی اس خوبی سے گزار دی، تمہارا حساب بالکل صاف رہا، یعنی تمہارے اچھے کاموں نے تمہاری لغزشوں اور تمہاری لغزشوں نے تمہارے اچھے کاموں کی تلافی کردی ہے۔ (ابن عمرؓ کہتے ہیں) اس پر تمہارے والد نے کہا:

"بخدا، اے مومنوں کے امیر: میں جس وقت بصرہ پہنچا تھا میں نے وہاں ظلم و ستم کی حکمرانی دیکھی۔ پھر میں نے اہل بصرہ کو قرآن و سنّت کی تعلیم دی اور ان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور میں ان خدمات کے پیش نظر اپنے کو فضیلت کا مستحق سمجھتا ہوں۔"

"اب سنو! میرے والد کیا کہتے ہیں؟ وہ کہتے ہیں":۔

"مگر میں (مراد ابن الخطابؓ) تو صرف اتنی سی بات چاہتا ہوں کہ جب میرا یہ دور خلافت و امامت تمام ہو تو کم از کم میرا کیا دھرا سب میرے لیے برابر ہو جائے۔ یعنی میں مستحق فضیلت نہ قرار پاؤں تو مستحق عقوبت بھی نہ قرار پاؤں۔" یعنی میرا حساب بالکل پاک ہو جائے۔ نہ مجھے کچھ لینا رہے اور نہ دینا! اور میں چاہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت گری اور چاکری کے سلسلے میں میرے سب کے سب کام خالص اور خالی از غرض ہوں۔"

ابو بردہ کہتے ہیں: میں نے یہ سنکر ابن عمرؓ سے کہا کہ تمہارے والد کا رتبہ میرے والد سے

فزوں تر ہے۔

مسروق کا بیان ہے کہ :۔

"عبدالرحمٰن ابن عوف حضرت ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ام المومنین ام سلمہؓ نے آنحضرت کا ایک قول دُہرایا جو یہ ہے :۔

"میرے صحابہ میں چند لوگ ایسے ہیں جو میری موت کے بعد مجھے کبھی نہ دیکھیں گے۔"

عبدالرحمٰن یہ سنکر کانپ اٹھے اور اسی سراسیمگی کے عالم میں حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے ان سے کہا :۔

"آپ نے سنا، ام المومنین کیا کہہ رہی ہیں۔"

امیر المومنین یہ سنتے ہی ام سلمہ کی بارگاہ میں پہنچے اور ان سے انھیں قسم دلوا کر پوچھا کہ کہیں ان لوگوں میں وہ خود تو شامل نہیں۔"

ام سلمہ نے ارشاد فرمایا :

"نہیں۔" لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ "وہ کسی کو بری کرنے کے لیے تیار نہیں۔"

داؤد بن علی نے یہ عمری ارشاد نقل فرمایا ہے۔

"اگر فرات کے ساحل پر ایک بکری بھی بلا سبب مر گئی تو میرے گمان میں قیامت کے دن اللہ مجھ ہی سے اس کے بارے میں پوچھ گچھ کرے گا۔"

بالکل یہی بات مجاہد نے بھی عبداللہ بن عمر کے حوالہ سے بیان کی ہے۔

حیات فاروقی کا ایک اور دل انگیز منظر، جسے علی ابن طالب نے اپنے الفاظ میں بیان کیا یہ ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے الفاظ یہ ہیں :۔

"میں نے دیکھا کہ عمر بن الخطابؓ ایک اونٹ کی ننگی پشت پر بیٹھے ہوئے ایک طرف کو چلے چلے جا رہے ہیں۔ میں نے یہ دیکھ کر کہا :۔

"امیر المومنین! کدھر کا قصد ہے؟"

فرمایا: "صدقہ کا ایک اونٹ گم ہوگیا ہے، اس کی تلاش میں نکلا ہوں۔" میں نے کہا: "اس نوع کے تقویٰ کی مثال قائم کرکے آپ نے اپنے آئندہ جانشینوں کو رتبے میں اپنے سے بہت فروتر کردیا ہے۔"

اِس پر عمر رضؓ نے مجھ سے فرمایا: "ابوالحسن مجھے اس پر ملامت مت کرو۔ اس خدا کی قسم کہ جس نے محمدؐ کو نبوت کا منصب دیکر بھیجا ہے، اگر لب فرات پر کوئی بھیڑ کا بچہ بھی ضائع ہوگیا تو قیامت میں مجھ ہی سے اس کی پرسش ہوگی۔"

طارق کہتے ہیں۔ ہم نے ابن عباس سے سوال کیا:۔

"عمر کیسے آدمی تھے؟"

فرمایا: "وہ ایک پرند کے مانند تھے جو ہر جانب یوں نگاہ دوڑائے رکھے جیسے اس کیلئے ہر ہر قدم پر ایک جال بچھا دیا گیا ہو!"

ابوسلامہ کا بیان ہے:۔

"میں ایک بار فاروق کے قریب پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہ حرم میں بڑی سختی کے ساتھ عورتوں اور مردوں کو اس بات کا حکم دے رہے ہیں کہ وہ حوض پر علیحدہ علیحدہ بیٹھ کر وضو کریں بہرحال جوں ہی اُن کی نظر مجھ پر پڑی۔ امیر المومنین نے مجھے نام لے کر پکارا:۔

میں نے کہا، "جی۔" (یہ لبیک کا مفہوم ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ش۔ح۔ع)۔

فرمایا، "جی جی سے کام نہیں بنے گا۔ میں کہتا ہوں کیا میں نے تم کو یہ حکم نہیں دیا تھا کہ عورتوں اور مردوں کے لیے وضو کے حوض کا الگ الگ انتظام ہونا چاہیئے۔"

اس کے بعد ہی وہ علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ان سے اپنا دردِ دل بیان کیا۔ اور فرمایا:۔

"میں تو تباہ ہوگیا!"

علی رضؓ نے کہا: "وہ کیسے؟"

فرمایا: "میں نے خاص اللہ عزّ وجلّ کے حرم میں مردوں اور عورتوں کو تنبیہ کی اور اُنہیں مارا۔"

حیدر کرار بولے: "امیر المومنین آپ راعی ہیں اور لوگ رعایا۔ اگر آپ نے انہیں ان کی بھلائی اور ان کی صلاح وفلاح کی خاطر مارا ہے تو اللہ آپ کو ہرگز سزا نہ دے گا۔" لیکن اگر اس مارنے میں کوئی جذبہ عناد شامل تھا تو بے شک یہ آپ کا ظلم اور جُرم قرار پائے گا

حسن البصری سے روایت ہے:۔

"عمرؓ مدینہ کی گلیوں میں گھوم پھر رہے تھے کہ ان کے سامنے " وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا (اور وہ لوگ جو اہل ایمان زن و مرد کو بغیر ان کی خطا کے اذیت دیتے ہیں) کی آیت آئی۔ اس آیت کو سنتے ہی فاروق نے اپنا محاسبہ شروع کر دیا۔ پھر علیؓ سے فرمایا:۔

"میں مومنوں اور مومنات کو بڑی اذیت پہنچاتا ہوں۔"

اس کے بعد ہی وہ اُبیّ بن کعبؓ کے پاس پہنچے۔ ابن کعب اپنے مکان میں ایک سجّادہ پر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے سجادہ اپنے نیچے سے کھینچ لیا اور امیرالمومنین سے کہا:۔

"آپ اس پر تشریف رکھئے۔" فاروق ہٹ گئے اور فرمایا، "نہیں۔"

اور اس کے بعد اسے پاؤں سے سرکا دیا اور یوں ہی فرش پر بیٹھ گئے اور آیت بالا پڑھ کر اپنے شبہ کا اظہار کرنے لگے کہ کہیں وہ خود تو اس آیت کریمہ کے مصداق نہیں ہیں۔

ابی نے کہا:۔

"نہیں نہیں، آپ تو امت کو ادب سکھلاتے ہیں اور اس کی تربیت فرماتے ہیں اس سلسلہ میں آپ مجبور ہیں کہ بعض چیزوں کا اسے حکم دیں اور بعض سے باز رکھیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے یہ سب سننے کے بعد کہا بھی تو یہ کہا کہ اللہ بہتر جانتا ہے اور اصل حقیقت کا علم صرف اسی کو ہے۔"

حسن نے ایک اور بات سنائی ہے وہ یہ ہے :۔

"کبھی کبھی ابن الخطابؓ اپنا ہاتھ آگ کے قریب لیجایا کرتے اور پھر فرماتے :۔

"ابن خطابؓ تجھے اس سوزش کی برداشت ہے ؟"

ضحاک کہتے ہیں: عمرؓ نے ایک بار فرمایا :۔

"کاش میری زندگی ایک مینڈھے کی زندگی ہوتی ۔یعنی مجھے کچھ لوگ پال لیتے ۔پھر موٹا تازہ کرتے ۔اور جب مجھ پر خوب چربی چڑھ جاتی تو مجھے مہمانوں کی خاطر ذبح کر دیا جاتا ۔کچھ لوگ میرا بھنا ہوا گوشت کھا لیتے اور کچھ میرے گوشت کا شوربہ پیتے ۔غرض مجھے کھا پی کے یار لوگ یوں میرا قصّہ تمام کر دیتے !"

عبداللہ بن عامر بن ربیعہ کہتے ہیں :۔

"ایک بار میں نے دیکھا کہ عمر بن الخطابؓ نے زمین سے مٹی کا ایک تودہ ہاتھ میں اٹھا لیا اور پھر کہا :۔

"کاش میں مٹی کا یہ ٹکڑا ہوتا ۔کاش میری تخلیق ہی سرے سے عمل میں نہ آتی ۔کاش میں اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہی نہ ہوا ہوتا ۔کاش میں ملیا میٹ ہو چکا ہوتا !"

قتادہ کہتے ہیں ، "عمر بن الخطابؓ جب شام آئے تو ان کے سامنے چند ایسی غذائیں لائی گئیں جنہیں انھوں نے اس سے قبل کبھی نہ دیکھا تھا ۔خلاصہ کلام یہ کہ یہ غذائیں ان کے سامنے آئیں تو کہنے لگے :۔

"یہ سب تو ہم لوگ کھائیں اور غریب لوگوں کے لیے کیا انتظام کیا گیا ہے ۔" خالد بن ولیدؓ حاضر مجلس تھے انھوں نے لقمہ دیا :۔

"امیر المومنین ان کے لیے جنّت ہے ۔"

امام عادل کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں ، بولے :۔

"اگر ہمارے حصے میں یہ سب ہے اور ان فقراء المسلمین کے لیے جنت تو حصول نعمت

الٰہی میں وہ ہم سے کس قدر آگے نکل گئے۔"

عون بن ابی جحیفہ سے ان کے والد نے بیان کیا تھا کہ ایک بار فاروق اعظمؓ کی خدمت میں کچھ لوگ تنگیِ معیشت کی شکایت لے کر پہنچے۔ عمرؓ کی چشمِ پاک میں نم آلود ہوگئی اور انھوں نے کمالِ تضرّع سے بارگاہِ صمدیت میں دُعا کی۔

"الٰہی میرے ہاتھوں انہیں ہلاک مت کر۔"

یہ کہا اور پھر سب کو کھانا کھلوایا۔

قاسم بن محمد بن ابی بکر کا بیان ہے :۔

قادسیہ کے معرکہ کے دوران سعد بن ابی وقاص نے کسریٰ یعنی ایرانِ قدیم کے تاج دار کی تلوار، اس کی زرہ اور اس کا لباس اور تاج پوشش یہ سب چیزیں بارگاہِ خلافت میں بھجوادیں حضرت عمرؓ نے مجلس پر ایک نگاہ ڈالی۔ حاضرین میں سراقہ بن جشعم المدلجی سب سے زیادہ جسیم اور قد آور دکھائی دیئے۔ اُن سے فرمایا :۔

"لو ذرا یہ پہن کر دکھاؤ تو سہی۔"

سراقہ کا بیان ہے کہ میری نظریں اس لباسِ فاخرہ پر تھیں ہی۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا یعنی اس لباس کو پہن لیا۔ پھر مجھ سے فرمایا :۔

"ذرا پیچھے ہو"، میں پھر گیا۔ پھر کہا: "میری طرف دیکھو" میں نے حکم کی تعمیل کی۔ بولے: "بہت خوب بہت خوب، بنی مدلج کے بادیہ نشین کو دیکھو اور کسریٰ کی اس قبائے زر کو دیکھو۔ سراقہ تم اب اس لباس کو اتار دو۔ ورنہ تمہارے خاندان میں یہ چیزیں باقی رہ گئیں تو تمہارا قبیلہ اس پر ناز کرے گا" ؎

بس کُن ز کبر و ناز کہ دیدہ است روزگار
چین قبائے قیصر و طرفِ کُلاہ کے! (حافظ)

سراقہ کہتے ہیں مجھ سے کسریٰ کا لباس اُتروا کے امیر المومنین نے ارشاد فرمایا :۔

"اے اللہ تونے یہ تمام لعل وزر اور تاج و نگیں نبی علیہ السلام اور ابوبکر رضؓ کے دور میں اُمت کو نہیں عنایت فرمایا۔ بلکہ میرے دور میں عنایت فرمایا۔ اگرچہ نبی علیہ السلام اور ابوبکر رضؓ دونوں تیری نگاہ میں مجھ سے کہیں زیادہ مکرم اور محبوب تھے۔ اب میں تیری پناہ کا طالب ہوتا ہوں میں جانتا ہوں تونے مجھے یہ سب کچھ اس لیے عطا کیا ہے کہ تجھے میری آزمائش مقصود ہے۔"

اس کے بعد وہ ترحم انگیز حد تک گریہ زن ہو گئے اور عبدالرحمٰن بن عوف سے فرمایا کہ "وہ شام آنے سے پہلے پہلے یہ تمام مال وزر اور لعل و گہر اُمت میں تقسیم کر دیں۔"

تجھے اُس قوم نے پالا ہے آغوش محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاج سرِ دارا

ابوبکر ابن عیاش کہتے ہیں:۔

"جس وقت کسریٰ کا تاج عمر رضؓ کے پاس لایا گیا تو فرمایا:۔

"وہ لوگ جنہوں نے یہ تاج (جو ظاہر ہے کیسا کچھ مزین اور مشین رہا ہوگا) ہمارے سپرد کر دیا، کیسے امانت دار لوگ ہیں۔" اس پر علیؓ بول اُٹھے:۔

"دراصل قوم نے آپ کو پاکیزہ پایا اور وہ بھی پاکیزہ ہوگئی۔ کہیں آپ راہ حق سے منحرف ہو گئے ہوتے تو آپ دیکھتے کہ قوم بھی حق سے منحرف ہو گئی ہے۔"

ابو سنان کہتے ہیں:۔

"ایک موقع پر میں امیر المومنین سے ملنے گیا۔ مجلس عمر رضؓ میں مہاجرین کرام بھی تشریف فرما تھے۔ امیر المومنین نے وہ عطر دان منگوا بھیجا جو ان کی خدمت میں عراق کے ایک مفتوحہ قلعہ سے مال غنیمت میں آیا تھا۔"

اس عطر دان میں ایک انگوٹھی بھی تھی۔ امیر المومنین کے خاندان کے کسی لڑکے نے یہ انگوٹھی اٹھالی اور لڑکپن میں اسے منہ میں رکھ لیا۔ لیکن آپ نے انگوٹھی اس لڑکے سے چھین لی اور

رو دیئے۔ حاضرین میں سے کسی نے پوچھا:۔

"آپ کیوں روتے ہیں۔ اللہ نے آپ کے عہد میں فتوحات کا دروازہ کھول دیا ہے اور آپ کو دشمن پر غلبہ عنایت کیا ہے اور آپ کی آنکھوں کو ان رُوح پر مناظر سے شاد کیا ہے۔"

امیرالمومنین نے فرمایا:۔

"میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سُن رکھی ہے کہ جس وقت دُنیا (اپنی فتنہ انگیز نعمتوں کے ساتھ) کسی گروہ میں آجاتی ہے تو وہ اپنے ساتھ بغض و عناد اور عداوت و رقابت بھی لاتی ہے اور یہ رقابت تا قیامت برقرار رہتی ہے اور مجھے سارا دھڑکا اسی کا لگا ہوا ہے۔"

ابنِ ربیعہ بیان کرتے ہیں:۔

جلولاء یا نہاوند سے غنیمت کا مال آیا ہوا تھا۔ اسے صحنِ مسجد میں لاکر رکھا گیا اور جب آتشیں رُخ سورج کی کرنیں اس اندوختۂ سیم و زر پر پڑیں تو وہ ایک پُراسرار اور ملکوتی تابانی کے ساتھ منور ہو گیا۔ حضرت عمرؓ پر پھر گریہ طاری ہوا۔ کسی نے کہا:۔

"امیرالمومنین یہ دن حُزن و ملال کا نہیں۔ یہ تو خوشی کا مقام ہے۔"

فرمایا: "یہ میں بھی سمجھتا ہوں، لیکن جب بھی کسی قوم میں دولت آتی ہے تو دولت کے ساتھ عداوت بھی آتی ہے۔"

ابراہیم بن سعد کہتے ہیں کہ:۔ عمرؓ بن الخطاب کے پاس کسریٰ کے خزانے لائے گئے۔

عبد بن ارقم بولے:۔

"اجازت ہو تو میں یہ سب مال و زر بیت المال میں رکھوا دوں تاکہ پھر اس کی تقسیم عمل میں لائی جائے۔" مگر امیرالمومنین نے فرمایا:۔

"واللہ میں اس مال کو کسی چھت کے نیچے رکھنے سے پہلے پہلے ٹھکانے لگا دوں گا۔"

غرض یہ کہ یہ سب کا سب مال صحنِ مسجد میں لا کے رکھا گیا۔ تمام رات اس پر پہرہ رہا صبح ہوتی اور سامان سے نقاب ہٹائی گئی تو سُرخ و سفید (زر و سیم) کا سرور بخش منظر دکھائی دیا۔ فاروق رو پڑے۔ کسی نے کہا:۔

"امیر المومنین! یہ رونے کا محل تو نہ تھا"

فرمایا: "کوئی قوم ایسی نہیں آئی جس میں دولت و ثروت نے بغض و عناد کے جذبات نہ پیدا کر دیئے ہوں"

ابو موسیٰ نے بھی حسن کے حوالے سے اسی واقعہ کی منظر کشی کی ہے اور اس روایت میں بھی امیر المومنین کو مال و زر کی فراوانی پر متوحش اور تشویش زدہ ہوتے دکھایا گیا ہے۔

اب سنئے سعید بن المسیّب کی بیان کردہ روایت:۔

جلولاء کے معرکہ میں سعد بن ابی وقاص کو پورے تیس کروڑ درہم ہاتھ آئے۔ انھوں نے اس میں سے چھ کروڑ (مجاہدوں کے لئے) نکال کر باقی کُل کی کُل رقم زیاد بن ابی سفیان کی معرفت، جنہیں اس وقت تک ابو عبیدہ کہا جاتا تھا۔ دار الخلافہ بھجوادی۔ امیر المومنین نے ایک نظر اس مال و متاع پر ڈالی پھر فرمایا:۔

"اس مال پر کوئی چھت اس وقت تک اپنا سایہ نہ ڈال سکے گی جب تک کہ میں اسے مسلمانوں میں تقسیم نہ کر دوں گا"

چنانچہ عبداللہ بن ارقم اور عبدالرحمٰن بن عوف تمام رات مسجد کے سائبانوں میں اس مال کی حفاظت اور پاسبانی کرتے رہے۔ صبح ہوئی اور چمڑے کے سرپوش جو مالِ غنیمت پر رکھ دیے گئے تھے۔ ہٹائے گئے تو اس منظر کو دیکھ کر فاروق رضی اللہ عنہ پر گریہ طاری ہو گیا۔ ابن عوف نے کہا بھی:

"امیر المومنین! یہ تو رونے کا نہیں شکر ادا کرنے کا مقام ہے"

فرمایا "اس مال کو دیکھ کر میں ہرگز نہیں رویا۔ مگر مجھے یہ خیال ضرور رہا کہ جس قوم میں

دولت آئی اُس میں عداوت بھی ضرور آئی "۔

اب اس مال کی تقسیم شروع ہوئی۔ پہلے اہلِ بدر کی باری آئی۔ پھر ازواجِ مطہرات کی۔ البتہ جہاں تک کہ امیر المومنین کے بیٹے عبداللہ بن عمر کا تعلق تھا۔ انھیں انکے حصّے سے بھی کم دیا گیا۔ اور اور جب انھوں نے اس کی شکایت کی تو ان کے متقی والدِ معظم نے فرمایا:۔

"عبداللہ! تم میرے دلبند ہو، کہیں یہ نہ ہو کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ مجھ سے باز پرس کرے کہ میں نے تم لوگوں سے رعایت کیوں کی؟"

ابن عباس کا بیان ہے:۔

ایک بار وہ امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مالِ غنیمت ان کے مقابل رکھا ہوا تھا۔ دفعتہً اُن پر اس شدّت کا گریہ طاری ہوا کہ ان کی پسلیاں چلنے لگیں۔ اس کے بعد فرمایا:۔

"میری خواہش یہ ہے کہ میں اپنی ذمّہ داریوں سے اس طرح سبک دوش ہو جاؤں کہ اگر میں اجر کا مستحق قرار نہ پاؤں تو ملامت سے بھی محفوظ رہوں"۔

عبدالرحمٰن بن سابط کہتے ہیں:۔

"عمرؓ نے سعید بن عامر کو بلا بھیجا اور ان سے کہا:۔

"ہم نے طے کیا ہے کہ تم کو غیر مسلم آبادیوں کی حکومت سونپ دیں"۔

ابنِ عامر بولے، "مجھے آزمائش میں نہ ڈلیے"۔

اس پر ارشاد ہوا:۔

"تم لوگ چاہتے ہو ذمّے داری کا قلادہ میری گردن میں ڈال کر خود کو بری الذمّہ قرار دے لو"۔

ابو عبداللہ سے روایت ہے:۔

"اللہ سے ڈرنے والا کبھی مغلوب الغضب نہیں ہوتا۔ اور پرہیزگار انسان نفس پرستی

سے دور رہتا ہے۔ محشر کے جاں گداز دن کا خوف نہ ہوتا تو حالات بالکل بدلے ہوئے ہوتے

عبدالرحمٰن بن عوف کہتے ہیں:۔

"ایک بار امیرالمومنین نے مجھے طلب کیا۔ میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہ بے حد خستہ اور گویا غنودگی کے عالم میں ہیں۔ میں نے پوچھا:۔

"کیا قصّہ ہے امیرالمومنین؟"

یہ سُنکر انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے ایک مکان کے اندر لے گئے۔ اس مکان میں بے شمار ساز و سامان کے انبار لگے ہوئے تھے، فرمانے لگے:۔

"آلِ خطّاب نے خدا کو بہت سہل سمجھ رکھا ہے۔ یہ سب مال دراصل اس لیے نہیں آ گیا کہ عمرؓ کے عہد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدّیقؓ کے عہد پر ترجیح حاصل ہے۔ یہ تو ایک آزمائش ہے۔ ان دونوں نے (مراد آنحضرتؐ اور ان کے نائب ابو بکر الصدیقؓ) دین کی بنیادیں قائم کیں۔ اب میرا کام یہ ہے کہ میں ان کی پیروی کروں۔ اس کے بعد بقول عبدالرحمٰن بن عوف، ان کے مشورے سے چار چار ہزار درہم مجاہدین کے لیے، چار چار ہزار ازواجِ نبی کے لیے اور دو دو ہزار باقی تمام کے لیے نکالے گئے اور اس طرح تمام کا تمام مال تقسیم ہو گیا۔

عاصم بن کلیب نے ابن عباس کو کہتے سنا تھا:۔

"فاروق اعظمؓ نماز سے فارغ ہونے کے بعد مسجد میں بیٹھ جاتے اور اگر کسی شخص کا کوئی مسئلہ ہوتا تو اس کے بارے میں وہ اس سے بات کرتے ورنہ وہ مسجد سے اپنے گھر چلے جاتے۔ ایک بار میں (ابن عباس) عمرؓ کے دولت کدہ پر پہنچا۔ جاتے ہی میں نے ان کے آدمی (یرقا) سے پوچھا کہ اس وقت امیرالمومنین کے پاس اہلِ حاجت تو نہیں آئے ہوئے۔ یرقا نے نفی میں جواب دیا۔ اتنے میں حضرت عثمان رضؓ بھی آ چکے تھے۔ یرقا ہم دونوں کو اندر لے گئے۔ اس وقت امیرالمومنین کے پاس ایک بہت بڑی نقد رقم مختلف تھیلوں میں رکھی ہوئی تھی۔

وہ رقم امیرالمومنین نے ہم دونوں کے حوالے کردی اور فرمایا کہ چونکہ وہ ہم دونوں کو اکابرِ قریش میں سمجھتے ہیں ۔ اسلئے ہم اس مال کو مدینے کے اہل حاجت میں بانٹ دیں اور پھر بھی جو رقم بچ رہے اسے بیت المال میں واپس لے آئیں ۔ یہاں مجھے شاعرِ مشرق کا ایک دل کش شعر یاد آگیا ؎

غریبی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا

حضرت عمر رضؓ کے زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ اکثر وہ اُمّت کے افراد سے خود اپنی ذات کے بارے میں سوال کرتے رہتے تھے ۔ چنانچہ بشر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ایک بار امیرالمومنین نے حذیفہ کو قسم دلا کر پوچھا کہ حذیفہ کی ان کے بارے میں کیا رائے ہے ؟

حذیفہ نے جواب دیا کہ :۔

"اگر وہ مالِ غنیمت کو اللہ ہی کی راہ میں خرچ کر دیتے ہیں تو وہ اپنا فرضِ منصبی ادا کر رہے ہیں ورنہ نہیں ۔"

امیرالمومنین بولے :۔ اِس مال سے صرف اپنی اقلِ قلیل ضرورتوں کو پورا کرتا ہوں ۔ اس سے زیادہ نہیں ۔"

مالک کا بیان ہے ، "میں ایک بار صبح ہی صبح امیرالمومنین کے پاس گیا ۔ مجھ سے پوچھنے لگے ، "لوگوں کی کیسی کٹ رہی ہے ؟"

میں نے کہا : "بخیر و عافیت ۔"

فرمایا : "اس سلسلے میں کوئی بات تو نہیں سُنی تم نے ؟"

میں نے کہا :

نہیں ، بلکہ سب آپ کے ثنا خواں ہیں !"

باب ۱۵

جانشینِ صدیقِ اکبرؓ کی رقیق القلبی

روایت از علقمہ بن وقاص اللیثی

"عمرؓ عشاء کی نماز میں سورۂ یوسف کی تلاوت کیا کرتے اور اکثر وبیشتر میں آخری صف میں کھڑا ہوتا اور یوسف علیہ السلام سے متعلق قرآنی آیتیں تلاوت کرتے وقت مجھے حضرت عمرؓ کے رونے کی آواز صاف سنائی دیتی۔

اسمٰعیل بن محمد بن یوسف نے عبداللہ بن شداد کا قول نقل کیا ہے۔

"میں نے عمرؓ کو فجر کی نماز میں سورۂ یوسف پڑھتے ہوئے سُنا ہے اور جس وقت وہ انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ" (یعنی میں اپنے قلبی اضطراب اور حزن و ملال کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں) پر پہنچتے تو باوجود آخری صفوں میں ہونے کے ان کی صدائے گریہ مجھے صاف سنائی دیتی۔

ابن عمرؓ کا بیان بھی اسی نوعیت کا ہے کہ انہیں تیسری صف میں ہونے کے باوجود اپنے والد کے رونے کی آواز واضح طور پر سنائی دیتی تھی۔

عبداللہ بن عیسیٰ کا قول ہے کہ حضرت عمرؓ کے چہرے پر سیاہ نشان تھے۔ ایسے نشان جو گھوڑے کے نعل سے کسی کی پشت پر پڑ جائیں۔ حسن نے ہمیں بتایا ہے کہ رات کو تلاوت کرتے کرتے حضرت عمرؓ جب کسی مخصوص آیت کی تلاوت کرتے تو ان پر رقت طاری ہو جاتی اور کبھی کبھی تو وہ روتے روتے گر پڑتے۔ اکثر اس شدتِ تاثر کے نتیجہ میں وہ بیمار تک ہو جاتے

ایسے کہ لوگ عیادت کو آنے لگتے۔ ابن عباس نے ایک بار حضرت عمرؓ کو اس شدت سے روتے دیکھا تھا کہ ان کی پسلیاں تک چل رہی تھیں۔

ابو عثمان النہدی نے ایک بار حضرت عمرؓ کو بیت اللہ کا طواف کرتے اور ذیل کے سوز آگیں اور آمرزش طلب الفاظ ادا کرتے سُنا تھا:۔

"خداوندا اگر تو نے ہمیں گناہ گاروں اور بد بختوں کے زمرہ میں رکھا ہے۔ تو تو بہر حال اُم الکتاب میں جو چاہے تحریر کر سکتا ہے اور جو چاہے مٹا سکتا ہے اور ہمیں فلاح و سعادت کے مستحقوں میں شامل کر سکتا ہے"

ابن عمر نے مزید ایک موقع پر یہی بات کہی تھی۔ نمازِ صبح کی امامت کے دوران عمرؓ پر رقت طاری ہو جاتی اور ان کے رونے کی آواز تیسری صف کے مقتدیوں کو سنائی دیتی۔

عمر بن شبہ نے اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ایک بار حضرت عمرؓ ابو درداء صحابیؓ سے ملنے گئے۔ ابو درداؓ نے کہا:۔

"عمر وہ یاد ہے جو آقاؐ نے ایک بار ہم سے کہا تھا" اور جب فاروقِ اعظمؓ نے سوال کیا تو ابو درداؓ نے کہا "وہی کہ تم میں سے ہر شخص دُنیا سے بس اتنا لے جتنا ایک مسافر سفر میں اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔" فاروق کو یہ بات یاد آگئی اور جب ابو درداؓ نے کہا، کہ عمرؓ مگر امت نے کہاں اس پر عمل کیا، تو دونوں پر گریہ طاری ہو گیا۔ اور تمام رات دونوں ہی روتے رہے (دلِ گداختہ کے بغیر انسانی زندگی کسی قسم کی بھی برگزیدگی حاصل نہیں کر سکتی شقی القلب انسان خواہ کتنا ہی باکمال ہو نوعِ انسانی کے لیے کبھی رحمت نہیں بن سکتا۔

(ش۔ ح۔ ع)

باب ۵۲

عمری ریاضت و تقویٰ

عبداللہ بن زید بن اسلم نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ:۔

"حضرت عمرؓ صائم الدہر تھے۔" ابنِ عمر کا بیان بھی اسی روایت پر منطبق ہے کہ فاروقؓ جب تک زندہ رہے روزہ کا التزام کرتے رہے۔"

ایک اور موقع پر ابنِ عمرؓ نے یہ صراحت کی کہ ان کے والد مرنے سے دو سال پیشتر تک متصلاً روزے رکھتے رہے۔ نافع نے عبداللہ بن عمرؓ کے حوالے سے اس امر کا انکشاف کیا ہے کہ عید الاضحیٰ، عید الفطر اور سفر کے علاوہ حضرت عمرؓ مسلسل روزے رکھتے تھے۔

سعید بن المسیّب کا بیان ہے کہ:۔

"عمرؓ جگرِ شب میں نماز ادا کرنا پسند کرتے تھے۔"

نافع نے ابنِ عمرؓ کا یہ قول ہم تک پہنچایا ہے کہ اپنی خلافت کے سالِ اوّل کے ماسوا جس میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے امیر الحج کے فرائض انجام دیئے تھے۔ باقی ہر سال یعنی اپنی خلافت کے آخری سال تک حضرت عمرؓ زیارتِ بیت اللہ سے مشرّف ہوتے رہے۔

زید بن اسلم کو ان کے والد نے بتایا تھا کہ حضرت عمرؓ تا بمقدور شب زندہ داری کرتے تھے اور پھر رات کے پچھلے پہر اپنے اہل و عیال کو "الصلاۃ، الصلاۃ" کی ندائے روح پرور سے بیدار کرنا شروع کر دیتے تھے۔

ان الوداعی لمحاتِ شب میں وہ "وامر اھلك بالصلاۃ (یعنی اپنے متعلقین کو نماز کی تاکید کر) والی آیت بھی دُہراتے جاتے تھے۔

یہ بیان محمد بن عبدالرحمٰن ابن ابی مسلم الازدی کا ہے۔ جنہیں یہ سینہ بسینہ اپنے والد اور دادا سے پہنچا تھا۔ ان کا بیان یہ ہے:۔

"میرے دادا نے فاروقِ اعظم رضؓ کے ساتھ نمازِ مغرب ادا کی۔ حضرت عمر رضؓ کو نماز کی تیاری میں شام ہو گئی یا شاید وہ کسی اضطراری کام میں لگ گئے اور افق پر دو ستارے چمک اُٹھے۔ چنانچہ اپنی نماز تاخیر سے ادا کرنے پر حضرت عمر رضؓ نے دو گردنیں آقائی کی گرفت سے چھڑا دیں یعنی دو غلام آزاد کر دیئے۔

باب ۵۳

فاروق معظمؓ کا اندازِ عمل

اِس باب میں عبداللہ بن عمرؓ نے نافع کا ذیل کا قول نقل کیا ہے۔

عمرؓ اور ان کے بیٹے دونوں کا اندازِ عملِ خیر اپنی روح میں یہ تھا کہ جب تک وہ خود کسی اچھے کام کا ذکر کرنے پر مجبور نہ ہو جائیں، یا ان کاموں کی نوعیت ہی علانیہ نہ ہو۔ لوگوں کو ان چیزوں کا علم نہ ہو پاتا تھا۔

باب۴۵

عمری مناجاتیں

عبداللہ ابن عمرؓ کا ارشاد ہے:۔

حضرت عمرؓ نے اپنی پہلی تقریر میں جو انھوں نے شبِ دفنِ ابوبکرؓ میں کی تھی۔ اللہ کی ستائش اور ثناگستری کے بعد فرمایا:۔

"اللہ نے اپنا راستہ واضح کردیا اور اپنے رسول کو بھیج کر ہمارے لیے ہر نوع کی تقویت کا سامان بہم پہنچایا ہے۔ اب ہمارے کام کی نوعیت واضح ہے۔ ہم اللہ سے اعانت طلب کریں اور ہادیٔ برحق کی اتباع کریں۔ یہ بھی اللہ کا کرم ہے کہ اس نے مجھے اور امت کو ایک دوسرے کے لیے آزمائش قرار دیا ہے۔ یہ بات اور بھی خوش آئند ہے کہ اللہ نے اپنے فضل وکرم سے میرے دونوں ساتھیوں (مراد رسالت مآب علیہ السلام اور صدیقِ اکبرؓ) کے بعد تمہارے درمیان مجھے قائم کیا۔ میں لغزشوں اور گمراہیوں سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ میں یہ ہرگز برداشت نہیں کرسکتا کہ میری ذات سے اللہ کے شیروں کو گزند اور اس کے باغیوں کو مدد پہنچ جائے۔ میں اور میرے دو عظیم الشان ساتھیوں کی مثال ایسے تین آدمیوں کی مثال ہے جو ایک وادی کی طرف چل پڑے ان میں سے ایک نے تو اپنے مستقر کو پلیٹ جانے سے پہلے پہلے ایک ایسی راہ پر چلنا شروع کیا جس پر چلنا بے حد دشوار تھا۔ قدم قدم پر نشیب وفراز تھے۔ فریبِ نظر کے بے شمار اسباب تھے، مگر یہ سالکِ راہِ خدا ذرا بھی نہ بھٹکا۔ اور آخرکار اپنے مستقر

کو صحیح سلامت لوٹ گیا۔ اس رہ نوردِ اوّل کے پیچھے پیچھے دوسرا ساتھی چل پڑا۔ یہ اپنے پیش رو کے قدم بقدم چلا اور اس کی مکمل اتباع کی۔ اب تیسرے کی باری تھی۔ اب اگر یہ اپنے ساتھیوں کے نقشِ قدم پہ چلے گا تو منزل کی جانب لوٹ سکے گا۔ ورنہ دائیں یا بائیں ذرا بھی بھٹکنے کا انجام اسے اپنے ساتھیوں سے کبھی نہ ملنے دے گا۔ یاد رکھو عرب ایک شورہ پشت اور مشکل سے قابو میں آنے والے اونٹ کے مانند ہیں۔ میرے ہاتھ میں آج اسی سرکش اونٹ کی مہار ہے۔ لیکن اللہ کی نصرت پر بھروسہ کرتے ہوئے میں نے بھی اس بات کا عزم کر لیا ہے کہ اس کی سرکشی کے علی الرغم اس پر مُسلّط رہوں۔

میں اس سلسلے میں اللہ کے حضور دست بدعا ہوں اور قوم کو اس پر آمین کہنی چاہیئے۔

خداوندا! مجھے اور بھی فراخ حوصلہ اور کشادہ دل بنا اور میری درشتی اور سختی کو نرمی میں مُبدّل کر دے۔ میں کمزور ہوں مجھے تقویت بخش۔ بارِ الٰہ! مجھے اپنی اور اپنے چاہنے والوں کی موالات کے طفیل اپنی دوستی اور دستگیری سے نواز دے۔ مجھے اپنے دشمنوں سے ٹکرانے میں آفات و مصائب سے محفوظ رکھ۔

اسود بن ہلال المحاربی نے اس موقع پر حضرت عمرؓ کی تقریر کی ان الفاظ میں روایت کی ہے:۔

"لوگو! میں بارگہہ الٰہی میں دعا کرتا ہوں تم میری اس دعا میں میرے شریک بنو۔

"خداوندا میں سخت اور درشت ہوں تو مجھے نرم کر دے۔

"میں تنگ ہوں مجھے کشادگی عنایت کر دے۔

میں کمزور ہوں تو مجھے تقویت بخش دے"۔

عمرو بن میمون الازدی نے حضرت عمر فاروق رضؓ کی یہ دعا نقل کی ہے:۔

"اے اللہ! میرا خاتمہ نیکیوں کے ساتھ ہو اور مجھے اشرار کے زمرہ میں نہ داخل کر

اور مرنے کے بعد مجھے صلحاء کے گروہ میں شامل فرما"۔

ابو عبدالرحمٰن نے بھی پورِ خطاب کے یہ دعائیہ الفاظ ہم تک پہنچائے ہیں:۔

"بار الٰہ نہ مجھے دُنیوی دولت کی اتنی کثرت سے نواز کہ میں سرکشی پر آمادہ ہو جاؤں اور نہ مجھے اس بے زری میں مبتلا ہونے دے کہ میں تجھے بھلا دوں۔ کسی چیز کے کیف وکم کا انحصار اس پر ہے کہ وہ نفع بخش بھی ہے یا نہیں یعنی اگر کسی شے کی مقدار اور فراوانی ہمیں تغافل شعار بنا دیتی ہے تو اُسے مہمل سمجھنا چاہیئے:۔

اب ذرا شعبی کا بیان سنیئے:۔

"ایک بار عمر رضؓ لوگوں کو ساتھ لے کر طلبِ آب (استسقاء) کی نماز ادا کرنے نکلے راستے میں وہ استغفار کی دعائیں پڑھتے رہے اور اس استغفار میں زیادتی ہوتی رہی۔ اس کے بعد آپ واپس آ گئے۔ لوگوں نے کہا:۔

"امیر المومنین آپ کھلے میدان میں نکل کر آئے بھی، مگر نمازِ استسقاء تو آپ نے ادا کی نہیں" فرمایا:۔

"میں نے آسمان کے سوتے مانگے ہیں" اور یہ کہہ کر استغفروا انّہ کان غفّارا یُرسل السمآء علیکم مدرارا" کی تلاوت فرمائی۔

یعنی اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہو وہ تمہارے لیے بلندیوں سے موسلا دھار پانی برساتا ہے۔

پھر یہ پڑھا:۔

"استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ"

یعنی پروردگار سے اپنی خطاؤں کی معافی مانگو اور اس کی جانب رجوع کرو۔

زید بن اسلم سے روایت ہے کہ انھوں نے ابنِ خطاب کو کہتے سنا تھا:۔

"خداوندا میں کسی موحّد کے ہاتھوں نہ مارا جاؤں جو اپنے سجدوں کو قیامت میں اپنے

گناہِ قتل کی سپر بنائے۔"

سلیمان بن حنظلہ نے بھی فاروق رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ منسوب کئے ہیں:۔

"خداوندا مجھے غفلت میں مت چھوڑیو۔ اور مجھے دل ونظر کی بیداری سے برابر نوازیو!"

عبداللہ ابنِ خراش نے اپنے چچا سے روایت کی ہے کہ ابنِ خطّاب اپنی تقریروں میں یہ دُعا مانگا کرتے تھے:۔

اے اللہ! ہمیں اپنی حفاظت سے سرفراز فرما اور اپنے احکام میں ثابت قدم رکھ۔

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے!

باب ۵۵

فاروق اعظمؓ کی کرامات

زید بن اسلم نے اپنے والد سے اور ابو سلیمان نے یعقوب بن زید سے روایت کی ہے کہ ایک دن جمعہ کے روز عمر رضؓ نماز ادا کرنے نکلے اور منبرِ مسجدِ نبوی سے پکار کے کہا:۔

"یا ساریہ ابن زنیم الجبل، ظلم من استرعی الذئب الغنم"

یعنی اے زنیم کے بیٹے ساریہ پہاڑی پر چڑھ جا۔ ظالم وہ جو گلّہ کی پاسبانی بھیڑیے کے سپرد کر دے! یہ کہہ کر ابن خطابؓ نے اپنی باقی تقریر مکمّل کی۔

چنانچہ ساریہ بن زنیم نے بعد میں آپ کو لکھا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک جمعہ کے موقع پر فلاں فلاں وقت ہمیں فتح نصیب ہوئی۔ اور یہ وہ لمحات تھے جن میں حضرت عمر رضی اللہ تقریر ارشاد فرما رہے تھے۔ ساریہ نے اپنے اس پیغام میں کہا تھا کہ ہم نے کسی کو کہتے سنا:۔

"یا ساریہ بن زنیم الجبل، ظلم من استرعی الذئب الغنم!" اس آواز پر میں اپنے ساتھیوں کو لے کے پہاڑی پر چڑھ گیا۔ اس سے پہلے ہم ایک کھلے میدان میں محاصرہ کئے پڑے تھے۔ اور یوں اللہ نے ہمیں فتح بخشی۔

اس سلسلہ میں جب عمر رضؓ سے پوچھا گیا کہ یہ کیا الفاظ تھے اور آپ نے کیا کہہ کر پکارا تھا تو فرمایا:۔

"حقیقت یہ ہے کہ میں نے یہ الفاظ عمداً نہیں کہے تھے۔ بس یہ کلمات میری زبان پر جاری ہو گئے تھے۔ عمر رضؓ کے خادم نافع رضؓ نے بھی انہیں الفاظ میں اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔

عمر بن الخطابؓ نے منبر سے کہا:۔

"یا ساریہ، بن زنیم الجبل"۔ اور اس وقت کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ مگر جب یہی ساریہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے بیان کیا:۔

"امیر المومنین ہم لوگ عرصہ سے دشمن کا محاصرہ کئے ہوئے پڑے تھے۔ یہ محاصرہ بالکل بے سود ثابت ہو رہا تھا۔ دراصل ہم نشیب میں تھے۔ اور دشمن بلندی پر قلعہ بند تھا۔ دفعتہً کسی پکارنے والے نے ہمیں پکارا اور جیسے کوئی کہہ رہا ہو" یا ساریۃ بن زنیم الجبل من استرعی الذئب فقد ظلم" اب میں اپنے ساتھیوں کو لے کر پہاڑی پر چڑھ گیا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ فتح ونصرت نے ہمارے قدم چوم لیے"۔

ابن عمرؓ کہتے ہیں:۔

"میرے والد نے ایک روز مدینہ میں اپنی تقریر شروع کرنے سے پہلے کہا:۔

"یا ساریہ بن زنیم الجبل من استرعی الذئب فقد ظلم"۔ کسی نے کہا ساریہ!۔ کسی نے کہا" ساریہ تو اس وقت عراق میں ہیں۔ آپ انہیں یہاں کہاں یاد کر رہے ہیں؟" کچھ لوگ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا:۔

"آپ نے بھی سنا۔ عمرؓ منبر سے خطابت کرتے کرتے ساریہ کو بلانے لگے"۔

حضرت علی نے فرمایا:۔

"اس بات پر زیادہ حیران نہ مت ہو۔ عمرؓ کی کوئی بات بے بنیاد نہیں ہوتی۔ اور انکی ہر بات نتیجہ خیز ہوتی ہے"۔

چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں ساریہ نے آکر تصدیق کی کہ:۔

"انھوں نے عمرؓ کی صدائے رعد آسائے صف شکن سنی تھی اور وہ پھر پہاڑی پر چڑھ گئے تھے"۔

قیس بن الحجاج کا بیان ہے کہ جب مصر فتح ہو گیا تو بؤنہ کے جو اس دور کے مصر کا

ایک مشہور شہر تھا، اس کے باشندے فاتح مصر عمرو بن العاص کے پاس آئے اور کہا:۔
"اے امیر یہ ہمارا دریائے نیل کسی حال و اس کے بغیر، رواں ہی نہیں ہوتا۔"
عمر بن العاص نے پوچھا:۔
"کس کے بغیر، یعنی کیا؟"
لوگوں نے کہا:۔ "جب اس مہینے میں بارہ دن باقی رہ جاتے ہیں ہم کسی دوشیزہ کو اسکے والدین سے حاصل کرتے ہیں اور اس دوشیزہ کو ہم بہترین زیورات اور لباس زریں سے مزین اور آراستہ کر کے دریا میں ڈال دیتے ہیں اور پھر یہ دریا جاری ہو جاتا ہے۔"
جلیل القدر صحابی نے فرمایا:۔ "اسلام ان چیزوں کو برداشت نہیں کرے گا۔ اسلام کی بزم فکر نوان اوہام کو ختم کرنے کی داعی ہے۔" لوگ بہرحال منتظر ہی رہے اور سواحل نشین دریا کے پانی کی آس لگائے بیٹھے رہے، لیکن اب کی بار نیل میں بالکل روانی نہ پیدا ہوئی۔
عمرو بن العاصؓ نے صورت حال کی اطلاع امیر المومنین کو دے دی۔ فاروق اعظمؓ نے انھیں لکھ بھیجا:۔
"آپ نے ٹھیک فیصلہ کیا ہے۔ اسلام روایات کہن کو مٹا دیتا ہے۔"
امیر المومنین نے اسی نامہ میں ایک رقعہ بھی رکھوا دیا اور فاتح مصر کو لکھا کہ میں اس نامہ کے ساتھ ساتھ ایک رقعہ بھی ملفوف کر رہا ہوں۔ جب یہ نامہ آپ تک پہنچے تو اس منسلکہ رقعہ کو دریائے نیل میں ڈلوا دیجئے گا۔ اس رقعہ میں ذیل کے الفاظ لکھے ہوئے تھے:۔
"اللہ کے بندے عمر (امیر المومنین کی جانب سے مصر کے دریائے نیل کے نام:۔
"اے نیل! اگر تو پہلے رواں تھا اور اب رواں نہیں ہے اور اگر اللہ واحد القہار تجھے رواں کرتا ہے تو ہم اسی معبود سے یہ التجا کرتے ہیں کہ وہ تجھے جاری کر دے۔"
مصر کے لوگ جن کی معاشی فلاح و بہبود نیل پر منحصر تھی۔ ترک وطن کی تیاری کر رہے تھے، لیکن حضرت عمرؓ کا رقعہ دریائے نیل میں ڈالا گیا تو دوسری ہی صبح دریا کا پانی

اپنی گہرائی سے سولہ گز اوپر چڑھ آیا تھا اور پھر مصر میں اس خشک سالی کی نوبت آج تک نہیں آئی۔

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم

دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان!

خوات ابنِ جبیر کا بیان بھی ایک اور عمری کرامت کا بیّن ثبوت ہے:۔

عہد فاروقی میں جب ایک بار شدید قسم کا کال پڑ گیا تو ایک دن عمرؓ قوم کو لے کر شہر سے باہر نکل آئے اور سب سے پہلے انہیں دو رکعت نماز پڑھائی پھر اپنی چادر کے بائیں حصّہ کو دائیں جانب اور دائیں حصّہ کو بائیں جانب اُلٹ کر اپنے ہاتھ پھیلائے اور کہا:۔

"اے اللہ ہم تجھ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور تجھ سے اپنے کھیتوں کے لیے پانی مانگتے ہیں!"

ابھی آپ اپنی جگہ سے ہٹے بھی نہ تھے کہ بادل گھر کے آگئے۔ تھوڑی ہی دیر میں کچھ بادیہ نشین آپہنچے۔ ان لوگوں نے کہا:۔

"امیر المومنین فلاں فلاں وقت ہم اپنے صحرا میں تھے کہ دفعتہً ہم پر ایک بادل نے سایہ کر لیا اور ہم نے اس بادل کے اندر سے یہ آواز سُنی کہ:۔

"ابو حفص مدد آپہنچی! ابو حفص مدد آپہنچی!"۔

باب ۵۶

فاروقِ اعظمؓ کی محدّثانہ شان

روایت حدیث میں حد درجہ احتیاط برتنے کے باوجود حضرت عمرؓ نے نبی علیہ السّلام سے متعدد حدیثیں روایت کی ہیں۔ بقی بن مخلد نے حضرت عمرؓ سے مروی پانچسو سینتیس ۵۳۷ احادیث کا ذکر کیا ہے۔

ابو نعیم اصفہانی کا قول ہے کہ علاوہ ان حدیثوں کے جن میں حضرت عمرؓ بحیثیت راوی کے شریک ہیں، سو سے اوپر حدیثیں ایسی ہیں جن کے الفاظ اور متون آپ ہی کے توسط سے ہم تک پہنچے ہیں۔ بخاری اور مسلم دونوں میں مجموعی طور پر آپ سے اکیاسی احادیث مروی ہیں۔ ان احادیث میں چونتیس بخاری کی اور اکیس مسلم کی امتیازی خصوصیت ہیں اور چھبیس متفق علیہ ہیں۔ یعنی دونوں کتابوں میں مشترک ہیں۔

جہاں تک ہماری اس کتاب کا تعلق ہے، اس کا اصل مدعا ہی عمری شخصیّت اور سیرت پر روشنی ڈالنا ہے۔ ہر چند کہ یہ کتاب عمری مسانید اور ان سے روایت کردہ احادیث کے لیے نہیں مرتّب ہوئی۔ تاہم ہمیں یہ منظور نہ تھا کہ عمری شخصیت کا یہ گوشہ خالی رہتا۔ اس لئے زہد کے موضوع سے متعلق ہم نے یہاں ان کے چند مسانید کا انتخاب کیا ہے۔

پہلی حدیث :- علقمہ بن وقاص اللیثی نے عمر بن الخطاب سے روایت کی ہے اور ان کا یہ مندرجہ زیر بیان نقل ہے :-

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے اور ہر آدمی کو ثواب باندازۂ نیت ملتا ہے۔ چنانچہ جو لوگ خاص اللہ اور رسول کی راہ میں ترکِ وطن کرتے ہیں، تو ان کا ترکِ وطن تو بے شک اللہ اور رسول کے لیے مانا جائے گا، لیکن اس شخص کی ہجرت، ہجرت قرار نہ پائے گی جو دنیوی وجاہت اور مال و منال یا مثلاً کسی عورت سے شادی رچانے کے لیے اپنا گھر بار چھوڑتا ہے ایسے شخص کا ترکِ وطن خالص دنیوی اغراض سے وابستہ ترکِ وطن قرار پائیگا"

یہ حدیث بخاری اور مسلم دونوں میں موجود ہے۔ اس حدیث کی روایت صحابہ کرام رضؓ میں سوائے حضرت عمرؓ کے اور کسی دوسرے کے واسطے سے ثابت و برقرار نہیں ہو پاتی۔

دوسری حدیث :- سالم بن عمر رضؓ نے حضرت عمر رضؓ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے آنحضرتؐ سے پوچھا کہ :-

حضور کی رائے میں ہمارا صحیح طرز عمل کیا ہونا چاہیئے۔ ہم ان معاملات کی طرف متوجہ ہوں جو پایۂ تکمیل تک پہنچ چکے ہیں۔ یا ان کی طرف جن کی ابتدا ہوئی ہے۔ یا پھر ایسے امور کی جانب جو بالکل نو ایجاد ہوں" ارشاد ہوا"

"ان معاملات کی طرف جو پایۂ تکمیل تک پہنچ چکے ہیں"

حضرت عمر نے عرض کیا :-

"حضور کیا ہم توکّل اختیار کریں ؟"

فرمایا : ابن خطاب کام کیے جاؤ۔ ہر چیز حاصل ہو سکتی ہے۔ وہ جو نیکی کا طالب ہے۔ نیکی کے لیے کام کرتا ہے اور وہ جو اہلِ شقاوت ہیں وہ برائی کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

تیسری حدیث :- ابن عباس نے عمر بن الخطابؓ سے روایت کی ہے اور انکا یہ بیان اُمت کی تحویل میں دیا ہے۔

"خیبر کا معرکہ سر ہو چکا تو رسول اللہ کے چند اصحاب واپس آئے اور بیان کرنے لگے" فلاں شخص بھی شہید ہو گیا اور فلاں شخص بھی شہید ہو گیا۔"

یہ بیان جاری تھا کہ نوبت ایک اور شخص کے ذکر تک پہنچی۔ لیکن جوں ہی اس شخص کا نام لیا گیا۔ حضور انورؐ نے ارشاد فرمایا :-

" ہرگز نہیں، میں نے اس شخص کو جہنم کی آگ میں کھنچتے دیکھا ہے۔ عمرؓ تم جاؤ اور اعلان کردو کہ جنّت صرف اہلِ ایمان کے لیے ہے۔"

میں باہر نکلا اور منادی کر دی کہ جنّت میں صرف اہلِ ایمان داخل ہوں گے۔"

چوتھی حدیث :- یہ بھی ابو تمیم نے عمر بن الخطاب سے سنی تھی۔"

" ایک بار میں نے حضور کو ارشاد فرماتے سنا تھا اگر تم لوگ اس انداز میں اللہ پر توکّل کرنے لگو جیسا کہ چاہیئے تو وہ تمہارے رزق کا بندوبست یوں کرے گا جیسے وہ پرندوں اور مرغانِ ہوا کے لیے رزق فراہم کرتا ہے۔ صبح نکلتے ہیں تو خالی پیٹ ہوتے ہیں اور جب آشیانوں میں واپس آتے ہیں تو شکم سیر آتے ہیں۔

پانچویں حدیث :- ابو سنان الدولی کا بیان ہے وہ ایک بار حضرت عمرؓ کے حضور حاضر ہوئے۔ اس وقت اُن کی خدمت میں کچھ مہاجرین اوّلین بھی موجود تھے۔ حضرت نے ایک توشہ دان طلب فرمایا جو عراق کی مہم میں ایک قلعے سے ہاتھ آیا تھا۔ اس میں ایک انگوٹھی بھی تھی۔ اس انگوٹھی کو ان کے کسی لڑکے نے اٹھا لیا اور اپنے منھ میں رکھ لیا۔ حضرت عمرؓ نے انگوٹھی لڑکے کے منہ سے نکال لی اور پھر رونے لگے ۔حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا :-

" یہ رونے کا کیا مقام ہے؟ اللہ نے آپ کو فتوحات بخشی ہیں۔" اس پر فاروق نے کہا :-

" میں نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ جب کسی گروہ کے لیے دنیا کی نعمتیں اور ثروتیں مہیا

ہو جاتی ہیں تو پھر ان میں قیامت تک بغض و عداوت راہ پا جاتے ہیں۔ اور میں اسی سے ڈرتا ہوں:

چھٹی حدیث:۔ نعمان بن بشیر نے حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے۔"

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھجور کے ڈنٹھلوں سے پیٹ بھرتے دیکھا ہے۔"

ساتویں حدیث:۔ عبدالرحمٰن بن عبدالقاری نے عمر بن الخطابؓ کو کہتے سنا تھا کہ ایک وقت حضور انورؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کے پاس سے شہد کی مکھیوں کے بھنبھنانے کی آواز آرہی تھی۔ اس موقع پر ہم تھوڑی دیر انتظار کرتے رہے۔ پھر حضور قبلہ رُخ ہوئے اور اپنے ہاتھ بلند کر لیے اور فرمایا:۔

"خداوندا! اضافہ فرما، کمی نہ کر، معزز کر خوار نہ کر، عطا کر محروم نہ کر، مقدم کر موخر نہ کر، راضی رکھ راضی رہ۔" اس کے بعد فرمایا:۔

"مجھ پر دس آیتیں اُتری ہیں جو ان پر عامل ہو جائے گا وہ جنّتی ہوگا۔" اس کے بعد قد افلح المومنون کی تلاوت شروع کی۔

آٹھویں حدیث:۔ ابوالعلا الشامی کا بیان ہے:۔

ابوامامہ نے ایک بار نیا لباس پہنا اور جب لباس ان کے گلے تک پہنچ گیا۔ یعنی پورے طور پر پہنا جا چکا تو انھوں نے کہا:۔

"اللہ کا شکر ہے اس نے مجھے تن ڈھانکنے کی مقدرت دی اور میرے لباس کو میرے لیے باعثِ زینت و تجمّل قرار دیا۔" اس کے بعد کہا:۔

"میں نے عمر بن الخطاب کو آنحضرتؐ کا ارشادِ گرامی دُہراتے ہوئے سُنا کہ کسی شخص کو نیا لباس ملے اور وہ اسے جب پورے طور پر پہن لے تو کہے کہ، اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے لباسِ نو عطا کیا جو زندگی میں باعثِ تجمّل ہے اور جس سے ستر پوشی ہو جاتی ہے۔"

اس کے بعد اپنے پُرانے لباس کی طرف جسے اس نے پھاڑ دیا تھا یا ایک طرف کو پھینک دیا تھا، پھر متوجہ ہو یعنی اسے پھر پہن لے اور اپنا نیا لباس صدقہ کر دے تو پھر ایسا شخص

اللہ کی نگہبانی میں ہے اور زندگی اور موت دونوں میں اسے اللہ کی امان حاصل رہے گی

دسویں حدیث :- عثمان بن عبد اللہ بن سراقہ العدوی نے حضرت عمر رضی سے سُن کر یہ روایت بیان کی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

"جو کسی غازی پر سایہ فگن ہوگا۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس پر سایہ گستر ہوگا۔ اور جو کسی غازی کو اسلحہ سے مزین کرے گا تاکہ وہ جہاد کر سکے تو اسے جہاد کا اتنا ہی اجر ملے گا۔ اور جو شخص کسی مسجد کی تعمیر کرے گا جس میں اللہ کا ذکر ہوگا (یعنی اسے غیر دینی مقاصد کے لیے استعمال نہ کیا جائیگا رش۔ح۔ع) اس کے لیے جنت میں کاشانہ تعمیر ہو جائے گا۔

باب ۵۷

وہ حرف گرم جس سے کہ لو دے اٹھیں دماغ

ثابت بن حجاج نے ذیل کا قول ابن خطاب نقل کیا ہے:۔

"یوم حساب سے پہلے ہی اپنا محاسبہ کر لو اور قبل اس کے کہ میزان میں تمہارے اعمال تولے جائیں، اپنے کو تول لو۔ اگر آج تم اپنا احتساب کر لو گے تو کل بروزِ قیامت تم پر حساب کا مرحلہ آسان ہو جائے گا۔ اللہ کے روبرو پیشی سے پیشتر اپنے کو کیل کانٹوں سے لیس کر لو۔ چونکہ اس بڑی پیشی میں تمہاری کوئی بات ڈھکی چھپی نہ رہے گی۔"

جابر بن عبداللہ کہتے ہیں:۔

"ایک دفعہ عمر رضؓ نے میرے ہاتھ میں گوشت کا ایک ٹکڑا دیکھا۔ پوچھا:۔

"یہ کیا ہے؟"

میں نے کہا "گوشت ہے، مجھے اشتہا ہوئی میں نے خرید لیا" کہنے لگے:۔"

"جابر تمہیں جس چیز کی بھی خواہش ہوتی ہے اسے خرید لیتے ہو؟ جابر تم کو اس آیت سے خوف نہیں آتا۔ اذھبتم طیباتکم فی حیاتکم الدنیا (دنیا میں تم ایسے کھوئے گئے کہ تم نے اپنی نیکیاں برباد و زائل کر دیں)"

حسن کا بیان ہے کہ:۔

"ایک بار عمر رضؓ اپنے بیٹے عبداللہ کے پاس آئے، عبداللہ کے گھر گوشت پکا ہوا تھا فاروق نے فرمایا: "یہ گوشت کیسا ہے؟"

عبداللہ نے جواب دیا "میرا جی چاہا تھا اس لیے ......"

باپ نے سرزنش کی:۔

"تمہیں جس چیز کی بھی خواہش ہوتی ہے اسے پورا کر لیتے ہو۔ مطلب یہ کہ اپنی خواہشات پر قابو حاصل کرو اور گوشت کھانے کو جی چاہے تو اپنا جی مارو۔ اس سے زیادہ بے اعتدالی اور کیا ہو گی کہ انسان کھانے پینے میں اپنے نفس کا تابع ہو جائے۔"

حسن نے ایک اور روایت بیان کی ہے:۔

"عمر بن الخطابؓ کا گزر ایک مزبلہ یعنی غلاظت کے ڈھیر پر ہوا۔ آپ کچھ دیر رکے رہے۔ جو لوگ ساتھ تھے ان پر وہاں کھڑا رہنا بے حد شاق گزرا۔ اس کے بعد ارشاد ہوا:۔

"یہی ہے تمہاری دنیا جس کی تم یہ کچھ ہوس کرتے ہو۔"

احنف بن قیس کہتے ہیں کہ:۔

ایک بار عمر بن الخطابؓ نے اُن سے کہا تھا کہ زیادہ ہنسنے والے کی ہیبت اور وقار میں کمی آجاتی ہے۔"

(سلطان غیاث الدین بلبن جس نے تاتاری یورش کی آندھی سے برصغیر کے چمن کو محفوظ رکھا تھا اس مقولے پر پورے طور پر عامل تھا، وہ اپنے دربار میں کبھی نہ ہنستا تھا۔ ش۔ ح۔ ع)

"اور یا وہ گو آدمی کی عزت میں تنزل واقع ہو جاتا ہے۔ جو جس چیز میں زیادہ رہتا ہے اسی سے وہ پہچانا جاتا ہے۔ بدگوئی کرنے والا بے حیا ہو جاتا ہے۔ حیا کی کمی سے پاکبازی میں کمی آجاتی ہے اور جو پاکی اور پاکبازی سے دور ہو تا ہے اسکا قلب مُردہ ہو جاتا ہے۔"

عنترۃ الشیبانی نے ہمیں بتایا ہے کہ:۔

عمر بن الخطابؓ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی تھی کہ "بیٹے اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمہاری حفاظت کرے گا۔ اللہ کو قرض دو، یعنی راہِ خدا میں مال صرف کرو تمہیں اس کی جزا ملے گی۔ شاکر رہو، تمہیں اور ملے گا۔ یاد رکھو دوست بھی بڑی دولت ہیں اور قدیم کے بغیر جدید کا تصوّر نہیں اور عمل کا دار و مدار نیّت پر ہے۔"

بدیل نے ہمیں ذیل کی حکمتِ فاروقی سے رُوشناس کرایا ہے:۔

"اگر آدمی اپنے لیے خود ہی تہمت کا راستہ کھول دے۔ تو اسے تہمت لگانے والوں کو بُرا بھلا نہیں کہنا چاہیئے۔ جو اپنے رازوں کو فاش نہیں کرتا وہ مختار رہتا ہے اپنے بھائی سے بہتر سے بہتر سلوک کرو کبھی نہ کبھی تمہارا پلہ بھاری ہو ہی جائے گا اپنے مسلمان بھائی کی بات کو حتی الامکان غلط معنی نہ پہناؤ۔ اگر تم نے کسی شخص کی بُرائی کا بدلہ نیکی سے دیا ہے تو یہ عین اطاعتِ خداوندی ہے۔ تمہیں مخلص دوستوں کی تلاش کرنی چاہیے۔ ایسے دوستوں کا حلقہ جس قدر وسیع ہو سکے اچھا ہے۔ یہ احبابِ دورِ مسرّت میں باعثِ تجمّل اور دورِ ابتلا میں سرمایۂ پشت پناہی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھا کھا کر اور اس کے احترام کو ملحوظ نہ رکھ کر اپنے کو سبک مایہ مت بناؤ کہ اللہ تم کو خوار کر دے۔"

مجاہد نے الگ ہمیں ابنِ خطّابؓ کے یہ جواہر پارے پیش کئے ہیں۔

"تین چیزیں تیرے بھائی کو تیرا مخلص بنا دیں گی۔ ملاقات کے وقت اسے سلام، مجلسوں اور نشستوں میں اس کا کشادہ پیشانی سے استقبال و احترام اور اسے اس کے محبوب و مرغوب نام سے پکارے جانے کا التزام!

اِسی طرح تین چیزیں اس کے برعکس ہیں،

ہر معاملہ میں لوگوں سے ترش روئی سے پیش آنا، لوگوں کے راز جاننے کی کوشش کرنا، اور ہم نشینوں کو غیر ضروری طور پر اذیّت دینا!"

ابن عمرؓ نے اپنے والد کا قول نقل کیا ہے :-

"اگر کوئی عقل مند انسان تمہارا دشمن ہو جائے تو اللہ تعالےٰ سے دعا کرو کہ وہ تم کو نقصان نہ پہنچا سکے ۔"

محمد بن شہاب نے عمر بن الخطاب کا مقولہ بیان کیا ہے :-

جن چیزوں سے تمہیں کوئی مطلب نہ ہو ان میں مت دخل دو۔ اسی طرح اپنے دشمن سے چوکنا رہنا چاہیئے۔

احبا، میں صرف انھیں کو اپنے ساتھ رکھنا چاہیے جو امین اور قابلِ اعتماد ہوں۔ اسلیے کہ دنیا میں امانت کا کوئی بدل نہیں۔ یعنی امانت دار سے بڑھ کر کوئی نہیں ہو سکتا۔ گنہ گار کی صحبت مضر ہے اس لیے کہ اس سے گناہ کی ترغیب ہوتی ہے۔ فاجر پر اپنا راز نہیں فاش کرنا چاہیئے۔ مشورہ صرف ایسے لوگوں سے کرنا چاہیئے جو اللہ تعالےٰ کا خوف رکھتے ہوں ۔"

ودیعۃ الانصاری نے فاروقِ اعظمؓ کے وعظِ دل نشین کو مختصراً یوں بیان کیا ہے :-

جن چیزوں سے تعلق نہ ہو ان میں مت دخل دو۔ دشمن سے کنارہ کش رہو۔ دوستوں میں بھی صرف قابل اعتماد لوگوں سے ملو۔ اور قابلِ اعتماد وہ شخص تو ہو ہی نہیں سکتا جو اللہ سے نہ ڈرے۔ گنہ گار کے ساتھ مت رہو، کیونکہ وہ تم کو گناہ کی رغبت دلائیگا۔ اسے اپنے راز مت بتاؤ۔ اپنے معاملات میں اہل تقویٰ سے مشورہ لو۔"

سلیمان ابن عبیدہ نے فاروقِ عادل کا ارشاد نقل کیا ہے :-

"کسی مسلم کی زبان سے نکلے ہوئے لفظ کی غلط تعبیر مت کرو۔ بلکہ اس کے اچھے پہلو کو نظر میں رکھو۔"

ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ :-

کسی شخص کے بُرا آدمی کہے جانے کے لیے یہ کافی ہے کہ اس کے دوستوں کے وہ عیوب اس کے سامنے رہیں جو خود اس میں موجود ہیں۔ یعنی وہ دوسروں کے ایسے عیوب کو طشت ازبام کرتا پھرے جو خود اس میں بھی ہیں۔"

ابن ابی نجیح نے اپنے والد سے سُن کر بیان کیا ہے کہ:۔

"عمر بن الخطاب کا قول یہ تھا کہ آدمی کو اپنے گھر میں بچّوں کی طرح (سادگی اور معصومیت کے ساتھ) رہنا چاہیئے۔ البتّہ وقت آنے پر اسے مردانگی اور شجاعت کے جوہر دکھانے چاہئیں۔"

ریاشی نے بیان کیا ہے اور ہم نے بھی ابن سلام سے یہ واقعہ سنا ہے کہ:۔

"ایک دن حضرت عمرؓ کسی بازار سے گذر رہے تھے۔ ان کے آگے آگے ایک شخص لن ترانیاں کرتا جا رہا تھا۔

"میں فرزندِ دشت و جبل ہوں۔"

فاروقؓ رُک گئے اور اس شخص سے کہا:۔

"اگر تم میں دین داری، عقل یا دولت میں سے کوئی بھی چیز ہے تب تو بے شک یہ فخر و مباہات کا موقع ہے ورنہ تم میں اور حیوانوں میں کوئی فرق نہیں۔"

عبداللہ بن عبید نے عمر بن الخطابؓ سے روایت کی ہے کہ ایک بار انھوں نے فرمایا:۔

"اے گروہِ مہاجرین! اہل دنیا سے زیادہ رسم و راہ مت رکھو۔ اس سے عطائے الٰہی کو ناگواری ہوتی ہے۔"

مجاہد نے عمر سے نقلِ قول کیا ہے:۔

"بہت شکم سیر ہو کر کھانا انسان کو عبادت کے قابل نہیں چھوڑتا۔ اور اس خوئے بد سے اس کے جسم میں فساد پیدا ہو جاتا ہے اور وہ بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فربہ اندام روسائے دین سے متنفّر ہے۔ اپنی روزی کے سلسلے میں لوگوں کو اعتدال کی راہ اختیار کرنا

چاہیے۔ اس لئے کہ اعتدال سے بڑھ کر کوئی شے مصلح نہیں۔ کم کھانے والا فضول خرچی سے محفوظ اور عبادت کے لیے آمادہ رہے گا۔ اور کوئی آدمی اس وقت تک ہلاک اور برباد نہیں ہوگا جب تک اس کی دین داری اس کی نفسانی خواہشات کے بالکل تابع نہ ہو جائے گی۔"

مالک بن حارث نے فاروق رض کا یہ قول نقل کیا ہے کہ :۔

"آخرت کے معاملہ کو چھوڑ کے ہر چیز میں رعایت اور داد و دہش سے کام لیا جا سکتا ہے"

ہشام نے اپنے والد سے سن کر ابن خطابؓ کا ایک اور ارشادِ گرامی ہم تک پہنچایا ہے :۔

"جان لو کہ حرص ایک قسم کی گدائی اور بے پروائی دل کی امیری ہے۔ آدمی جب کسی چیز سے مایوس ہوتا ہے تو اس سے بالکل بے نیاز ہو جاتا ہے۔

عون بن عبداللہ نے ذیل کے عمری ارشاد سے ہمیں مالا مال کیا ہے۔

"اپنے گناہوں سے تائب ہونے والوں کی صحبت اختیار کرو۔ یہ لوگ دل کے رقیق ہوتے ہیں۔"

سمیر بن واصل ایک اور قولِ عمر رض پیش کرتے ہیں :۔

"انسان جب کسی کام میں خطا کار ثابت ہوتا ہے تو اس کے بعد وہ رنج و ملال میں مبتلا ہو جاتا ہے جس سے اس کی تقصیر کا گناہ دُھل جاتا ہے"۔

عبید بن عمیر نے عمر رض سے سنا تھا :۔

"متقی اور متورّع آدمی کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اہلِ دنیا کے سامنے جھک جائے"۔

عمران بن عبدالرحمٰن نے فاروق رض سے روایت کی ہے :۔

ذکرِ الٰہی بہبودیِ قلب اور ذکر مردم دنیا باعثِ رنجوریِ دل ہے"۔

سعید بن المسیبؒ نے خلیفہ راشد سے نقل کیا ہے :۔

تصور کرو ایک شخص کسی کھلے میدان میں وارد ہوا، وہاں اس نے نماز ادا کی اور پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور اس بات پر اظہارِ تشکر کیا کہ اللہ نے اسے فنا سے نکال کر بقا کی چادر اوڑھائی اور پھر اس نے بڑی گریہ و زاری کے ساتھ اپنے گناہوں سے توبہ کی! ایسے شخص کی مغفرت یقینی ہے۔ خواہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگ کی طرح بالیدہ اور گسترده ہوں"۔

حفص بن عاصم نے قولِ فاروقی نقل کیا ہے :۔

"تنہائی اور عزلت گزینی سے ہر شخص کو بہرہ ور ہونا چاہیئے

محمد بن سیرین نے حضرت عمرؓ کا قول نقل کیا ہے :۔

"اللہ اور اس کے بندوں، دونوں کے معاملات میں محتاط رہو"

سفیان ثوری نے عمر بن الخطابؓ کا قول پیش کیا ہے :۔

"اگر تمہیں آخرت عزیز ہے تو تمہیں اس بات سے ملولِ خاطر نہیں ہونا چاہیے کہ بہت سی مرغوباتِ سے تم اب تک محروم ہو"

ذیل میں چند مزید عمری اقوال پیش کئے گئے ہیں ۔ جن واسطوں سے یہ اقوال ہم تک پہنچے ہیں یہاں ان کا بھی ذکر ہے۔

راوی یا رواۃ	عمری اقوال و فرمودات
ابو عبداللہ الخراسانی،	اللہ سے ڈرنے والا اپنے غیظ پر قابو پاتا ہے اور اپنی خواہشات کی پیروی سے گریز کرتا ہے، قیامت نہ آنے والی ہوتی تو معاملات دوسرے ہوتے۔

علی بن حسین رضؓ سے روایت ہے : "حضرت عمرؓ کا قول ہے اگر کوئی شخص غصہ اور

غیظ و غضب کو پی جائے گا تو اس سے زیادہ محبوب کوئی بات نہیں اور اس جرعہ سے زیادہ شیریں کوئی جرعہ نہ ہوگا۔

ابوسنان سے الاعرج الاجلح کے واسطے سے روایت ہے:۔

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے:۔

"مجھے معلوم ہے سب سے زیادہ سخی انسان کون ہے اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ سب سے زیادہ بُردبار انسان کون ہے۔ سب سے زیادہ سخی وہ ہے جو اپنے محروم کرنے والے کو بھی عطا کرے۔ اور سب سے زیادہ بُردبار وہ ہے جو اپنے ستم گروں کو بھی معاف کر دے۔"

اسماعیل بن ابی خالد سے روایت ایک اور عمری ارشاد ہے:۔

"ظروفِ کتاب بن جاؤ اور چشمہ ہائے علم و عرفان" اور اللہ سے ہر روز روزی طلب کرو اور اپنوں کو مُردوں میں شمار کرو تاکہ تم ذہنی طور پر مرنے کے لیے آمادہ رہو مال و دولت کی کمی سے تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔"

روایت از نافع بواسطہ ابن عمر:۔

"میرے والد کو معلوم ہوا کہ یزید بن ابی سفیان طرح طرح کے کھانوں کے شائق ہیں چنانچہ میرے والد نے یزید کے غلام یرفا سے کہہ دیا کہ جس وقت تمہارے آقا کھانا کھانے بیٹھیں مجھے بتانا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت عمرؓ یزید بن ابوسفیان کے یہاں پہنچ گئے اور اجازت لیکر اندر داخل ہو گئے۔ اب دسترخوان پر گوشت لگایا گیا۔ اور حضرت عمرؓ نے بھی اسے کھایا۔ پھر اور کچھ چیزیں بھی لائی گئیں، عمرؓ نے اپنا ہاتھ روک لیا، لیکن صاحب خانہ نے ان چیزوں کو بھی کھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اس پر امیر المومنین نے اعتراض کیا۔

"یزید! یہ کیا؟ غذا پر غذا، اگر تم زہد و اتقا کی راہ ترک کر دو گے تو تمہارے ہی ذریعہ سے لوگ راہِ اسلام سے منحرف ہوں گے۔"

عبدالرحمٰن بن غنم سے روایت ہے:۔

"عمرؓ نے فرمایا کہ "زمین کے اُن داتا جس وقت آسمان کے ان داتا سے بروزِ حشر ملیں گے (یعنی اس دن جس دن سوائے انصاف پسندوں، عادلوں اور اللہ کی کتاب کو آئینہ زندگی اور معیار بنانے والوں کے ماسوا سب کا انجام بُرا ہوگا) تو ان کی بہت ہی بری حالت ہوگی۔"

ہشام بن عروہ سے روایت ہے:۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ:۔

"جو اللہ کے حقوق یعنی اپنی نمازیں ضائع کر سکتا ہے وہ اوروں کے حقوق اور بھی پامال کر سکتا ہے۔"

عبدالعزیز محمد بن عبداللہ بن سلیمان سے روایت ہے کہ ایک دن عمرؓ نے ایک مجلس میں سوال کیا:۔

"سب سے برتر لوگ کون ہوتے ہیں؟"

لوگ بولے، "نماز ادا کرنے والے۔" فرمایا:۔

"نمازیوں میں نیک و بد سب ہی لوگ ہوتے ہیں۔"

لوگوں نے کہا۔ "روزہ دار لوگ کیسے ہوتے ہیں؟

"ان میں بھی نیک و بد سبھی شامل ہوتے ہیں۔"

لوگوں نے کہا:

"راہِ خدا میں جہاد کرنے والے۔" فرمایا:۔

"ان کے باب میں بھی یہی بات کہی جا سکتی ہے۔" اس کے بعد فرمایا:۔

"ہاں اگر دین کے معاملہ میں آدمی میں خوفِ خدا ہو تو طاعت و عبادت کا پورا پورا حق ادا ہو سکتا ہے۔"

مجاہد کا قول ہے کہ:۔

"امیر المومنین کے پاس ایک فتویٰ آیا۔ وہ بہتر ہے جسے رغبتِ گناہ بھی نہ ہو اور وہ گناہ

پر عمل بھی نہ کرے یا وہ جسے رغبت تو ہو لیکن وہ پھر بھی اس پر عمل نہ کرے۔

حضرت عمرؓ نے جواب دیا:۔

"وہ لوگ جن کو معصیت کی جانب رغبت ہوتی ہے۔ تاہم وہ زہد پر عمل کرتے ہیں یعنی گناہوں کا ارتکاب نہیں کرتے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے تقویٰ کی آزمائش میں ڈال رکھا ہے اور بخشائش اور اجر و ثواب بھی اسی گروہ کے لیے ہے"

عطاء بن عجلان سے یہ عمری قول مروی ہے کہ:۔

"جلد ہی یہ تمام علم تم سے چھین لیا جائے گا یعنی تمہارے ساتھ دفن ہو جائے گا۔ اس لیے جس کے پاس جو کچھ ہو وہ بلا کم و کاست دوسروں تک پہنچا دے"

عدی بن سہیل انصاری سے روایت ہے: حضرت عمرؓ نے ایک مجمع عام میں کھڑے ہو کر خطابت کے گہر لٹاتے اور فرمایا:۔

"میں تم سے اس خدا سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں جس کے ماسوا ہر شئے فنا ہو جائیگی جس کی اطاعت گزاری سے اس کے دوست مستفید ہوتے ہیں اور جس کی نافرمانی سے اسکے دشمن خسارہ میں رہتے ہیں۔ برباد ہونے والوں کا عذر قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ ان کے سامنے ہدایت آ بھی چکی اللہ کی حُجّت و برہان جب واضح ہو چکی تو اب حجت اور بحث کی گنجائش بھی کہاں۔ یاد رکھو، ایک سرپرست اپنے ماتحتوں کا اس سے بہتر حق ادا نہیں کر سکتا کہ وہ اُن کو ان کے فرائض کی انجام دہی پر آمادہ کرے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اللہ کے احکامات نافذ کریں اور اپنے زیر نگیں اور زیر نگرانی لوگوں کو یعنی اولاد وغیرہ کو اللہ کی نافرمانی نہ کرنے دیں۔ ہمیں چاہیئے کہ قریب اور دور سب ہی جگہ کے لوگوں کو احکامِ الٰہی کا تابع بنائیں اور اس کی پرواہ نہ کریں کہ حق کی جانب نزدیک کے لوگ مائل ہوئے کہ دور کے۔ تاکہ ان پڑھ سیکھ جائیں اور غیر معتدل لوگ راہ راست پر آ جائیں اور ہم ایسے لوگوں سے بھی واقف ہوں جن کے قول و فعل میں تضاد پایا جاتا ہے۔

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو دل ہی دل میں سوچتے رہ جاتے ہیں کہ ہم یہ کریں گے ہم وہ کریں گے۔ ہم نمازیوں کے ساتھ نماز ادا کرینگے۔ مجاہدوں کے ساتھ جہاد کریں گے۔ ہجرت کریں گے اور اللہ کے دشمنوں کے ساتھ قتال کریں گے، لیکن محض حسن آرزو سے کیا ہوتا ہے۔ جو کوئی بھی اپنے فرائض پر عمل پیرا ہوتا ہے اور اپنی نیت صحیح رکھتا ہے وہی نجات یافتہ ہوتا ہے ورنہ نہیں ؎

وصل کی بنتی ہیں ان باتوں سے تدبیریں کہیں
آرزوؤں سے پھرا کرتی ہیں تقدیریں کہیں (حسرت)

جو کوششوں میں اضافہ کرتا ہے اسے اللہ کے ہاں اور ملتا ہے۔ جہاد سب سے مرتفع اور اعلیٰ پائے کا عمل ہے اور اصل جہاد یہ ہے کہ انسان اعمالِ بد اور بدعمل لوگوں کو مطلقاً چھوڑ دے۔ بعض لوگ مجاہد ہونے کے مدعی ہیں، لیکن جہاد دراصل اللہ کی راہ میں ہوتا ہے۔ جہاد یہ ہے کہ حرام چیزوں سے بچا جائے۔ اسلام کے اعدا سے لڑا جائے اور مشکلات کے مواقع پر کوششوں میں اور اضافہ کیا جائے۔ بعض لوگ ہیں کہ اجر کی خاطر لڑتے ہیں۔ بعض ذکر کی خاطر! اللہ کو یہ ناگوار نہیں کہ تم کشادگی حاصل کرو۔ مگر وہ دراصل تم کو زیادہ بڑی سہولتوں کی جانب برانگیختہ کرتا ہے۔ اپنے فرائض انجام دو۔ یہ تم کو جنت الفردوس دلوائیں گے۔ طریقِ نبوی پر قائم رہو۔ نئے فتنوں سے محفوظ رہو گے۔ سیکھو، جانو اور حاصل کرو۔ اس لیے کہ بے خبری میں بے چارگی ہے۔ دین میں نئی نئی بدعتیں بے حد مکروہ ہیں۔ طریقِ نبوی پر معتدلانہ عمل اس اجتہاد سے بہتر ہے جو گمرہی ثابت ہو۔ نصیحتوں پر عمل کرو۔ لڑتا وہ ہے جو اللہ کی راہ میں لڑتا ہے۔ سعادت مندی یہ ہے کہ انسان دوسروں سے سبق لے۔ شقی ماں کے بطن سے شقی برآمد ہوتا ہے۔ اطاعت و فرماں برداری بے حد لازم ہیں کہ ان میں عزت و آبرو ہے۔ عصیاں شعاری اور تفرق سے پرہیز کرو کہ یہ باعثِ تذلل اور خواری ہے۔ عموماً لوگ اقتدار سے متنفر رہتے ہیں۔ خدا نہ کرے کہ تجھے اس سے سابقہ ہو۔"

اعمش بواسطہ ابراہیم کہتے ہیں:۔

ایک شخص کو عمرؓ نے کہتے سنا "خداوندا! میری خواہش ہے کہ میری جان و مال جس قدر ہو سکے تیرے کام آسکیں۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا:۔

"آدمی کو چاہیئے کہ وہ جب کسی آزمائش میں ڈالا جائے تو صبر کرے اور اگر اسے محفوظ کر دیا جائے تو وہ شکر گزار ہو۔"

عبداللہ ابن عبید نے روایت کی ہے۔ عمری ارشاد ہے:۔

"اہل دنیا سے زیادہ مت ملو جلو۔ اس سے رزق میں کمی آجاتی ہے۔"

محمد بن مرۃ التستری نے کہا۔ عمری ارشاد ہے:۔

"زہد فی الدُّنیا راحتِ قلب بدن ہے۔"

حبیب بن ابن ثابت سے روایت ہے:

"زمستان کے روزے اور شب زندہ داری مالِ غنیمت ہیں۔"

فضل بن عمروالفقیمی سے روایت ہے۔ عمری ارشاد ہے کہ:۔

"نماز کے سلسلے میں لوگوں پر نظر رکھو۔ یعنی یہ دیکھتے رہو کہ کون لوگ نماز میں آتے ہیں یا کون نہیں آتے۔ اگر کچھ لوگ بیمار پڑ جائیں تو ان کی عیادت کرو، اور اگر بات دوسری ہو تو انھیں ملامت کرو۔"

ابو نضرہ نے ابو فراس سے سن کر بیان کیا ہے:۔

"ایک وقت تھا کہ رسول اللہ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے۔ ان پر وحی کا نزول ہوتا تھا اور وہ ہم لوگوں کو تمہاری تمام باتیں بتا دیا کرتے تھے۔ لیکن اب رسول اللہ چلے گئے اور سلسلۂ وحی منقطع ہوگیا۔ اب تم لوگوں کو اصل حقیقت جاننے کا ایک ہی طریقہ میسر ہے، کسی سے کچھ کہا جائے اور اسکا عمل دیکھا جائے۔ یعنی اب تم میں سے کسی سے برائی سرزد

ہوگی تو ہمیں اس سے سوءِ ظن ہوگا اور نیکی سرزد ہوگی تو حُسنِ ظن ہوگا۔ تمہارے بھید اور رازہائے سربستہ اب تم جانو یا تمہارا رب۔ میں نے ایک ایسا زمانہ بھی دیکھا ہے جب دینی زندگی کا مقصد رضائے الٰہی ہوتا تھا لیکن اب اس کے برعکس یہ مقصد جاہ طلبی اور مقبولیت قرار پایا ہے۔ اللہ کے نزدیک وہ بردباری بڑی محترم ہے جو قائد قوم سے سرزد ہو۔ اسی طرح جسے قوم کی امامت سپرد ہوئی ہے اس کی بے خبری سے زیادہ کوئی شے بھی مکروہ نہیں ہے۔ جو شخص آپس میں عفو و درگزر سے کام لیتا ہے اس پہ بلندی سے رحمت نازل ہوتی ہے۔ اور جو شخص اپنی حد تک عدل و انصاف سے کام لیتا ہے وہ فی الاصل ظفریاب اور ظفرمند ہے طاعتِ الٰہی میں ذلت و خواری دنیا طلبی میں جاہ و جلال سے بڑھ کر ہے ؎

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں (آزردہ)

سلمہ بن شہاب العبدی نے بھی حضرت عمرؓ سے روایت الفاظِ زیریں کی ہے:۔

"قوم کے باب میں ہمارا فرض یہ ہے کہ آخرت کے معاملہ میں ہم اس کے ساتھ بھلائی کریں یعنی قوم کی اخروی فلاح کو ملحوظِ خاطر رکھیں اور نیکی میں اس کی مدد کریں۔ اللہ کے نزدیک قائدِ اُمّت یعنی امام کے حلم سے زیادہ گراں مایہ اور اس کی بے خبری سے زیادہ قابلِ نفرت کوئی شے نہیں ہے۔"

سفیان نے ہمیں بتایا ہے کہ ایک بار عمرؓ نے ابو موسیٰؓ کو لکھ بھیجا:۔

"دانائی کا مدار پیری پر نہیں بلکہ یہ ایک عطائے الٰہی ہے جسے مل جائے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

اس لیے تمہیں چھوٹی چھوٹی باتوں میں ہرگز ہرگز نہیں الجھنا چاہیئے۔"

ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے ایک عمری خط کے چند اقتباسات حاصل کئے جو یہ ہیں۔ "حرص گداگری ہے۔ انسان جب کسی شے سے مایوس ہوتا ہے تو اس سے

مستغنی اور بے پروا ہو جاتا ہے۔"

حفص نے بھی کم و بیش یہی الفاظ نقل کئے ہیں۔ یعنی:۔

"انسانوں سے کو مت لگاؤ۔ بندہ جب کسی شئے سے مایوس ہوتا ہے تو اس سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ طمع سے قطعاً بچو طمع ایک قسم کی گدائی ہے۔"

علاء بن المسیب نے اپنے والد سے ابن خطاب کا قول نقل کیا ہے:۔

"علم حاصل کرو اور علم کے ساتھ بردباری اور طمانیت قلب بھی، اپنے اساتذہ اور معلّمین کے لیے متواضع بن جاؤ۔ اور اپنے شاگردوں سے بھی تواضع اور انکسار کا برتاؤ کرو۔ عالم دین بنو لیکن دوسروں کے لیے عذاب مت بنو کہ تمہاری دانائی کا پلڑا تمہارے علم کے پلڑے سے بھاری ہو جائے۔"

مجاہد نے ایک اور عمری قول زرّیں سے اُمّت کو مخاطب کیا ہے:۔

"اے اہلِ علم اور قرآن شناسو! اپنے علم اور اپنے قرآن کو سستے داموں مت بیچو کہ جنت کے عوض تم کو دو عالم کی رسوائی ملے۔"

قیس بن حازم کہتے ہیں کہ ایک بار ہم بارگاہِ عمری میں پیش ہوئے۔ پوچھا:۔

"تم لوگوں نے اپنے یہاں کن کن لوگوں کو موذّن بنایا ہے؟

ہم نے کہا: "ہمارے مملوک اور غلام ہمارے لیے موذّنی کرتے ہیں۔"

اِس پر وہ غضبناک سے ہو گئے اور کہا:۔

"یہ تم لوگوں کی بہت بڑی کمزوری ہے۔ اذان کا درجہ تو یہ ہے کہ اگر میں خلافت کے ساتھ ساتھ اذان کی ذمے داری سے بھی عہدہ برآ ہو سکتا تو ایسا کرتا (نگاہ بورِ خطابؓ میں اذان کا یہ اعزاز دیکھ کر مجھے اذان کے ایک بڑے مرتبہ شناس کے دو شعر یاد آ گئے۔ش۔ح۔ع)

یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا

ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذان سے پیدا وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستان وجود

(اقبالؔ)

ابو عثمان النہدی:۔

ابو عثمان النہدی نے روایت کی ہے:۔

"جب قدم کسی احمق کے پیچھے اُٹھ جائیں تو پھر دین داری باقی نہیں رہتی۔"

عبداللہ بن بردہ نے اپنے والد سے حضرت عمرؓ کی یہ زاہدانہ اور سخت کوشانہ نصیحت سنی تھی کہ:۔

"کبھی کبھی برہنہ پا بھی چلنا چاہیئے اور میرے والد اس پر عمل بھی کرتے تھے۔ یعنی ایک بستی سے دوسری بستی ننگے پاؤں چلتے تھے۔"

نعمان بن بشیر کہتے ہیں:۔

حضرت عمرؓ سے پوچھا گیا کہ "توبۃ النصوح کیا شے ہے؟"

فرمایا:۔ ایسی توبہ ہے یہ کہ ایک بار گناہوں سے تائب ہو جانے کے بعد آدمی پھر کبھی ان کی طرف نہ لوٹے۔ یعنی بُرے اعمال سے ایک بار تائب ہو تو پھر کبھی ان کی جانب مائل نہ ہو۔"

باب ۵۸

نفیل کے پوتے کا ذوقِ شعری

ابو جعفر نے ہمیں بتایا ہے کہ ایک بار مکّہ کے سفر میں حضرت عمرؓ کا اور ایک اور شخص کا ساتھ ہوا۔ اتفاق سے یہ شخص راستہ ہی میں فوت ہو گیا۔ مرنے والے کی تدفین کے سلسلہ میں حضرت عمر کو راستہ میں رُکنا پڑا۔ اور گویا بہت سے ناگوار اور دل دوز مراحل سے گزرنا پڑا۔ ایک رفیقِ سفر کے یوں اچانک مرنے کا فاروق اعظمؓ کو اس درجہ غم ہوا کہ وہ اس واقعہ کے بعد اکثر و بیشتر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

وَبَالِغُ اَمْرٍ كَانَ يَأْمَلُ دُوْنَهُ ، وَمُخْتَلِجٌ مِنْ دُوْنِ مَا كَانَ يَأْمَلُ

اس شعر کو آزادانہ طور پر اردو شعر کے قالب میں ڈھالنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ بحیثیتِ مترجم یہ میرا مسلکِ خاص ہے۔ اس باب کے دوسرے اشعار کے ساتھ بھی جو گویا اک شعری کوہمیز رکھتے، میں نے یہی معاملہ کیا ہے)

منزل پہ پہنچنے کی طلب جن کو رہی ہے
اکثر انھیں راہوں میں کوئی لوٹ گیا ہے

قرشی نے بیان کیا کہ انھیں ابو جعفر الآدمی نے یحییٰ بن سلیم اور سفیان ثوری کے حوالے سے بتایا تھا کہ فاروق اعظم اکثر یہ شعر دہرایا کرتے تھے:۔

لا یغرنک عشاء ساکن
قد یوافی بالمنیات السحر

بساطِ نزہتِ شب ہے بساطِ مکر و غرور
نویدِ صبح درخشاں نہیں ہے شامِ سرور

معاذ بن عبداللہ بن حبیب نے اپنے والد سے سُن کر بیان کیا تھا کہ حضرت عمرؓ نے اپنی ایک تقریر میں یہ شعر پڑھا:۔

ان شرخ الشباب والشعر الا ۔ سود مالم یعاص کان جنونا

فتنے وہ کون تھے کہ نہ جاگے شباب میں
زُلفِ دوتا وہ کب نظر آئی نہ خواب میں

سروق نے ہمیں بڑی دلچسپ بات سنائی ہے اور وہ یہ کہ ایک روز حضرت عمرؓ ایک اونی قبا زیب تن کئے باہر نکلے جس پر سب کی نظریں لگ گئیں تو دفعتہً فرمایا:۔

لا شئ فیما یری تبقی بشاشتہ ۔ الا الالہ ویودی المال والولد

اس معرکۂ زیست میں ہر شے گزراں ہے
خالق کے سوا کوئی عیاں ہے نہ نہاں ہے

اس کے بعد فرمایا "بخدا آخرت کے مقابلے میں یہ دنیا ایک بدمستیٔ خرگوش ہے اور یہ بیان سعید بن المسیب کا ہے:۔

" اپنے ایک سفر حج میں حضرت عمرؓ جس وقت ضجنان کے مقام پر پہنچے تو بے ساختہ فرمایا:۔

" اللہ میں بڑی قدرت ہے، جسے چاہے بخش دے۔ مجھی کو دیکھو میں ایک زمانے میں اس وادی میں، آگے سے پھٹا ہوا ایک صوف کا جُبّہ پہنے خطّاب کے اونٹ چرایا کرتا تھا۔ اور خطاب کے مزاج کی سختی کا یہ عالم تھا کہ کام کرو تو ناراض اور کام میں کوتاہی کرو تو ناراض، یعنی بہر صورت ناراض، اور پھر مار بھی کھاؤ۔ اور آج خدا کی قدرت سے روئے زمین پر میں اللہ کی سطوت کی نشانی ہوں، اور اس کے بعد عربی کے

یہ اشعار آب دار سنا کر رفقاء کو رُلا دیا:۔

لا شئ فیما یری تبقی بشاشتہ	یبقی الا لہ ویودی المال والولد
لن تغن عن ھرمز یوما خزائنہ	والخلد قد حاولن عاد فما خلدوا
ولا سلیمان اذ تجری الریاح لہ	والانس والجن فیما بینھا تلد
این الملوک التی کان نوافلھا	من کل اوب الیھا راکب یفد
حوضا ھنا لک مورودا بلا کذب	لا بد من ورده یوما کما وردوا

ہر شے فنا نورد ہے اس شہ سراب میں
آتے کہاں ہیں جاہ و کرامت حساب میں
گردوں سپاہ کتنے شہنشہ چلے گئے
گویا نظر وہ آئے تھے ہستی کے خواب میں
کسریٰ زر و گُہر کی تمنا میں مر گئے
عادِ ارم بقائے تنعّم کے باب میں
ہیہات مٹ گئی وہ سلیماں کی سلطنت
جنّ و مَلک کہاں کہ رہیں پیچ و تاب میں
سب کج کلاہ سارے تہمتن چلے گئے
شانِ شہنشہی ہوئی قائم حباب میں
انسان مرگ سے متوحّش کبھی نہ ہو
بے صرفہ خوش دلی ہے یہ ہستی کے باب میں

محمد بن عمر المدینی نے ہمیں اطلاع دی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک بار ابو نمیلہ السلمی کے ذیل کے دو شعر پڑھے پھر فرمایا کہ بس ان شعروں میں جو تصویر ہے اس سے بہتر ابو بکر کی شخصیّت کی تصویر نہیں کھینچی جا سکتی۔

من یسع کی یدرلک افضالہ — یجتہد الشد بارض فضا
واللہ لا یدرلک افعالہ — ذو مئزر ضاف ولا ذور دا

ادراک کی سرحد سے پرے اس کی بلندی
افلاک نگوں رفعتِ پرواز کے آگے
ہے شوخیٔ کردار میں اک برق جہندہ
اک راز ہے عظمت کا ہر اک راز کے آگے

ابو عبیدہ نے ثابت البنانی سے اور موصوف نے انس رضؓ سے سن کر ہمیں یہ بتایا ہے کہ ایک بار حضرت عمر رضؓ نے ذیل کے یہ دو شعر دہرائے :۔

لا تاخذ وا عقلاً من القوم انني — اری الجرح یبقی والمعاقل تذھب
کانک لم توتر من الدھر لیلۃ — اذا أنت ادرکت الذی کنت تطلب

انسانوں میں اکثر ہیں، جو تدبیر سے اپنی
اک زخم بڑھا دیتے ہیں گیتی کے جگر کا!
جب ہاتھ میں آجاتا ہے مقصود کا موتی
رہتا ہے کہاں عجز وہ پہلا سا بشر کا!

اصمعی کا خیال ہے کہ عموماً حضرت عمر رضؓ ہر موقع پر کوئی نہ کوئی شعر ضرور سنا دیتے تھے۔

شعبی کی شہادت کے مطابق فاروق اعظم رضؓ شاعر تھے!

باب ۵۹

فاروقی شخصیت کی بوقلمونی

محمد بن سیرین کا بیان ہے:۔

"کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ عمر بن الخطابؓ کو نماز میں سہو غالب ہو جاتا۔ اور پھر مقتدیوں میں کوئی نہ کوئی ان کی رہنمائی کرتا۔ اس کے بعد جو بھی مناسب صورت ہوتی قیام کی یا سجود کی وہ ویسا ہی کرتے۔

یحییٰ بن جعدہ نے فاروقؓ کا قول نقل کیا ہے:۔

"اگر یہ چند لذتیں نہ ہوتیں، مثلاً راہِ خدا میں بادیہ پیمائی، اس کی بارگاہ میں جبینِ نیاز رکھنا اور ایسے اشخاص کی صحبت جو اچھی باتیں اس دلچسپی اور ذوق سے قبول کرتے ہیں گویا یہ باتیں باتیں نہیں، وہ لذیذ اور شیریں پھل ہیں جنھیں لوگ بڑی رغبت سے اٹھالیں۔ تو میں اپنی ارضی زندگی کے خاتمہ کی تمنا کر دیتا۔ گویا یہی چند چیزیں ہیں جن کے سہارے میں جی رہا ہوں۔"

انہی یحییٰ بن جعدہ نے الفاظ کے تھوڑے سے ردوبدل کے ساتھ یہی روایت ایک اور موقع پر بھی بیان کی ہے۔ اتفاقاً حبیب بن ابی ثابت نے بھی یحییٰ بن جعدہ کے حوالے سے قولِ فاروقی کو مسطورہ بالا الفاظ کا جامہ پہنایا ہے۔ یعنی یہ کہ اگر راہِ خدا میں چلنے کی لذت، لذتِ سجدہ اور اخیار کا لطفِ صحبت نہ ہوتا تو میں پسند کرتا کہ میں اپنے رب کے حضور پہنچ جاتا۔"

یہاں مجھے اردو کا ایک اچھا شعر یاد آگیا ؎

توڑ دیتے ہم تو تنگ آ کر ربابِ زندگی
وہ تو یہ کہیئے کہ تیرا غم غزل خواں ہوگیا

ابنِ سعد کی روایت ہے کہ، ایک بار عمر بن الخطابؓ نے فرمایا:۔

"بخدا میں نہیں کہہ سکتا کہ میں خلیفہ ہوں یا سلطان۔ اگر میں سلطان اور بادشاہ ثابت ہوا تو یہ بڑی تباہ کن بات ہوگی"۔

کسی نے عرض کیا "امیر المومنین! خلیفہ اور بادشاہ میں بڑا فرق ہے"۔

ارشاد ہوا "کیا فرق ہے؟"

کہنے والے نے کہا:۔

"خلیفہ صرف اپنا حق لینے پر اکتفا کرتا ہے اور اس حق کا وہ جائز مصرف بھی کرتا ہی اس کے برخلاف بادشاہ وہ ہے جو ظلم و جور کے بل بوتے پر کسی سے لیتا ہے اور کسی کو بخش دیتا ہے"۔

یہ سنکر امیر المومنین خاموش ہو گئے۔ زہری کہتے ہیں کہ عمر کی مجلس کے بیٹھنے والے بوڑھے اور جوان سب قرآن پر نظر رکھتے تھے

محمد بن المنکدر سے روایت ہے کہ:۔

زینب بنت جحش کی تربت تیار کی جا رہی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ ہوا بے حد گرم چل رہی ہے۔ گورکنی کرنے والے اصحاب پر ایک تنبو تنوا دیا۔ چنانچہ یہ پہلا شامیانہ تھا جو اب تک کسی قبر پر سایہ فگن ہوا تھا۔

عبداللہ ابن بریدہ سے روایت ہے کہ کبھی کبھی حضرت عمرؓ کسی بچّے کا ہاتھ تھامے ہوئے اسے اپنے ساتھ لاتے اور اس سے کہتے:۔

"تم میرے لیے دعا کرو، اس لیے کہ تم بے گناہ ہو"۔

ہشام بن حسان نے محمد سے روایت کی ہے :۔

"عمر عورتوں سے صلاح مشورے لیا کرتے تھے۔

یحییٰ بن سعید کا بیان ہے کہ :۔

حضرت عمرؓ نے حسین بن علیؓ کو ان کے کسی کام کے سلسلے میں گھر پر بلایا۔ جب وہ پہنچے تو عبداللہ بن عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ ، وہ کیسے آئے۔ اور جب انھوں نے امیرالمومنین سے ملنا چاہا تو عبداللہ بن عمرؓ نے انھیں اس کی اجازت نہ دی۔ حضرت حسینؓ پلٹ آئے۔ بعد میں جب ان کی اور حضرت عمرؓ کی ملاقات ہوئی تو حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ وہ آئے کیوں نہیں ؟" حضرت حسینؓ نے امیرالمومنین کو اپنے جانے اور واپس آجانے کا واقعہ سنایا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا :۔

" تم میرے لیے عبداللہ (مراد عبداللہ بن عمرؓ) کے مثل ہو۔ تم میرے لیے میرے بیٹے کے مثل ہو۔"

ابراہیم بن سعد نے اپنے والد کو اور انہوں نے اپنے والد کو کہتے سُنا :۔

"میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ عمر بن الخطابؓ نے ایک مے فروش کے مکان کو جسے رشید کہا کرتے تھے، آگ لگادی تھی۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ شخص امیرالمومنین کی طرف آرہا تھا اور حالت یہ تھی کہ اس کا مکان ایک شعلۂ آتش میں تبدیل ہو چکا تھا۔

ابوسوداء نے ابو مجلز کے حوالہ سے قول فاروقی نقل کیا ہے :۔

"میں کسی حال میں رہوں مجھے اس کی مطلق پروا نہیں کہ میں کس حال میں رہتا ہوں نہ میں اپنی مرغوبات میں گرفتار ہوں اور نہ ہی مجھے مصائب کے تصور سے کسی قسم کا ہراس ہوتا ہے۔ انسان یہ نہیں جانتا کہ اس کی بھلائی کس چیز میں ہے۔"

جعفر نے ابوعمران کے حوالہ سے بیان کیا کہ :۔

"ایک بار عمر بن الخطابؓ نے ایک راہب عیسائی تارک الدنیا کو دیکھا کہ وہ اپنے

صومعہ میں مشغولِ عبادت ہے۔ فاروق رضؓ نے راہب کو آواز دی:۔

"راہب، راہب، ذرا سننا"

راہب نے سر نکال کر باہر کی طرف دیکھا۔ اب اسے دیکھتے ہی آپ رونے لگے۔

راہب نے پوچھا:۔

"یہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟"

فاروق اعظم رضؓ نے فرمایا:۔

"مجھے رونا اس بات پر آتا ہے" عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَة۔ یعنی ایک شخص کام بھی کرے گا تھکے گا بھی اور اسکے باوجود اسے نارِ جحیم میں کودنا پڑے گا۔ میں اس لیے رو رہا ہوں کہ مجھے قرآن کے یہ الفاظ یاد آ گئے"۔

نافع نے ابنِ عمر رضؓ سے روایت کی ہے کہ:۔

"عمر بن الخطاب اس وقت تک نماز کی امامت نہیں شروع کرتے تھے جب تک کہ صفیں برابر نہ ہو جاتیں۔ کبھی کبھی صفوں کی کجی دُور کرنے کا کام دوسروں کو بھی سونپ دیا جاتا تھا۔

ابو عثمان النہدی کہتے ہیں کہ میں نے خود دیکھا ہے کہ جب لوگ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو عمر لوگوں کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاتے اور وہیں سے کسی کو پکار کے کہتے تقدّم! یعنی آگے بڑھ آؤ، اور کسی سے کہتے۔ "تاخّر" یعنی ذرا پیچھے ہو جاؤ اور صفیں برابر کر لو" اور جب صفیں برابر ہو جاتیں تو وہ "اللہ اکبر" کہہ کر نماز شروع کرتے۔

ابنِ عمر رضؓ کہتے ہیں کہ ان کے والد نے سورۂ بقرہ بارہ سال کی مدت میں تمام و کمال سیکھی۔ اور اس خوشی میں قربانیاں کیں"۔

انس رضؓ کہتے ہیں کہ کبھی کبھی عمر رضؓ کے لیے ایک سیر کے قریب کھجوریں رکھی جاتی تھیں جنھیں وہ نوش کر لیتے تھے"۔

سوید بن علقمہ کہتے ہیں کہ عمرؓ بہت صبح بیدار ہو جاتے تھے اور فجر کی نماز میں سورۂ ہود اور سورۂ یوسف کی تلاوت کرتے تھے۔

زہری نے سالم سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ ایک شخص کو کسی نے "یازان" یعنی اے زناکار کہہ کر مخاطب کیا۔ اس آدمی نے سخت احتجاج کیا اور کہا میں زانی نہیں ہوں۔ یہ رد و قدح بڑھ گئی اور معاملہ فاروقؓ کی عدالت میں پیش ہوا۔ امام عادل نے اتہام اور بہتان لگانے والے پر حد قائم کی۔

عبدالرزاق سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں :۔

"معمر کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے بالعموم تین بڑی شخصیتوں سے علم حاصل کیا تھا۔ عمرؓ سے، علیؓ سے اور ابی بن کعبؓ سے!

یوسف بن یعقوب الماجشون کہتے ہیں کہ ابن شہاب نے روایت کی ہے کہ جب وہ اور ان کے بھائی اور چچازاد بھائی کم عمر تھے تو فاروقؓ نے ان سب کو مخاطب کیا اور فرمایا۔

"تم اپنے کو محض اس لیے کمتر نہ سمجھو کہ تمہارا سن کم ہے اور تم کم عمر ہو۔"

چنانچہ حضرت عمر مشکل مسائل کے بارے میں چھوٹی عمر کے بچوں تک سے بھی مشورہ کیا کرتے تھے اور صغیر السن بچوں کی عقل تازہ سے فیض اٹھاتے تھے۔

حسن بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص تھا وہ اس عہد کے تمدنی ماحول میں اکثر عمرؓ کی ریش مبارک سے دو ایک بال لے لیا کرتا تھا۔ آپ نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا ہم اس قسم کی محبت اور بے تکلفی کے قائل نہیں!

عبداللہ بن خلیفہ نے عمرؓ سے روایت کی ہے :۔

"ابن خطاب کے جوتے کا تلا نکل گیا اور انھیں دوسرے جوتے کی ضرورت پیش آئی اس پر انھوں نے فرمایا:۔

"کل ماساءک مصیبۃ" (ہر وہ شے جو تمہیں ناگوار ہو وہی مصیبت ہے)

ابو بکرہ سے روایت ہے:۔

"ایک بادیہ نشین حضرت عمرؓ کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور چونکہ وہ حسب معمول طبع موزوں رکھتا تھا۔ اس نے ایک شعر پڑھا جس میں اپنے بھوکے ہونے کا شکوہ تھا۔ بادیہ نشین نے آخر میں یہ بھی کہا تھا کہ" اقسمُ باللّٰہ لتفحلنّہ" اس پر فاروق رضؓ نے کہا:۔

"اگر میں یہ نہ کروں تو؟"

اعرابی بولا" اذاً اباحفصٍ لامضینّہ" (پھر تو میں ابوحفص کو قتل کر دوں گا)۔

اب بھی فاروق رضؓ سنتے رہے اور کمالِ خندہ پیشانی سے فرمایا: ایسا نہ ہو تو؟

بدو بولا" پھر یہ ہو گا کہ اس روز جب سارے انعام و اکرام اللہ کے ہاتھ سے ہونگے وہ تم سے میرے بارے میں پرسش کرے گا اور اس پرسش کے بس دو ہی نتیجے ہو سکتے ہیں۔ یا جس سے یہ پوچھ گچھ ہو گی وہ جہنّم میں جائے گا یا جنت الفردوس میں"۔

اس مکالمہ نے جس میں شعر کی زبان میں ایک دل شکستہ مردِ صحرا نے اپنی داستانِ غم بیان کی تھی، فاروق کو رُلا دیا۔ اُنہیں تڑپا دیا۔ امیرالمومنین نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ وہ ان کی قمیص بادیہ نشین کو دے دے جسے انہوں نے مردِ صحرا کی غربت و ناداری کے پیش نظر عنایت کیا تھا، نہ کہ اس کی بذلہ سنجی اور شعر گوئی کی بناء پر! تھوڑی دیر بعد فاروقؓ نے فرمایا:

"بخدا اس قمیص کے ماسوا میرے پاس اور کوئی دوسری قمیص نہیں"۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک رات مجھ سے امیر المومنین نے شاعر الشعراء کا کلام سنانے کی فرمائش کی۔ میں نے پوچھا" شاعر الشعراء کون ہے؟" فرمایا" زہیر جس کا شعر ہے:۔

اذا ابتدرت قیس بن غیلان غایۃ　　من المجد من یسبق الیھا یسوّدا

اس شعر کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی بھی شخص جو زہیر کے ممدوح کی قائم کردہ عظمت کے معیار پر پورا اُترنے کی سعی کرے گا۔ سرداری اور قیادت اس کے قدم چومے گی۔ اور لفظی ترجمہ یہ ہوا کہ

تم اگر یہ جاننا چاہتے ہو کہ قیس بن غیلان بلندی اور عظمت کی کس غایت پر پہنچ چکا ہے تو اس کا اندازہ یوں ہو سکتا ہے کہ محض اس راہ پر چلنا ہی ایک سالک کو عظمت و عزت بخش سکتا ہے۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے امیر المومنین کو زھیر کے اشعار تمام رات سنائے۔ اب صبح کا نور چمکنے لگا تھا۔ فرمانے لگے:۔

"اچھا اب وہ پڑھنا شروع کر دو۔"

میں نے کہا "کیا؟"

فرمایا "اذا وقعت الواقعہ۔"

اوزاعی کہتے ہیں:۔

"کسی نے مجھے بتایا تھا کہ عمرؓ کو ایک گھر سے بین کرنے کی آواز آئی وہ وہاں پہنچے اور رونے والے کی تنبیہہ کا ارادہ کیا۔ وہیں ایک بین کرنے والی عورت بھی تھی۔ امیر المومنین نے اس عورت کو بین کرنے پر سزا دی۔ اتنی کہ اس کا نوحہ گری کا نشہ ہرن ہو گیا۔ بین کرنے والی عورت کو مارنے کا حکم دیتے ہوئے امیر المومنین نے فرمایا:۔

"یہ عورت پیشہ ور رونے والی ہے۔ یہ تم سے رقم اینٹھتی ہے اور آنسو بہاتی ہے اس کو تمہارے غم والم سے کیا تعلق۔ یہ عورت اپنی نوحہ گری سے تمہارے مُردوں اور تمہارے زندوں دونوں کو اذیت دیتی ہے۔ یہ نوحہ گر عورت تم کو صبر سے باز رکھتی ہے اور گریہ وزاری پر آمادہ کرتی ہے۔ درآں حالیکہ اللہ نے صبر کی تلقین کی ہے اور جزع و فزع سے روکا ہے۔

باب ۶۰

فاروق کا نطق درخشاں اور ان کا کلامِ بلاغت نظام

یحییٰ بن عبدالملک نے عمر بن الخطابؓ کا ایک حکیمانہ قول نقل کیا ہے وہ یہ ہے :۔

"جو محبت سے بے نصیب ہے وہی درحقیقت بدنصیب ہے۔ اور جہاں بنائے کہنہ نہیں وہاں جدید اور نو بھی نہیں"۔

محمد بن سیرین نے اپنے والد کا مندرجہ ذیل بیان پیش کیا ہے۔

"ایک بار میں نے مغرب کی نماز عمر بن الخطابؓ کے پیچھے پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر وہ میری طرف آئے۔ میرے پاس ایک گٹھری تھی۔ پوچھا :۔

یہ کیا ہے ؟"

میں نے کہا "یہ میری گٹھری ہے۔ میں اسے لے کر بازار میں کھڑا ہو جاتا ہوں اور اپنا کاروبار کرتا ہوں"۔

فرمایا "اہلِ قریش! دیکھو یہ تم پر غالب نہ ہونے پائے۔ یعنی تم لوگوں سے بازی نہ لیجانے پائے۔ تجارت ایک ثلث سلطنت ہے"!

انہیں محمد بن سیرین کا بیان ایک اور موقع پر ان الفاظ میں نقل ہوا ہے :۔

"میں نے عمرؓ کے ساتھ مغرب کی نماز ادا کی۔ تھوڑی دیر میں ابن خطاب قرشی جوانوں کے جھرمٹ میں آگے بڑھے۔ ان کی نظر مجھ پر پڑی۔ اس وقت میرے بغل میں ایک گٹھری تھی۔ ارشاد ہوا:۔

"ابن سیرین یہ کیا لیے ہوئے ہو؟"

میں نے عرض کیا" امیرالمومنین دراصل میں خرید و فروخت کے لیے بازار آتا رہتا ہوں" امیرالمومنین اہل قریش سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:

"کہیں ابن سیرین اور ان سے (عالی حوصلہ) تجارت پیشہ نوجوان تم کو کاروبار میں پیچھے نہ چھوڑ جائیں! یاد رکھو تجارت ایک ثلث امارت و تجارت ہے"۔

خوات التیمی سے روایت ہے کہ ایک بار عمر بن الخطابؓ نے قریش کے قاریوں کو یہ دل پذیر نصیحتیں کیں:۔

"سر اٹھا کے چلو"۔

(فیض صاحب فاروقی عہد کے شاعر ہوتے تو شاید یہ شعر کہنے پر مجبور نہ ہوتے ؎

نثار میں تری گلیوں کے، اے وطن کہ جہاں
چلی ہے رسم کہ کوئی نہ سر اُٹھا کے چلے

"راہِ حق کا نشان مل چکا ہے۔ اپنے اندر حسنِ عمل کی آرزو پیدا کرو اور مسلمانوں پر بارمت بنو"۔

حسن نے ایک عمری قول نقل کیا ہے جس سے ان کا حرکی تصورِ تجارت واضح ہوتا ہے۔ وہ قول یہ ہے کہ تین بار متواتر کسی کاروبار میں ہاتھ ڈالنے کے بعد بھی کچھ حاصل نہ ہو تو پھر نیا کاروبار شروع کرنا چاہیئے"۔

ابو جعفر محمد بن الحارث بن المبارک نے ایک قریشی بزرگ سے فاروق کا یہ دلکش اور حکیمانہ قول سنا تھا:

"میں (از سرِ نو) تجارت کرتا تو عطر بیچنا شروع کرتا تاکہ اگر اس کے ربح (نفع) سے محروم رہتا تو ریح (بوئے دلآویز) سے تو محروم نہ رہتا۔"

سعید بن المسیّب نے حضرت فاروق اعظمؓ کو کہتے سنا کہ :۔

"فلاں شخص بہت ہی بھلا آدمی ہوتا اگر وہ طعام فروش نہ ہوتا۔"

وہ کہتے ہیں میں نے پوچھا :۔

"کیا کھانے پینے کا سامان بیچنا کوئی عیب کی بات ہے۔"

فرمایا "بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ سامانِ خورونوش صحت مند طور پر فروخت کیا جاتا ہو۔"

مسافر بن حنظلہ نے الاکدر القارض کے حوالہ سے ہمیں فاروقی ارشادِ گرامی سنایا ہے :۔

"کوئی نہ کوئی ہنر سیکھ لو اس لیے کہ تمہیں ہنر کی ضرورت پیش آئے گی۔"

بکر بن عبداللہ کہتے ہیں :۔

"فاروق رضؓ کی رائے میں ادنیٰ درجہ کی مزدوری بھی بھیک مانگنے اور دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے سے بہتر ہے۔"

مسلم البطین نے ذکوان کے حوالہ سے عمری قول نقل کیا ہے :۔

"تم لوگوں میں کوئی شخص اونٹ خریدے تو لمبا تڑنگا، پُر گوشت اور فربہ اونٹ خریدے تاکہ اگر وہ نفع بھی نہ دے تو بعد میں اچھے داموں ضرور بک جائے۔"

احنف بن قیس نے خلیفہ ثانی سے سنا تھا کہ "سرداری اور سیادت و حکومت کے لیے قانونی بصیرت شرط ہے۔"

اور ابن جحادہ نے ان سے (فاروق رضؓ سے) یہ بات سنی تھی :۔

"سب سے زیادہ چالاک اور عیّار شخص وہ ہوتا ہے جو سب سے اچھے بہانے تراش سکے۔"

کہمس نے حسن سے روایت کی ہے :۔

"ایک شخص نے حضرت عمرؓ کے سامنے آہیں بھرنی شروع کیں۔ اس پر (اسلام کے فلسفۂ امید و عمل کے پیامی نے) اسے سختی سے جھڑک دیا۔"

مجاہد کہتے ہیں کہ:۔

"عمر بن الخطاب نے حدی خوانوں (حدی وہ نغمہ ہے جسے شتربان گاتے ہیں۔ اور جسے سن کر اونٹ مست ہو جاتے ہیں اور ان کی رفتار پر اس کا خوش گوار اثر پڑتا ہے۔ ش۔ح۔ع) کو اپنے نغموں میں ان عورتوں کے ذکر سے روک دیا تھا جن کے وہ محرم نہ ہوں۔

سالم نے اپنے والد سے سنا تھا کہ:۔

"غیلان بن سلمہ الثقفی کے حرم میں دس عورتیں تھیں۔ حضورؐ نے غیلان کو مجبور کیا اور حکم دیا کہ وہ اس تعداد کو کم کر کے چار کر دے۔"

(اسلام تقویٰ، عفاف، ضبطِ نفس، اور طہارتِ کردار کا دین ہے اور اس کے برخلاف بے شمار مستشرقین اور مغرب زدہ اور بے خبر لوگ اسلام کو یوں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں گویا اسلام نعوذ باللہ خوش عیشی اور تلذذِ جنسی کا مذہب ہے۔ دراصل اسلام بنیادی طور پر مرد و زن کے آزادانہ اختلاط اور ہر نوع کے اخلاقی فساد اور زنا اور تقریبات و محرکاتِ زنا کا شدید مخالف ہے اور وہ کسی قیمت پر انسانی معاشرہ کو وہ رخصتیں نہیں دے سکتا جو بالآخر معاشرے کے سقوط اور زوال کا باعث ہوتی ہیں مگر دینِ فطرت ہونے کے باعث اسے آدمی زاد کی تمام ضروریات اور خواہشات اور امیال و عواطف کا شعور بھی ہے چنانچہ وہ آدمی کی جنسی اور شہوانی خواہشات کو تسلیم تو کرتا ہے مگر ان کی تسکین کا سامان وہ ضوابط اور قواعد اور اخلاقی اقدار کو قائم رکھتے ہوئے فراہم کرتا ہے۔ جس دین میں عبادات اور جسمانی ریاضات کا اتنا مکمل نظام موجود ہو وہاں دادِ عیش دینے کی مہلت یوں بھی میسر نہیں آسکتی۔ بس بات اتنی ہے کہ اسلام جو عورت کی تقدیس اور حقیقی ترقی کا سب سے بڑا نقیب ہے اور جو اس کے لیے سراپا

درد ہے، یہ نہیں برداشت کر سکتا کہ عورت رقص گاہوں اور قمار خانوں میں ہوس مرد کا نشانہ بن جائے۔ اسلام یہ پابندی عائد کرتا ہے کہ اگر جنسی ہیجانات کی تسکین ہوتی ہے۔ تو وہ ذمّے داری اور دین داری کے ساتھ ہو۔ وحشت اور انتشار کے ساتھ نہیں یہیں دیکھ لیجئے کہ اسلام نے غیلان کے حرم سے چھ عورتیں خارج کی ہیں داخل نہیں کیں! اب رہا یہ سوال کہ چار کی بھی اجازت کیوں دی گئی۔ تو حقیقت یہ ہے کہ اوّل تو یک زوجی زندگی کو اسلام میں ترجیح دی گئی ہے جو تعدّد میں اعتدال اور توازن برقرار نہ رکھ سکیں اور پھر اگر چار تک کی اجازت ہے تو اس کے حیاتیاتی اسباب بھی ہیں۔ اس سے معاشرہ کے درہم برہم ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں۔ مرد، بقول سید ابوالاعلیٰ مودودی کثیر الزوج ہے۔ یعنی ایک مرد متعدّد عورتوں کو بیک وقت حاملہ کر سکتا ہے۔ مگر ایک عورت باوجود متعدد مردوں سے بیک وقت تعلق کے صرف ایک مرد سے حمل حاصل کر سکتی ہے۔ گویا عورت بالفطرۃ یک زوج ہے۔ تعدد ازواج اسلام کا بنیادی رکن نہیں اور جیسا کہ جسٹس امیر علی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "اسپرٹ آف اسلام" میں تصریح کی ہے اور فرید وجدی آفندی کی کتاب "المراۃ المسلمہ" میں بھی، جس کا اردو ترجمہ ابوالکلام آزاد مرحوم کے قلم سے بنام "مسلمان عورت" شائع ہو چکا ہے) یہ تفصیلات موجود ہیں۔ تعدّد کی اجازت خالص عمرانی، معاشی اور ہنگامی اور غیر معمولی ضروریات کے پیشِ نظر دی گئی ہے۔ وہ فرائض اور اصول میں شامل نہیں۔ کاش ہماری جدید نسل جسے مخاطب کرنے کا حق مجھے یقیناً حاصل ہے۔ اسلام کے موقف کو کم از کم اسی حد تک سمجھ لے جتنا بعض غیر مسلم فضلاء (مالک رام صاحب مصنّف "عورت اور اسلامی تعلیم" وغیرہ) سمجھتے ہیں۔ مدّت ہوئی میں نے مالک رام کی یہ کتاب دل پذیر جس پر غالباً نیاز فتحپوری کا پیش لفظ تھا، پڑھی تو مجھے بے ساختہ حافظ کا یہ شعر یاد آ گیا تھا ؂

سرِّ خدا کہ عابد سالک بکس نگفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

یہ چند سطریں میں نے اس لیے لکھ دیں کہ ہر چند کہ میں متکلم اسلام نہیں اور حدیث و فقہ کے دہشت ناک حد تک عظیم سرمایہ سے ابھی تک بہت کم حصہ میری گرفت میں آسکا ہے۔ تاہم جب میں اخلاقی اقدار کو پامال کرنے والوں، خانہ خمار کی جبہ سائی میں پیش پیش رہنے والوں اور غیر رسمی طور پر تعدّد ازواج کے فلسفے پر بے تحاشا اور بے محابا اور انتہا پسندانہ انداز میں عمل کرنے والوں اور رامش و رنگ اور رقص و سرود کے بہانے بدن کی ٹوٹن مٹانے والوں سے اسلام پر تلذذِ جنسی کے محرک ہونے کا اتہام لگاتے سنتا ہوں تو مجھے سخت علمی اشتعال پیدا ہوتا ہے۔ اور میرا یہ مختصر معترضہ اسی اشتعال سے برآمد ہوا ہے۔ ش۔ ح۔ ع)

(بہر حال) امیر المومنین کا عہد آیا تو غیلان نے اپنی ان چار بیویوں کو بھی طلاق دے دی اور اپنی تمام دولت اپنی اولاد میں تقسیم کر دی۔ یہ بات حضرت عمرؓ کو معلوم ہوئی تو فرمایا:۔

"میرا خیال ہے شیطان کی سماعت نے تیری موت کی خبر اُچک لی ہے اور تیرے دل میں اس قسم کا وسوسہ ڈال دیا ہے۔ یعنی یہ کہ تو اپنی بیویوں کو چھوڑ دے اور میرا خیال یہ بھی ہے کہ اب تو زیادہ دنوں جینے کا نہیں۔ اب یا تو تُو از سر نو اپنی بیویوں کو شرعی طور پر اپنے نکاح میں واپس لے اور ان کو بے سہارا کرنے سے گریز کر ورنہ بخدا میں نے طے کر لیا ہے کہ تیری دولت میں ان بیچاریوں کو ضرور ورثہ دوں گا اور پھر یہ حکم دوں گا کہ تیری قبر پر بھی اسی انداز میں پتھراؤ کیا جائے جس انداز میں ابو رغال کی قبر پر کیا گیا تھا۔"

ابو عثمان کہتے ہیں کہ ایک بار امیر المومنین نے فرمایا تھا کہ:۔

"ایک ایسا دور آنے والا ہے جب قبیلہ کا مردِ نیک نفس بھی لوگوں کو نیکی کی طرف رغبت دلانے اور بدی سے روکنے کی کوشش نہ کرے گا اور لوگوں کا عالم یہ ہوگا کہ ان پر نفسانیت اور انانیت غالب ہو جائے گی۔ ان کی خوشی اور ان کے غم میں اللہ کی خوشنودی ان کے پیشِ نظر نہ ہوگی۔"

سماک نے نعمان سے اور نعمان نے بشیر کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ:۔

"حضرت عمرؓ کی رائے میں "واذا النفوس زوّجت" کا اصل مفہوم یہ ہے کہ فاجر فاجر کے ساتھ اور صالح صالح کے ساتھ قیامت میں اُٹھایا جائے گا۔"

فاروقؓ کی توبۃ النصوح کی تعریف یہ ہے کہ آدمی اپنے پچھلے اعمالِ بد سے خوف کھانے لگے اور اس طور سے ان اعمال بد سے تائب ہو کہ پھر ان کی طرف کبھی نہ پلٹے۔"

ابراہیم نے ہمیں ابنِ خطابؓ کی یہ گراں بہا نصیحت سنائی ہے کہ عذر تراشیوں اور بہانہ جوئیوں سے بچنا چاہیئے۔ اسلیے کہ اکثر ان میں مکر اور جھوٹ کا عنصر شامل رہتا ہے۔

اسمٰعیل بن ابی خالد نے شعبی کے حوالہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے:۔"

"ایک شخص امیر المومنین کے پاس آیا اور کہا میری ایک لڑکی ہے اور جاہلیت کے دور میں یعنی جب میں ابھی اسلام نہ لایا تھا میں اسے زندہ دفن کرنے کے لیے لے گیا اور اس سے پہلے کہ وہ ہلاک ہو جائے۔ ہم لوگوں نے اسے (گڑھے سے) باہر کھینچ لیا۔ یہ لڑکی بھی ہمارے ساتھ مسلمان ہوئی۔ اسلام لانے کے بعد اس لڑکی کی زندگی میں ایک بدنامی کا واقعہ رُونما ہوا۔ لڑکی نے انتہائی ندامت کے عالم میں خودکشی کا ارادہ کرلیا اور جس وقت ہم اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ اپنے کو زخمی کر چکی تھی اور اس کے جسم سے خون جاری تھا۔ خلاصہ یہ کہ میں نے لڑکی کا علاج کرایا اور وہ بھلی چنگی ہوگئی۔ اس کے بعد اس نے توبہ کرلی۔ اب اس لڑکی کی شادی کی بات چیت ہو رہی ہے۔ اور میں نے طے کرلیا ہے کہ جن لوگوں میں وہ بیاہ کے جا رہی ہے انھیں اس کی سابقہ زندگی

سے آگاہ کر دوں"۔

یہ سُن کر فاروق رضؓ غضبناک ہوگئے اور فرمایا :۔

"جس چیز کو اللہ تعالےٰ نے چھُپا دیا تم اسے ظاہر کرنے والے کون ہوتے ہو۔ اور تم یقین جانو اگر تم نے اس لڑکی کا کچا چٹھا بیان کیا تو میں تم کو اس کی عبرت ناک سزا دوں گا۔ تم بس اس لڑکی کو ایک مسلمان عفیفہ اور پاکدامن لڑکی کی طرح رُخصت کر دو"۔

سعید بن ابراہیم نے بیان کیا ہے کہ :۔

"ملکی معیشت کو تباہ کرنے والوں کو حضرت عمر رضؓ نے شدید انتباہ کیا تھا۔ اور فرمایا تھا کہ :۔

"اگر ابتری اور انتشار رواج پا جائیں تو پھر کوئی چیز سالم نہیں رہ پاتی لیکن اگر انتشار کی صورت نہیں ہے تو معاشرے کا کچھ نہیں بگڑتا"۔

حنش بن الحارث النخعی نے اپنے والد کو جنہیں قادسیہ کے معرکہ کارزار میں شریک ہونے کا موقع ملا تھا، کہتے سُنا کہ :۔

"ہم لوگ جب قادسیہ سے پلٹ کر آرہے تھے تو ہم میں سے ایک شخص تھا جس کی عادت تھی کہ وہ گھوڑوں کے بچّوں کو پیدا ہوتے ہی ذبح کر دیتا تھا۔ یہ خبر امیرالمومنین کو ملی تو انہوں نے ہدایت کی کہ :۔

"جانوروں سے مہر و محبت کا سلوک کرنا چاہیئے"۔

ابوالعالیہ نے بھی ہمیں ایک عمری قول سنایا ہے وہ یہ ہے کہ :۔

"بچّوں کی نیکیاں تو ان کے نامۂ اعمال میں لکھ دی جاتی ہیں مگر وہ بُرائیاں جو اُن سے سرزد ہوتی ہیں ان کو نہیں لکھا جاتا"۔

ابوامامہ نے ذیل کے اقوالِ عمر رضؓ ہم تک پہنچائے ہیں :۔

"اپنے گھوڑوں کی تربیت کرو۔ انہیں سیر کراؤ۔ انہیں خوب تھکا مارو اور انہیں دھوپ میں رکھو۔ جس علاقہ میں سور ہوں اس کے قریب مت رہو۔ اس دسترخوان پر نہ بیٹھو جس پر شراب پی جا رہی ہو۔ صلیب کے نشان سے گریز کرو۔ عجمیوں کے عادات و اطوار سے پرہیز کرو۔ حمام میں داخل ہو تو لباس زیریں کے ساتھ اور شرم و حیا برقرار رکھتے ہوئے، عورتوں کو بغیر اشد ضرورت کے حمام میں نہیں داخل ہونا چاہیے۔" اس سلسلہ میں فرمایا:۔

"مجھے یہ حدیث ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ سے پہنچی ہے۔ وہ کہتی ہیں:۔

"میرے اسی بستر پر بیٹھے بیٹھے میرے محبوب اور خلیل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا کہ جس وقت ایک عورت کسی غیر جگہ مثلاً کسی ایسے مکان میں جو اس کے شوہر کا نہ ہو، اپنا آنچل سر کا دیتی ہے تو گویا اس کے اور اس کے رب کے مابین جو پردہ ہوتا ہے وہ پارہ پارہ ہو جاتا ہے

حضرت عمر رضؓ اس بات کو سخت ناپسند کرتے تھے کہ مرد بھی عورتوں کی طرح اپنے کان وغیرہ چھدوائیں اور ہر وقت آنکھوں میں سُرمہ لگائے رہیں۔ اور عورتیں اپنے بال کاڑھیں۔

مسیّب بن دارم کہتے ہیں:۔

"ایک بار امیرالمومنین نے ایک فقیر کو صدا لگاتے سنا کہ کوئی اسے رات کا کھانا کھلا دے۔ امیرالمومنین نے فوراً حکم دیا کہ سائل کو کھانا دیا جائے۔ اس کے بعد سرکاری دارالابل تشریف لے گئے کہ اونٹوں کی دیکھ بھال کریں۔ وہاں انہوں نے بالکل وہی آواز سُنی:

"ہے کوئی جو فقیر کو کھانا کھلائے؟"

فاروق رضؓ غضبناک ہو گئے۔ پوچھا:۔

"میں نے تم لوگوں سے نہیں کہا تھا کہ فقیر کو کھانا کھلا دو۔

لوگوں نے کہا "ہم تو اسے کھانا کھلا بھی چکے"۔

یہ سن کر امیرالمومنین نے فقیر کو بلا بھیجا۔ اب وہ کیا دیکھتے ہیں کہ فقیر کے پاس ایک بہت بڑا تھیلا ہے جو روٹیوں سے بھرا ہوا ہے۔ امیرالمومنین فقیر سے مخاطب ہوئے اور کہا :۔

"اے شخص تو سائل نہیں ہے تاجر ہے اور اپنے اہل و عیال کے لیے یوں مال جمع کرتا پھرتا ہے"۔ یہ کہا اور تھیلا اس سے لے کر اونٹوں کے آگے ڈال دیا۔ (میرا خیال ہے یہ اونٹ صدقے کے تھے)

احنف بن قیس نے امیرالمومنین سے سنا تھا کہ :۔

"ہنسی مذاق کرنے والے کا وقار گر جاتا ہے"۔

اس سلسلے میں لیث بن سعد کہتے ہیں کہ :۔

"حضرت عمرؓ نے ایک بار ہم سے سوال کیا کہ تم جانتے ہو مزاح (ہنسی مذاق) کو مزاح کیوں کہتے ہیں"۔

پھر فرمایا "اس لیے کہ یہ ہمیں حق سے دور کر دیتا ہے"۔

یونس بن معاویہ بن قرہ نے اپنے والد کے حوالہ سے روایت کی ہے :۔

"عمر بن الخطابؓ کا قول ہے کہ :۔

"کفر کی لعنت کے بعد دنیا میں بدزبان اور کج خلق عورت سے بڑھ کر کوئی شے موجب آزار نہیں اور ایمان کی دولت کے بعد کسی نعمت کو بھی زنِ غمگسار و بہ آغوش پر (جس کی گود بھری ہو) ترجیح نہیں دی جا سکتی"۔

عبداللہ بن جفنہ نے ہمیں بتایا ہے کہ ایک بار حضرت عمرؓ کے جوتے کا تلا پھٹ گیا تھا اس سے انہیں تکلیف ہوئی اور فرمایا :۔

"وہ چیز جو تمہیں ناگوار ہو وہی مصیبت ہے"۔

ابو عثمان النہدی نے ابنِ خطاب کا یہ بلیغ جملہ دہرایا ہے کہ:۔

"عذر تراشیوں میں مومن جھوٹ سے بے نیاز نہیں رہ سکتا"۔

حفص بن عثمان سے روایت ہے کہ:۔

حضرت عمر رضؓ نے فرمایا تھا کہ "ہر وقت اپنائے روزگار کے ذکر میں مشغول رہنا بھی ایک بلا ہے۔ اس لیے اللہ کا ذکر کرنا چاہیئے کہ وہ باعثِ رحمت ہے"۔

جعفر بن محمد نے اپنے والد سے یہ عمری قول بیان کیا ہے:۔

"مجھے ہر اس جوان صالح کو دیکھ کر (جو اپنی پاک بازی کے ساتھ ساتھ نظیف اللباس اور خوش نفس ہو) حقیقی خوشی ہوتی ہے"۔

محمد بن عبداللہ القرشی کے والد نے بھی اسی قسم کی روایت بیان کی ہے:۔

امیر المومنین نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ وہ سر جھکائے چلا جا رہا ہے۔ آپ نے اس سے کہا:۔

"عزیز من! سر اٹھا کے اور سینہ تان کے چلو۔ سر جھکا کے چلنے سے کچھ یہ تو نہ ہو جائے گا کہ تمہارے انکسار میں اضافہ ہو جائے۔ اور دیکھو اتنا ہی ظاہر کرو جتنا تمہارے دل میں ہے۔ اس سے زیادہ ظاہر کرنا ایک نوع کی منافقت ہے"۔

عدی بن ثابت کہتے ہیں۔ ایک بار فاروق اعظم رضؓ نے ارشاد فرمایا:

"جب تک تم لوگوں سے ملاقات نہیں ہوتی ہم تم میں سب سے بہتر اسے جانتے ہیں جس کا نام سب سے بہتر ہوتا ہے۔ یہ تو غیاب کی بات ہوئی۔ پھر جب تم لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے تو نگاہوں میں توقیر اس کی قائم ہوتی ہے جو اخلاق و عادات میں بہتر ہوتا ہے اور جسے آدابِ مجلس سے واقفیت ہوتی ہے۔ پھر ہم شخصیتوں کا جائزہ لیتے ہیں۔ یعنی بات کرتے ہیں بات سنتے ہیں اور پھر ہمارے لیے معزز اور محترم وہ رہ جاتا ہے جو گفتگو میں راست باز اور

امانت میں عظیم ہوتا ہے"۔

ابو عبدالرحمٰن بن عطیہ بن دلاف نے اپنے والد کے حوالہ سے یہ عمری قول نقل کیا ہے:-

"کسی کے نماز روزے سے متاثر ہونے کی ضرورت نہیں۔ دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ بات کرتے وقت ایک آدمی سچ بولتا ہے یا جھوٹ اور اس کا تقویٰ فراغت اور امیری کے دور میں بھی قائم رہتا ہے یا نہیں۔ اور یہ کہ جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جاتی ہے تو وہ خیانت تو نہیں کرتا"۔

ہشام بن عروہ نے بھی اپنے پدر معظم سے سن کر ہمیں اس عمری رائے سے مطلع کیا ہے:

"کبھی کسی عورت کو کسی مرد قبیح اور بدنفس ولئیم کے عقد میں مت دو۔ جو چیزیں تم مردوں کو اچھی لگتی ہیں وہی عورتوں کو بھی خوش آتی ہیں"۔

زید بن اسلم نے اپنے والد کے حوالہ سے ابن خطابؓ کا یہ سخنِ دل نواز ہم تک پہنچایا ہے:-

"عورت کا رنگ و روپ نکھر آئے اور اس کے بالوں کی سیاہی گہری ہو جائے تو سمجھنا چاہیئے کہ اس کا نسوانی جمال مکمل ہو گیا"۔

عبداللہ بن عدی بن الخیارہ کہتے ہیں کہ ایک بار انھوں نے عمر بن الخطاب کو کہتے سنا کہ:-

"بندہ جس وقت اللہ کے سامنے عاجزی کرتا ہے تو نتیجہ کے طور پر اللہ اس کی دانائی میں اضافہ کر دیتا ہے اور اس کا مرتبہ فزوں ہو جاتا ہے اور وہ بندہ سے کہتا ہے:-

"تو بلند ہو جانا چاہتا ہے اللہ تجھے بلند رتبہ کرے گا"۔

ایسا بندہ اپنی نگاہ میں حقیر اور دوسروں کی نگاہ میں معزز ہو جاتا ہے۔ اور ایک بندہ

جس وقت تکبّر اور نخوت کا ثبوت دیتا ہے ۔ اللہ اسے ذلیل و خوار کر دیتا ہے اور اس سے کہتا ہے :۔

"ذلیل ہو جا، ذلیل ہو جا، اللہ تجھے اور ذلیل کرے گا"۔

ایسا شخص اپنے کو کچھ بھی سمجھا کرے دُنیا اسے حقیر اور ذلیل سمجھتی ہے ۔ خنزیر سے بھی زیادہ ذلیل!

زید بن اسلم نے اپنے والد کے حوالہ سے عمری قول نقل کیا ہے :۔

حصولِ علم کا مدّعا بحث و جدال، جاہ و منصب اور ریا نہیں ہونا چاہیئے۔ اس کے حصول سے اس لیے روگردانی نہیں کرنی چاہیئے کہ سیکھنے میں شرم دامن گیر ہے یا وہ کوئی حقیر شے ہے اور یا یہ کہ جہالت بھی کوئی قابلِ اطمینان اور فخر کے قابل چیز ہے"۔

ہشام بن عروہ نے اپنے والد کے حوالہ سے یہ عمری قولِ فیصل پیش کیا ہے :۔

"اپنے خاندانی رشتوں سے واقف رہو تا کہ تم یہ جان سکو کہ کون کون لوگ تمہارے قرابت دار ہیں"۔

عمارۃ بن القعقاع کہتے ہیں کہ :۔

"فاروقِ اعظم رضؓ نے علم نجوم اور فلکیات اور علم الانساب سیکھنے کی ترغیب دی ہے"۔

مطّلب بن عبداللہ بن حنظب نے حضرت عمر رضؓ کو کہتے سنا تھا :۔

میں نہ اس مومن کو تمہارے لیے خطرناک سمجھتا ہوں جس کا ایمان ظاہر ہو چکا ہے اور نہ اس کافر کو جس کا کفر علانیہ ہو چکا ہے ۔ البتہ میں تمہاری خاطر اس منافق سے ضرور ڈرتا ہوں جو کہنے کو ایمان کی پناہ ڈھونڈتا ہے ۔ مگر اس کے اعمال تمام کے تمام ایمان کے منافی ہوتے ہیں"۔

زیاد نے حذیر سے سن کر عمری قول نقل کیا ہے :۔

"تین چیزیں اسلام کی بنیاد ڈھا دیتی ہیں :۔

"عالم کی گمرہی، منافق کی قرآنی بحثیں اور گم گشتہ راہ ائمہ مساجد کی ناخوش اندیشی"۔ انہیں زیاد بن حدیر نے ان مسطورہ بالا عمری ارشادات کو ایک اور موقع پر یوں پیش کیا ہے :-

"میں جتنا ان تین چیزوں کو تمہارے لیئے خطرناک سمجھتا ہوں اتنا کسی دوسری چیز کو خطرناک نہیں سمجھتا۔ وہ یہ ہیں :"

"اول یہ کہ ایک منافق تمہارے سامنے بڑی صحت کے ساتھ یعنی واؤ یا الف تک کی غلطی کا ارتکاب کئے بغیر قرآن پڑھے اور لوگوں پر اپنا علمی تفوق ثابت کر دے مگر اس کا مدعا ہو دراصل یہ کہ لوگوں کو گمراہ کر دے۔ دوسرے یہ کہ عالم لغزش کرے۔ تیسرے یہ کہ خود ائمہ جو امامت کا نازک اور محترم کام انجام دیتے ہیں گم گشتہ راہ ہو جائیں"

ابن عباس نے بھی حضرت عمرؓ کی ایک دل نشین اور موعظت ریز تقریر میں اسی خیال کی بازگشت سُنی تھی۔ دراصل امیرالمومنین عمر بن الخطابؓ رضی اللہ عنہ نے امت کو منافقوں، جاہلوں، گمراہ اور غیر ثقہ عالموں سے ہوشیار رہنے کی بار بار تلقین کی ہے"۔

ابن مسعود کہتے ہیں :-

"جابیہ کے مقام پر جب حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا اور جسے چاہتا ہے گمراہ ہونے دیتا ہے تو القس نام کے ایک شخص نے اختیاری اور متشککانہ انداز میں سوال اٹھایا کہ اللہ کا عدل یہ کیسے گوارا کرتا ہے کہ وہ کسی کو گمراہ ہو جانے دے۔ یہ بات جب گوش خلافت میں پڑی تو فاروق غضبناک ہو گئے اور انھوں نے اس شخص سے کہا کہ اگر اس کا ذمتہ اللہ ہونا ان کی راہ میں حائل نہ ہوتا تو وہ اس کے قتل کا حکم دے دیتے (میں اگر یہاں سمجھانے کی کوشش کروں کہ حضرت عمرؓ نے اتنی سخت بات اس بظاہر بے ضرر سے جملہ پر کیوں کہدی تو مجھے اسلامی فلسفہ حیات اور جبر و قدر پر ایک علیحدہ باب لکھنا پڑے گا جس کا یہ محل نہیں۔ البتہ اتنی بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ اسلام

نے توہمات کی ژولیدگیوں اور تشکک کی مصیبتوں میں مبتلا ہونے کی اجازت نہیں دی ہے اور وہ مومنوں سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ یقین کا دامن مضبوطی سے تھام لیں اور عملِ خیر کی جانب متصلاً راغب ہوں۔ اس سلسلے میں اقبال نے ایک بیحد خوبصورت شعر کہہ دیا ہے ؎

بیاں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے
ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہئے

معاً مجھے سیماب اکبرآبادی کا بھی ایک شعر یاد آگیا جو اسی مسئلہ کی جانب لطیف اشارہ ہے :-

اسی میں خیریت ہے آگہی محدود ہے تیری
بڑھے گا وہم اتنا ہی کہ جتنی آگہی ہوگی (ش۔ح۔ع)

ابراہیم سے مروی ہے جب ایک بار حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ ایک جگہ جس وقت لوگوں نے دن ڈھلے آسمان پر چاند دیکھا تو انھوں نے روزہ توڑ دیا اور گویا عید منالی تو وہ سخت ناراض ہوئے اور انھوں نے (امیرالمومنین نے) ان لوگوں کو لکھ بھیجا کہ اگر رمضان کی آخری تاریخ میں (جو مشتبہ ہو جائے) چاند زوال آفتاب سے پہلے پہلے نظر آجائے تو روزہ توڑ دینا چاہیے (اس لیے کہ وہ یقیناً پچھلی رات کا چاند ہوگا) لیکن اگر چاند زوال آفتاب کے بعد نظر آئے تو روزہ مکمّل کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ یہ چاند اس رات سے متعلق ہے جو آرہی ہے۔ اس بات کی تاکید متعدد روایات سے بھی ثابت ہے

حارث بن النعمان نے انس بن مالک کے حوالے سے فاروقؓ کے یہ حکیمانہ اقوال نقل کئے ہیں :-

”زلزلے وہاں آتے ہیں جہاں بدکاری اور فحاشی کی گرم بازاری ہوتی ہے اور خشک سالی کا باعث بے ایمان عدلیہ اور جفا پرور قائدین ہوتے ہیں۔“

حارث بن [illegible] کہ حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ عورتوں کو [illegible] زیب د

زینت کی طرف متوجہ نہیں ہونے دینا چاہیئے ۔ اس لیے کہ اس تجمّل اور آرائش کے بعد انھیں (عورتوں کو) جلوت کی ہوس ہوتی ہے اور وہ باہر نکل کھڑی ہوتی ہیں۔

حسان العبسی کہتے ہیں کہ ظلم و جور شیطانی اعمال ہیں اور بہادری اور بزدلی انسان کے اندر فطرتاً ودیعت ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک بہادر انسان اس بات کا مطلق خیال کیے بغیر کہ مقابل میں کون ہے آمادۂ پیکار ہوجائے گا۔ لیکن بزدل اور کم دل اپنی ماں سے بھی خوف کھائے گا۔ آدمی کا دین اس کا کرم اور اس کے عادات و اخلاق اس کے حسب ہیں۔ ایرانی اور نبطی اگر اخلاقی اعتبار سے بلند ہیں تو انھیں عالی نسب عربوں پر ترجیح حاصل ہے۔ (اور یہ چند مزید ہدایات و اقوالِ فاروقی ہیں۔ بحوالہ عاصم بن مورق العجلی) احادیث، اسلامی قانونِ وراثت اور قرآت بھی اسی انہماک سے سیکھو جس سے کہ تم قرآن سیکھتے ہو (بحوالہ حسن) دین کے رموز جاننے کی سعی برابر کرتے رہنا چاہیے۔ عبادت گذاری میں اہتمام اور سلیقہ شعاری لازم ہیں۔ عربی زبان کی معرفت سے عقل میں ثبات اور حوصلہ مندی میں اضافہ ہوتا ہے۔ (بحوالہ زید بن عقبہ) تین قسمیں مردوں کی یہ ہیں:۔

۱۔ مرد عاقل۔

۲۔ وہ مرد جو بحرانی حالات میں اوروں سے مشورہ کرتا ہے اور اسی کے مطابق کسی فیصلہ پر پہنچتا ہے۔

۳۔ مرد کج اندیش اور تہی مغز جو نہ کسی کی سنتا ہے اور نہ کسی کی رہنمائی قبول کرتا ہے۔

عورتوں کی قسمیں:۔

۱۔ نرم خو، نرم گفتار، نازک اور عفیفہ عورت (فاروق اعظم رضہ کے دلکش اور صناعانہ اندازِ تکلم اور ان کے خوش آہنگ اور مترنم لفظوں نے، یعنی:۔

نرم خو، نرم گفتار، نازک اور عفیفہ:۔

دفعتاً میرے حافظہ میں یہ چند نفیس اردو اشعار تازہ کردیے ہیں:۔

نوخاستہ و نورس و نوطلعت و نوخیز
ایماں شکن آئینہ جبیں انجمن آرا

خوش چشم و خوش اطوار و خوش اندام و خوش آواز
اِک خال پہ قربان سمرقند و بخارا

نظریں جو اٹھا دے تو لرزنے لگے خورشید
ابرُو کو جو بَل دے تو ہو مہتاب دوپارا

وہ لب کہ مہِ نو کی دھڑکنے لگے چھاتی
وہ آنکھ کہ موتی کو نہ ہو صبر کا یارا (جوش)

(ش۔ح۔ع)

عورت کی دُوسری قسم:۔

وہ عورت جس میں سوائے اس صفت کے کوئی دوسری صفت نہ ہو کہ اس کے بطن سے بچّے برآمد ہوتے رہیں۔

عورت کی تیسری قسم:۔

وہ عورت ہے جو آدمی کے گلے کا پھندا بن جائے۔ جس سے رہائی مشکل ہو جائے

حفص بن عمر کہتے ہیں عمر بن الخطابؓ کا قول ہے:۔

"آدمی کی خندہ روئی سے اس کے علم پر خوش گوار اثر پڑتا ہے"۔

ابو عمر الشیبانی سے روایت ہے کہ امیر المومنین کو جس وقت ایک شخص کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ مستقل طور پر روزے رکھتا ہے تو آپ نے اسے سخت تنبیہ کی اور ہدایت کی کہ وہ اس طرزِ عمل سے باز آجائے۔

ابو وائل کہتے ہیں کہ فاروقِ اعظمؓ ایک بار لوگوں سے مخاطب ہوئے اور کہا:۔

"آخر تم لوگ سماج دُشمن اشخاص سے جو عصمتوں پر ڈاکہ ڈالتے پھرتے ہیں

تعرض کیوں نہیں کرتے ؟"

لوگوں نے کہا "ایسے اشخاص بدزبانی پر اُتر آتے ہیں۔"

تو فرمایا "یہ بدزبانی برداشت کرلینی چاہیے مگر ان عناصر کو کسی صورت میں پنپنے کی اجازت نہیں دینی چاہیئے"۔

سعید بن المسیّب نے ہمیں ایک اور عمری قول سنایا ہے:۔

"جب تک قوم کے ائمہ اور زعماء اور رہبر ٹھیک رہیں گے لوگ ہرگز ہرگز نہیں بھٹک سکیں گے"

یہی ابن المسیّب یہ عمری ارشاد بھی پیش کرتے ہیں:۔

"افطار میں اہلِ عراق کی طرح تاخیر مناسب نہیں۔ اور اس میں عجلت مستحسن ہے نہ کہ انتہا پسندی"

امام زُہری نے مسیّب سے اور انھوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے:۔

"میں فاروق کی خدمت میں حاضر تھا کہ اتنے میں ایک سوار شام سے آپہنچا۔ امیر المومنین نے اس سوار سے اہل شام کے متعلق سوالات کرنے شروع کر دیے۔ ان میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ آیا وہاں کے لوگ افطار میں عُجلت کرتے ہیں یا نہیں ؟ اور جب انھیں معلوم ہوا کہ اہلِ شام افطار میں عُجلت کرتے ہیں تو انہوں نے اہلِ شام کے اس تسنّن پر اظہار خرسندی کیا اور کہا:۔

"جب تک وہ اس طرزِ عمل کو اپناتے رہیں گے اور اہلِ عراق کی طرح افطار کیلئے ستاروں کے انتظار میں نہیں رہیں گے وہ ٹھیک رہیں گے۔

"یہی ابنِ مسیّب جن کا نام یہاں بار بار آرہا ہے" ارشاد فرماتے ہیں:۔

"عمر بن الخطابؓ نے روزہ کی حالت میں بوسہ لینے سے روکا ہے۔ وہ فرمایا کرتے تھے "میں تم میں سے کسی شخص میں بھی وہ احتیاط اور عفت و پاکیزگی نہیں دیکھتا جو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھی۔

حمید بن نعیم کہتے ہیں :۔

"ایک بار عمر بن الخطابؓ اور عثمان بن عفانؓ دونوں کسی جگہ کھانے پر مدعو ہوئے اور دونوں نے یہ دعوت قبول کر لی۔ کھانے کے بعد یہ حضرات بر آمد ہوئے تو حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا :۔

"میں اس دعوت میں شریک تو ہوا لیکن کاش اس میں شرکت نہ کرتا۔"

عثمانؓ نے پوچھا :۔

"آخر کیا ہوا ؟"

عمرؓ نے فرمایا :۔

ممکن ہے ہماری اس شرکت کو بعد میں ذریعۂ افتخار بنایا جائے۔"

انس بن مالکؓ کہتے ہیں :۔

"ایک بار عمر بن الخطابؓ کو کسی نے سلام کیا۔ انھوں نے سلام کا جواب دیا اور خیریت پوچھی۔ اس نے کہا :۔

"اللہ کا شکر ہے اور اسی کا احسان و کرم ہے۔"

ابن خطابؓ نے فرمایا :۔

"میں یہی سننا چاہتا تھا۔"

زید بن اسلم نے اپنے والد سے روایت کی ہے :۔

"عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار کسی مکان سے شورِ نشاط اٹھتا سنا۔ پوچھا :۔

"یہ کیا ہنگامہ ہے ؟"

لوگوں نے عرض کیا :۔ امیر المومنین یہ شادی کا ہنگامہ ہے۔"

ارشاد ہوا، "یہ لوگ دف بھی کیوں نہیں بجاتے ؟"

حسن کہتے ہیں کہ ایک بار عمر بن الخطابؓ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے توند نکل آئی تھی اُس سے پوچھا:۔

"یہ کیا؟ (یعنی یہ توند کیسے نکال لی؟)

اُس توند والے نے کہا "یہ اللہ کی برکت ہے"

فاروق غضبناک ہوگئے اور فرمایا:۔

"یہ برکت نہیں عذاب ہے"۔

ابن حصین نے عمری قول دہرایا ہے:۔

"اللہ تمہارے دل میں کسی مسلمان کی محبت ڈال دے تو اسے قائم رکھو"

مصعب بن سعد نے بھی ناطقِ حق وصواب (حضرت عمرؓ) کا یہ مقولہ پیش کیا ہے

عموماً لوگ اپنے باپ کے مقابلے میں اپنی ماؤں پر زیادہ جاتے ہیں"

نافع نے ابن عمرؓ کے حوالے سے حضرت عمرؓ کی ایک تقریر کا ایک جملہ نقل کیا ہے:۔

"اگر تم سے غلطی سے دادو دہش زیادہ ہوجائے تو یہ ناداروں کے لیے رحمت ہے۔ اور ایسے مال و زر پر تاسف نہیں کرنا چاہیئے"

محمد بن سیرین سے روایت ہے:۔

فاروق اعظمؓ بیت الخلاء سے برآمد ہوئے اور تھوڑی دیر بعد قرآن کی چند آیتیں پڑھیں۔ ایک شخص ابو مریم نے کہا:۔

"امیرالمومنین! آپ ناپاکی کی حالت میں قرآن پڑھتے ہیں"

فرمایا "یقیناً مسیلمہ نے تمہیں یہ بات سوجھائی ہے"

نعیم بن ابی ہند کہتے ہیں۔ امیرالمومنین نے ایک موقع پر فرمایا:۔

"جو دعویٰ کرے کہ وہ مومن ہے۔ وہ دراصل کافر ہے اور جو یہ کہے کہ وہ عالم ہے وہ دراصل جاہل ہے اور جو تیقّن سے اپنے جنتی ہونے کا دعویٰ کرے وہ ناری ہے۔

محمد بن کعب القرضی نے عمر بن الخطاب کی ایک اور حکیمانہ بات ہمیں سنائی ہے:۔

"جہاں کہیں کسی بندہ کو کوئی نعمت عطا ہوتی، کوئی نہ کوئی حسد کرنے والا نمودار ہوگیا"

زہری نے محمد بن جبیر ابن مطعم کے حوالہ سے بیان کیا کہ ایک بار حضرت عمرؓ نے قوم کو منبر سے خطاب فرمایا اور منجملہ اور باتوں کے یہ ہدایت بھی کی کہ:۔

"لوگوں کو اپنے حسب ونسب سے واقفیت ہونی چاہیئے"

ابراہیم التیمی نے اپنے والد سے روایت کی ہے،

ابراہیم کے والد کہتے ہیں:۔

"ہم عمرؓ کی مجلس میں حاضر تھے وہاں ایک شخص نے ایک دوسرے شخص کی اس کے مُنہ پر تعریف کی۔ امیر المومنین نے اسے سخت ناپسند فرمایا اور تعریف کرنے والے کو زبانی تنبیہہ کی۔

زید بن اسلم نے اپنے والد کو کہتے سنا تھا کہ:۔

"ابن خطابؓ مدح سرائی اور تعریف کو ذبح کر دینے کے مترادف سمجھتے تھے"

قبیصہ بن جابر نے عمر کی قول دُہرایا ہے:۔

"زمانہ اس شخص کے ساتھ کوئی انصاف نہیں کرتا جو دوسروں پر رحم نہیں کیا کرتا اسی طرح، جو معاف نہیں کرتا اسے معاف نہیں کیا جاتا، اور جو عذر قبول نہیں کرتا، اس کا عذر بھی قبول نہیں کیا جاتا۔ جو بچاتا نہیں اسے بچایا نہیں جاتا"

عبدالرحمٰن بن عجلان کہتے ہیں:۔

ایک بار حضرت عمرؓ کو دو آدمی جھگڑا کرتے نظر آئے۔ ان میں سے ایک یہ کہتا ہوا سنائی دیا کہ دوسرے نے اسے سخت سُست کہا ہے۔ امیر المومنین نے فرمایا:۔

"بد کلامی کا گھاؤ تیر کے گھاؤ سے زیادہ کاری ہوتا ہے"

عمار بن سعد التجیبی نے ہمیں ایک عفت آموز سخن فاروقی سنایا ہے۔ وہ یہ ہے:۔

"کسی نو وارد عورت پر بھرپور نگاہ ڈالنا بھی فسق ہے۔"

زید بن ثابت کہتے ہیں:۔

امیر المومنین ایک بار ان سے ملنے تشریف لائے۔ اور باہر سے کہلوایا کہ وہ اندر آ رہے ہیں۔ زید کہتے ہیں کہ ایک جاریہ میرا سر داب رہی تھی۔ میں نے جلدی سے اپنا سر جھٹک لیا مگر امیر المومنین نے فرمایا:۔

"جاریہ کو سر دابتے رہنے دو۔"

میں نے کہا "امیر المومنین! آپ مجھے طلب فرما لیتے، آپ نے خود کیوں زحمت فرمائی۔"

فرمایا "ضرورت تو مجھے تھی تمہاری۔"

احنف بن قیس نے سفیان بن عیینہ کو بتایا تھا کہ ان سے امیر المومنین نے ایک بار کہا تھا کہ:۔

"سردار اور حاکم کے لیے قانون دانی اور فقہی اجتہاد لازم ہے۔"

قبیصہ بن جابر سے ایک بار عمر بن الخطابؓ نے فرمایا:۔

"قبیصہ تم کم عمر ہو۔ خوش گفتار ہو اور جسمانی طور پر مضبوط دیہ بڑی اچھی باتیں ہیں مگر یاد رکھو) آدمی میں دس میں نو باتیں اچھی ہوتی ہیں ایک خراب ہوتی ہے اور وہی ایک خراب عادت اس کی تمام اچھائیوں کو ملیامیٹ کر دیتی ہے لہٰذا جوانی کی لغزشوں سے بچتے رہو۔"

یونس بن عبید نے ایک عجیب بات سنائی، وہ کہتے ہیں:۔

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے:۔

"کسی شخص کے لیے گم گشتہ راہ ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ بلا سبب اپنی یا وہ گوئی سے اہل مجلس کو آزار پہنچاتے اور لوگوں کو ان عیوب پر ٹوکتا پھرے جن میں وہ خود مبتلا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ اپنے کو وہ کچھ بنا کر پیش کرے جو وہ حقیقت میں نہیں ہے۔"

ابو عثمان النہدی کہتے ہیں کہ "امیر المومنین اس کو پسند نہیں کرتے تھے کہ دوسروں سے

بدگمان ہوا جائے۔ اس سے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔

براء بن عازب کا بیان ہے کہ میں جن دنوں سلمان بن ربیعہ کے عملہ میں تھا انھوں نے مجھے امیر المومنین کی خدمت میں محرّم کے مہینے میں روانہ کیا۔ امیر المومنین نے مجھ سے سلمان کی خیریت دریافت کی اور منجملہ اور باتوں کے پوچھا کہ سلمان، رمضان کے علاوہ روزے بھی رکھتے ہیں؟ اور جب میں نے کہا۔

"جی ہاں! وہ (سلمان) روزے رکھتے ہیں۔"

فرمایا: "پرہیزگاری کے ساتھ جہاد روزوں سے افضل ہے۔"

عبید بن ام کلاب کہتے ہیں میں نے امیر المومنین کی ایک تقریر سُنی تھی۔ فرماتے تھے:۔

"لوگوں کو آدمی کے جلالِ شب یعنی اس کی راتوں کی عبادت گزاری سے اور اسکے زاہدانہ کرّوفر اور طنطنہ سے قطعاً نہیں متاثر ہونا چاہیئے۔ انھیں اس شخص کو عزّت کی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے جو امانتدار اور متدین ہو اور لوگوں کی عزتیں اور حُرمتیں اس کے ہاتھوں محفوظ رہیں۔ ایسا آدمی ہی دراصل مردِ کامل ہے۔ گویا محض ظاہری عبادت گزاری ہی تقویٰ اور برگزیدگی کے لیے کافی نہیں۔ خوب کہا تھا اقبال نے ؎

وہ چشمِ پاک بیں کیوں زینتِ برگستواں دیکھے
نظر آتی ہے جس کو مردِ غازی کی جگر تابی! (ش۔ ح۔ ع)

یزید بن حیان نے بھی جو مقاتل بن حیان کے بھائی ہیں بعینہٖ یہی الفاظ حضرت عمرؓ سے منسوب کئے ہیں۔ یہی کہ:۔

"کسی کا محض عابدِ شب زندہ دار ہونا کافی نہیں۔ اسے اپنے کو خوش معاملہ، راست باز اور احترامِ آدمی کا قائل بن کے دکھانا ہوگا۔

ابو قلابہ نے یہ عمری قول نقل کیا ہے۔

: می کا نماز روزہ مت دیکھو۔ نظر اس پر رکھو کہ بات کرتے وقت یہ شخص جھوٹ تو نہیں

بولتا، امانتوں میں خیانت تو نہیں کرتا اور دورِ فراغت میں بھی اس کا زہد قائم رہتا ہے یا نہیں (یہاں میری نگاہوں میں مسلم لیگ کے چار بڑے اور متدیّن زعماء کی تصویریں پھر گئیں۔ یہ زعمائے اربعہ عبارت ہیں:۔ (قائداعظم، قائدملت، نواب اسمٰعیل خان اور سردار عبدالرب نشتر سے۔ ش۔ ح۔ ع)

اعمش، اسمٰعیل اور مسروق نے ہمیں حکمتِ فاروقی کی مزید جھلکیاں دکھائی ہیں:۔

"بُرے ساتھیوں سے کنارہ کش ہو جانے میں بڑا لطف ہے"۔

"عزلت گزینی اور گوشہ گیری فسق و فجور کی مجلسوں میں شرکت کرنے سے بدرجہا بہتر ہے"۔

"آدمی کا دین ہی اُس کا حسب و نسب ہے اور عقل و دانائی اس کی بنیاد ہیں اور اس کی شخصیت کا مدار اس کی شجاعت اور کرم پر ہے"۔

محمد بن عاصم سے روایت ہے:۔

"ہمیں بتایا گیا کہ فاروقِ اعظمؓ عموماً اچھے نوجوانوں کو دیکھتے تو خوش ہوتے اور ان کے حالات پوچھتے اور منجملہ اور چیزوں کے یہ ضرور پوچھتے کہ، یہ صاحب کہیں کام بھی کرتے ہیں یا نہیں۔ اگر معلوم ہوتا کہ نہیں، تو وہ فرماتے:۔

"یہ نوجوان میری نگاہوں میں گر گیا"۔

ابراہیم بن ادہم کہتے ہیں کہ فاروقِ اعظمؓ کے نزدیک یہ بات تہذیب اور شائستگی کے منافی تھی کہ ایک شخص اوروں سے پہلے کھانے سے ہاتھ کھینچ لے"۔

مسور کہتے ہیں، کسی شخص نے حضرت عمرؓ کے سامنے کسی کی تعریف کی۔ حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا:۔

"تم اس کے رفیقِ سفر رہ چکے ہو؟"

"اس نے کہا، "نہیں"۔

پھر پوچھا "تم اس کے ساتھ کسی کاروبار میں شریک رہ چکے ہو؟"
لیکن وہ جو کسی غائب از نظر دوست کی تعریف میں رطب اللسان تھا،
بولا "نہیں"۔

اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا:۔
"پھر تم جو کچھ کہہ رہے ہو یہ بے سمجھے بوجھے کہہ رہے ہو"۔

ابو عتبہ نے بھی الفاظ کے ذرا سے رد و بدل سے اسی نوع کا واقعہ بیان کیا ہے۔

طلحہ بن عمرو نے عطا کے حوالے سے قولِ فاروقی دہرایا ہے:۔
"میرے نزدیک کسی کا اس عالم میں مرنا کہ وہ اپنے اہل و عیال کی کفالت کی خاطر اللہ کی اس دُور دُور پھیلی ہوئی زمین پر سرگرداں رہے اور رزقِ حلال کی تلاش میں اپنے کو تھکا ڈالے اس سے افضل ہے کہ وہ جہاد کرتا ہوا مرے!

حسنؒ نے ایک دلچسپ واقعہ سنایا ہے:۔
عمرؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ دُرّہ بدست اور مجمع ارادت مندان میں گھرے ہوئے۔ یہ منظر تھا کہ ربیعہ کا سردار جس کا نام جارود تھا، واردِ بزمِ خلافت ہوا۔ مجلس میں کسی نے کہا:۔
"لو سردار ربیعہ تشریف لاتے ہیں"۔

حضرت عمرؓ نے یہ الفاظ سُن لیے اور جارود جب امیر المومنین سے قریب ہوئے تو بلا تکلّف انھیں ایک دُرّہ رسید کر دیا۔ جارود نے کہا بھی،
"امیر المومنین! یہ آپ کو کیا ہوا اور آخر مجھ سے کیا خطا سرزد ہوئی؟"

فرمایا "نہ مجھے کچھ ہوا اور نہ تم سے کوئی خطا سرزد ہوئی۔ دراصل میں نے وہ بات سُن لی ہے"۔

جارود نے کہا "مگر وہ بات میں نے تو نہیں کہی تھی"۔

ارشاد ہوا "ہاں! مگر میں نے یہ خیال کیا کہ کہیں ان جملوں نے تمہاری انانیت اور

تمہارے پندار کو تسکین نہ دی ہو، سو میں نے (دُرّہ سے) تمہارے پندار کو سرنگوں کر دیا۔

ثابت البنانی نے حضرت عمرؓ کا یہ سوز آگیں اور محبت ریز قول نقل کیا ہے:۔

"باپ کی موت کے بعد باپ کے دوستوں سے ملنا ایسا ہی ہے گویا ایک شخص نے اپنے والد کی قبر میں اس سے ملاقات کی۔"

اور ان مندرجہ ذیل اقوال زریں اور ارشاداتِ حکیمانہ کے ناقل طلحہ بن عبداللہ بن عبداللہ بن کریز ہیں:۔

"مجھے تم لوگوں کی کسی بات سے اس درجہ خوف نہیں آتا جتنا اس بات سے کہ تم خود پسندی میں مبتلا ہو جاؤ اور اپنے تئیں عقلِ کُل اور حرفِ آخر سمجھ بیٹھو۔"

(یہاں مجھے اُردو کا ایک شعر دل پذیر یاد آگیا ؎

ہاں ہم اچھے ہیں کبھی یہ نہ تصوّر کرنا
تیشۂ نخلِ ترقی ہے تکبّر کرنا

"جو دعویٰ عِلم کرتا ہے وہ جاہل ہے۔ اور جو جنّتی ہونے کا مدّعی ہے (جیسے یہود تھے) وہ ناری ہے۔"

(یہاں مجھے اپنا ایک شعر یاد آگیا ؎

راسخ ہے یہ خیال کہ کم تر ہوں دہر میں
احساسِ عقل و دعویٰ دانش نہیں مجھے (ش۔ح۔ع)

کعب بن علقمہ نے (علقمہ کے نام نے مجھے انیسؔ کا ایک مصرع یاد دلا دیا ہے۔ انیسؔ کا مصرع ہے ؎

خود نہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب (ش۔ح۔ع)

عمری حکمت کے معدن سے لے کر یہ جواہر بکھیرے ہیں:۔

"جہاں کہیں اور جب کہیں کسی بندہ کو کوئی نعمت ملتی ہے اس سے حسد کرنے والا کوئی نہ

کوئی پیدا ہو جاتا ہے۔" (خوب کہا تھا شبلیؔ خوش سرانے ؎

پھینک دینے کی کوئی چیز نہیں فضل و کمال
ورنہ حاسد تری خاطر سے میں یہ بھی کرلوں

جو شخص اپنی زبان قابو رکھتا ہے اس کی عزتِ نفس برقرار رہتی ہے۔ اللہ اسے رُسوا نہیں کرتا (کسی نے خوب کہا ہے ؎

پھرتا نہیں وہ تیر جو نکلا کمان سے
دیکھو کلامِ سخت نہ نکلے زبان سے

سعید بن المسیب امیر المومنین عمر بن الخطابؓ سے نقل کرتے ہیں:-

کوئی دعا جو سیّد البشر علیہ السلام پر درود بھیجے بغیر مانگی جاتی ہے وہ عرش تک نہیں پہنچ پاتی۔ وہ اوپر جانے کی راہ پاتی ہی اس وقت ہے۔ جب وہ نام لیا جائے جس سے بزم گہ ہستی میں اُجالا ہے ؎

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے!

ارطاۃ بن منذر نے بعض لوگوں کو حضرت عمرؓ کے یہ اقوال دہراتے سنا تھا کہ:-

"لوگوں کو زیادہ اپنی آرائش و زیبائش میں نہیں لگے رہنا چاہیئے۔ اس لئے کہ در حقیقت بندگانِ خدا وہ ہوتے ہیں جو عیش و عشرت اور لہو و لعب میں نہیں محو ہو جاتے (حکیم الاُمت اقبالؔ نے سخن دانی اور خوش گوئی کا حق ادا کر دیا ہے"

یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل	یا خاک کی آغوش میں راتوں کو مناجات
وہ مذہبِ مردانِ خدامست و خدا دوست	یہ مذہبِ مُلّا و نباتات و جمادات

ارطاۃ کی حکایتِ لذیذ نے میرے ذوقِ شعر گوئی کی آتش کو از سرِ نو بھڑکا دیا ہے ؎

ارطاۃ سے اک بار یہ فرمایا عمرؓ نے — اللہ کے بندے متنعّم نہیں ہوتے
بستر میں پڑے رہتے ہیں مردانِ مُعقّل — تکبیر سے اپنے مترنّم نہیں ہوتے
پیتے ہیں لہو تنگئ داماں کے گلہ سے — آفاق میں بھر کر متبسّم نہیں ہوتے
بن جاتے ہیں جہّال کے آ کے لبِ گویا
اور بزمِ خرد میں متکلّم نہیں ہوتے — (ش۔ ح۔ ع)

عکرمہ سے روایت ہے :۔

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے "جو اپنے راز چھپائے رکھتا ہے۔ اسے اختیار حاصل رہتا ہے اور اس کی زمام کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہیں جانے پاتی اور جو تہمت کے محل سے نہیں بچتا اسے دوسروں سے سوءِ ظن کی شکایت بھی نہیں کرنی چاہیئے۔"

صفوان بن عمرو نے ایفع بن عبد کو کہتے سنا تھا :۔

"جس وقت عراق کے خراج کا مال مدینہ پہنچا تو حضرت عمرؓ اپنے غلام کے ساتھ برآمد ہوئے۔ امیر المومنین نے سب سے پہلے اونٹوں کو گنا۔ اتفاق سے وہ اس تعداد سے زیادہ نکلے جو عراق سے لکھ کر آئی تھی۔ اس پر یعنی اس 'فضل' پر (فضل کا مطلب مہربانی اور کرم گستری بھی ہے اور فضل کا مطلب زائد بھی ہے) انھوں نے اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کیا۔

غلام نے عرض کیا :۔

"امیر المومنین! یہ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے۔"

فاروق غضبناک ہو گئے اور کہا :۔

"تم میری بات نہیں سمجھے، یہاں جس فضل و رحمت کی جانب اشارہ ہے۔ اس سے مراد یہ دنیوی چیزیں نہیں ہیں۔ دراصل اللہ تعالیٰ کی مراد اس فضل و رحمت سے وہ ہدایت ہے جو ہمیں اسوۂ نبوی اور قرآن میں ملتی ہے۔ اس لیے کہ یہ فضل

اندوختہ سیم و زر و لعل سے بدرجہا بہتر ہے۔"

محمد بن سیرین کہتے ہیں :۔

"شادی بیاہ یا ختنہ کی تقریب میں فاروق اعظمؓ باجے کی آواز سنتے تو اعتراض نہ کرتے۔"

اسامہ بن زیدؓ نے اپنے والد زید سے اور انھوں نے اپنے والد سے سنا کہ کسی موقع پر لوگ امیرالمومنین کے ساتھ ساتھ تھے اور سب مکہ کی جانب گامزن تھے۔ کاروان حج میں ایک شخص کوئی نغمہ الاپنے لگا، لوگوں نے اعتراض کیا۔

"امیرالمومنین! ذرا دیکھئے تو یہ شخص احرام باندھے ہوئے ہے اور گا رہا ہے۔"

امیرالمومنین نے فرمایا :۔

"اسے گانے دو، نغمہ توشۂ سواراں ہے۔"

زید بن اسلم کہتے ہیں :۔

"فاروق اعظمؓ کی رائے میں نوجوانوں کے گناہوں کی ذمہ داری سے بچنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ بالغ ہونے پر ان کی شادیاں کردی جائیں۔"

ابراہیم نے ذیل کے یہ عمری مشاہدات دہرائے جائیں :۔

"سات سال کی عمر میں ایک لڑکے کے دودھ کے دانت گرتے ہیں۔ چودہ سال کی عمر میں وہ بالغ ہوتا ہے۔ اکیس سال کے بعد اس کا قد نہیں بڑھتا اور اٹھائیس سال کے بعد اس کی عقل کامل ہوتی ہے۔"

جریر بن لیث نے ابن خطابؓ کی یہ دل نشین بات ہم تک پہنچائی ہے :۔

تین باتوں سے تیرے لیے تیرے دوست کی محبت مبدل بہ خلوص کامل ہوجائیگی۔"

پہلی یہ کہ ملاقات کے وقت تو اسے محبت کے ساتھ سلام کر۔"

دوسری یہ کہ اسے تپاک سے اپنے پاس بٹھا۔

تیسری یہ کہ اسے اس نام سے پکار جو خود اسے بھی عزیز ہو۔

وہ شخص جو دوسروں کے وہ عیوب اُچھالے جو خود اس میں موجود ہوں اور رفقائے مجلس کو بے سبب آزار پہنچائے، دراصل مردِ گمراہ ہے"۔

حارثہ بن مضرب نے عمرؓ کا قول نقل کیا ہے :۔

یہ مال (یعنی یہ تمام مال و دولت جو بیت المال میں جمع ہے) میرے لیے ایک یتیم کے مال کی مانند ہے۔ اگر مجھے ضرورت نہیں ہوگی تو میں اس مال کو مطلق ہاتھ نہ لگاؤں گا۔ لیکن شدید ضرورت پڑنے پر بطور قرض میں اس میں سے لے سکتا ہوں۔ اور پھر حالتِ فارغ البالی میں اس رقم کو مجھے بیت المال کو ادا کرنا ہوگا"۔

حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کا یہ استفسار نقل فرمایا ہے :۔

"اللہ کے مال میں سے (سب کو دینے دلانے کے بعد بھی) جو رقم بچ رہی ہے اس کا کیا مصرف ہو؟" لوگوں نے یک زبان کہا :۔

"امیر المومنین! امت کی خاطر آپ اپنے اہل و عیال، جائداد اور تجارت سب سے رُو گرداں ہو چکے ہیں۔ یہ رقم آپ خود استعمال کیجئے"۔

امیر المومنین نے مجھ سے (مراد علی بن ابی طالبؓ) پوچھا :۔

"تمہاری کیا رائے ہے؟"

میں نے کہا : "آخر تمام لوگ آپ کو مشورہ دے ہی چکے۔ مگر ان کا اصرار تھا کہ میں ضرور اپنی رائے دوں"۔ میں نے بھی کہا :۔

"آپ کیوں اپنے آپ کو مبتلا بہ گماں کرتے ہیں۔ یعنی آپ کیوں وہم میں مبتلا ہونا چاہتے ہیں؟"

فرمایا "تم کو یہ بات کھل کر کہنی ہوگی"۔

میں نے کہا "بہت اچھا، میں پوری بات وضاحت کے ساتھ کروں گا"۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کا کچھ مال آپ کے حوالے کر کے آپ کو اسے

محتاجوں میں بانٹنے کے لیے روانہ کیا۔ اور آپ اس تمام مال کو لئے ہوئے برآمد ہوئے اتفاق سے اس موقع پر آپ کی ملاقات عباس بن عبدالمطلب سے ہوئی اور انھوں نے اس بات پر اصرار کیا کہ وہ تمام مال وہ خود تقسیم کریں گے۔ اس پر آپ دونوں میں کچھ رنجش سی ہوگئی پھر آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ "ذرا میرے ساتھ نبی اللہ کے پاس چلو۔"

اور ہم جب پہنچے تو ہم نے اللہ کے نبیؐ کو عالم اضطراب میں پایا۔ اور ہمیں بات کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ چنانچہ ہم دوسرے دن پھر پہنچے۔ دوسرے دن ہم نے حضورِ انورؐ کو عالمِ انبساط میں پایا۔ آپ کو یاد ہوگا، اس پر ہم نے سردارِ دوجہاںؐ سے پوچھا بھی تھا کہ ہمارے حاضر ہونے پر یہ دو مختلف کیفیتیں کیسی تھیں۔ سردارِ دوجہاں نے ارشاد فرمایا تھا:۔

"پہلے دن جب تم دونوں (عمرؓ اور علیؓ) میرے پاس آئے تھے تو میرے پاس صدقے کے دو دینار باقی رہ گئے تھے۔ ان دو دیناروں کے سبب میں مکدّر تھا۔ آج میرے نشاط کا باعث یہ ہے کہ میں نے ان دو دیناروں کو بھی ٹھکانے لگا دیا ہے۔"

امیر المومنین نے شاہِ مرداں سے یہ سخنِ جاں نواز سنا تو ارشاد فرمایا:۔

"علیؓ میں مستقل طور پر تمہارا شکر گذار ہوں۔"

ربیع بن زیاد الحارثیؓ کا بیان ہے کہ ایک بار وہ امیر المومنین سے ملنے آئے تو آپ کو (ربیع کی) سج دھج بہت پسند آئی۔ باتوں باتوں میں فاروق اعظمؓ نے فرمایا:۔

"جس قسم کا کھانا وہ کھا رہے ہیں اس سے وہ پیٹ کے درد میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔"

ربیع نے کہا "امیر المومنین آخر آپ سے زیادہ تو کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ عیش و آرام اور فراغت سے زندگی گزارے اور اچھے کھانوں، نرم اور ملائم لباس اور معقول سواری سے بہرہ اندوز ہوتا رہے۔"

امیر المومنین کسی چیز سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ ان کے ہاتھ میں کھجور کی ایک صاف

ہٹنی تھی۔ یہ سنتے ہی وہ سنبھل کر بیٹھ گئے۔ اور اس چھڑی سے ربیع کے سر پر مار دیا اور فرمایا:۔

"میں جانتا ہوں تم نے یہ سب کچھ مجھ سے تقرب حاصل کرنے کے لیے کہا ہے۔ یاد رکھو اس سے (اس تملق) سے میری رائے تمہارے بارے میں دفعتہً بدل گئی ہے۔ لو میں بتاتا ہوں۔ میرا اور اُمّت کا کیا رشتہ ہے؟" ہمارا یہ رشتہ کچھ یوں ہے کہ ہم ایک قافلہ کے مانند ہیں اور جیسا کہ قافلہ میں ہوتا ہے۔ قافلے والے اپنا ایک آدمی چن لیتے ہیں کہ اس کے پاس اہل قافلہ کی تمام رقوم جمع رہیں اور وہ ان کی طرف سے صرف کرتا رہے۔ اب ظاہر ہے یہ شخص قافلہ والوں کو نظر انداز کر کے محض اپنی ذات کو اہمیت نہیں دے سکتا اور نہ اپنے کو دوسروں پر ترجیح دے سکتا ہے"۔

حضرت حسن رض سے روایت ہے کہ:۔

"سال میں تین سو ساٹھ دن ہوتے ہیں اور سال میں ایک دن حضرت عمر رض بیت المال کو بالکل ہی صاف کروا دیتے تھے تاکہ وہ اپنے پروردگار سے کہہ سکیں کہ انھوں نے بیت المال میں کچھ نہیں چھوڑا اور وہ سب کا سب اُمّت کے کام آ جائے۔

حضرت حسن سے ایک اور روایت ہے:۔

"عمر بن الخطاب رض اور عثمان بن عفان رض موذنوں، اماموں، استادوں اور قاضیوں کی معاش کی فراہمی کا انتظام فرمایا کرتے تھے"۔

حسن رض ہی نے ایک اور سوز آگیں اور دل انگیز واقعہ روایت کیا ہے:۔

فاروق اعظم مدینہ کی کسی گلی سے گزر رہے تھے۔ دفعتاً ان کی نظر ایک لڑکی پر پڑی جو لڑکھڑاتی ہوئی چل رہی تھی۔ یوں کہ کبھی گر پڑتی اور کبھی اٹھ کھڑی ہوتی۔ امیر المومنین کو اس منظر کے دیکھنے کی بھلا کہاں تاب تھی، وہ پکار اٹھے"۔

"یہ کیا مصیبت ہے؟ یہ کیا ستم ہے؟ کوئی مجھے بتائے تو سہی یہ کس کی بچی ہے؟"

عبداللہ ساتھ چل رہے تھے، کہنے لگے۔

"امیرالمومنین! آپ اس لڑکی کو نہیں پہچانتے۔ یہ آپ ہی کے گھرانے کی ایک بچی ہے"
اور جب امیرالمومنین نے مزید وضاحت چاہی تو عبداللہ بن عمر نے بتایا کہ وہ انھیں کی (عبداللہ کی) بچی ہے۔ فاروق رضؓ غضبناک ہو گئے اور بیٹے کو قدرے فہمائش کرتے ہوئے کہا:۔

"آخر یہ لڑکی اس حالت کو پہنچی کیسے؟"

عبداللہ بن عمرؓ نے عرض کیا:۔

"آپ سے کچھ ملتا جو نہیں"

باپ نے کہا:۔

"اگر میں اسے کچھ نہیں دیتا تو تم ایک مضبوط اور توانا آدمی ہو، تم خود اس کی نگہداشت کا حق کیوں نہیں ادا کرتے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، میں تم کو اس سے زیادہ نہیں دے سکتا جتنا ایک عام مسلمان کو ملنا چاہیئے۔ اب تمہارا یہ حصّہ تمہارے لیے کافی ہو تو کیا اور کافی نہ ہو تو کیا؟ تم کو ایک عام فردِ اُمّت پر ادنےٰ سی ترجیح دینا اس معاہدہ کی خلاف ورزی ہوگی جو میرے اور میرے پروردگار کے مابین ہو چکا ہے۔"

مالک بن اوس سے مروی ہے:۔

زرخرید غلاموں اور لونڈیوں (یہ میں نے مِلکِ یمین کا ترجمہ کیا ہے۔ ش۔ح۔ع) کو چھوڑ کر ہر ہر فرد اُمّت کا اِس مال میں (جو مسلمانوں کے بیت المال میں جمع ہے) حق ہے۔ عاصم کہتے ہیں:۔

"ایک بار میرے والد (حضرت عمرؓ) نے مجھے بلا بھیجا۔ ظہر کا وقت تھا یا صبح کی نماز کا مجھے ٹھیک طور سے یاد نہیں۔ بہر صورت میں آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ مسجد میں بیٹھے ہوئے

ہیں۔ اللہ عزّوجل کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد انھوں نے مجھ سے فرمایا:۔

"میری امامت میں یہ جس قدر بھی مال و دولت ہے۔ اس میں سے کچھ لینا اس وقت تک میرے لیے مطلقاً حرام ہے جب تک میں ایک ایک حقدار تک اس کا حق نہ پہنچادوں اس کے بعد یعنی اُمّتِ محمدی کا پورا پورا حق ادا کرنے کے بعد البتّہ بیت المال سے استفادہ میرے لیے جائز ہے۔ میں ایک مہینے تک بیت المال سے تم کو کچھ دیتا رہا تھا۔ لہٰذا وہ رقم جو ظاہر ہے ایک امانت تھی۔ تم مجھے (بحیثیت خلیفۃ المسلمین کے) لوٹادو اور اس مدّت کے بعد میں ہرگز بیت المال سے لے کر تم پر نہیں خرچ کروں گا۔ جاؤ میں تم کو مقام عالیہ میں اپنے تمام باغ ہبہ کرتا ہوں۔ تم انھیں بیچ لو اور مدینہ کے کسی تاجر آدمی کے ساتھ مل کر کاروبار شروع کردو۔ کاروبار میں تمہیں جو نفع حاصل ہو اس سے اپنی گذر اوقات کرو۔"

میں نے ایسا ہی کیا۔"

قتادہ کا بیان ہے کہ:۔

"امیر المومنین کے عہد میں معیقیب امین بیت المال (وزیر خزانہ) تھے۔ معیقیب نے نے ایک روز بیت المال کی مکمل صفائی کرائی۔ صفائی کے دوران انھیں ایک درہم ملا۔ وہ درہم انھوں نے حضرت عمرؓ کے خاندان کے ایک لڑکے کو دے دیا۔ معقیب کہتے ہیں:۔

"اس کے بعد میں اپنے گھر چلا آیا۔ ابھی میں گھر ملٹا ہی تھا کہ امیر المومنین نے ایک شخص کے ذریعہ مجھے بلوا بھیجا۔ میں آیا تو ناراضگی کے لہجہ میں کہا:۔

"کیا ماجرا ہے آخر؟"

اور جب میں نے کہا:۔

"خیر تو ہے؟" تو ارشاد ہوا:۔

"تمہارے اس ایک درہم کی خاطر میرا اور پوری اُمّتِ محمدی کا قیامت میں مقدّمہ کھڑا ہوتا، کیا یہی چاہا تھا تم نے؟"

عمر بن شبہ نے اپنے اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے کہ :-

"ایک بار عبداللہ بن ارقم نے امیر المومنین سے عرض کیا کہ ان کے پاس سونے چاندی کا کچھ سامان ہے جو انہیں جلولا میں حاصل ہوا تھا۔ اس کا کیا مصرف ہونا چاہیئے؟"

امیر المومنین نے کہا کہ :-

"وہ اس کا جواب فرصت سے دیں گے۔"

ایک دن حضرت عمرؓ کو فارغ دیکھ کر ابن ارقم نے پھر وہی سوال دُہرایا۔ اب حضرت عمرؓ نے چمڑے کا ایک ٹکڑا طلب کیا اور ابن ارقم کے لائے ہوئے سیم و زر کو اس چمڑے کے ٹکڑے پر بکھیر دیا اور پھر فرمایا :-

"پروردگار اپنی کتاب میں تو نے اسی مال کا ذکر کیا ہے اور اس زندگی مستعار کی عارضی لذتوں مثلاً عورت کی محبت، اولاد سے دل بستگی اور سیم و زر و لعل سے رغبت کا تذکرہ فرمایا ہے اور تو نے یہ بھی تو حکم دیا ہے کہ گذری ہوئی نعمتوں پر تاسّف اور نئی تحصیلات پر غیر معتدل اظہارِ مسرت نہیں کرنا چاہیئے۔ مگر ہم بشری تقاضوں سے مجبور ہو جاتے ہیں اور ان زود گذر لذتوں پر پھولنے لگتے ہیں۔ خداوندا اس مال کو اس کے صحیح حق دار تک پہنچا دے اور مجھے اس کے شر سے محفوظ رکھ۔"

ابن ارقم کہتے ہیں کہ اتنے میں خانوادہ فاروقی کا ایک بچّہ جس کا نام عبدالرحمٰن بن لہیعہ تھا، دوڑا ہوا آیا اور کہا :-

"یا اَبَتاہ اس میں سے ایک انگوٹھی مجھے دے دیجئے۔"

فاروق اعظمؓ نے اس لڑکے کو کوئی چیز نہیں لینے دی اور اس سے فرمایا کہ :-

"وہ اپنی ماں سے جا کر کہے کہ وہ اسے ستّو پلا دیں۔"

عبدالرحمٰن بن غنم سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں :-

"ایک بار مجھے حضرت عمرؓ کو قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ وہ سلطنت کے کاروبار میں اس

دن صبح ہی سے مشغول تھے۔ اتنے میں دوپہر کا وقت آ گیا۔ لوگ اپنے اپنے گھروں کو جانے لگے۔ امیر المومنین نے بھی اپنے مکان کی راہ لی۔ لیکن مجھ سے فرمایا کہ میں ان کے ساتھ رہوں۔ غرض میں ان کے (امیر المومنین کے) ساتھ ہو لیا۔

گھر پہنچ کر امیر المومنین نے لونڈی سے کہا کہ وہ ان کا کھانا لائے۔ لونڈی ان کے لیے زیتون کے تیل میں نان ڈال کر لے آئی۔ فاروق غضبناک ہو گئے اور فرمایا:۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے تو نے زیت (تیل) کی جگہ گھی استعمال کر لیا ہے۔" اس پر میں بول اٹھا،"

" امیر المومنین! میں آپ کا وزیر مال ہوں۔ آپ نے خزانۂ خلافت میری امانت میں دیا ہے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ زیتون کے تیل اور گھی میں کوئی خاص فرق نہیں (اور بیت المال سے اتنے معمولی سے استفادہ سے کوئی فرق نہیں پڑیگا) امیر المومنین نے فرمایا:۔

"استغفر اللہ! تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ خود داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کھایا کرتے تھے!"

عاصم نے اپنے والد کا قول نقل کیا ہے:۔

"میرے لیے صرف اتنا جائز ہے کہ میں جس قسم کی زندگی خلافت سے پہلے گزارتا تھا بس اس کے معیار کو برقرار رکھنے کے لیے بیت المال سے کچھ لے لوں۔ اس سے زیادہ نہیں"۔ عاصم کہتے ہیں:۔

"اکثر ایسا ہوتا کہ ان کے لیے (امیر المومنین کے لیے) گھی کی پکی ہوئی کوئی نہ کوئی چیز لائی جاتی اور وہ یہ کہہ کر اس مُرغّن غذا سے ہاتھ کھینچ لیتے کہ وہ ایک عرب ہیں اور تیل سے دست کش نہیں ہو سکتے۔"

قاسم کا بیان ہے کہ:۔

"ایک روز اپنی ایک تقریر کے دوران امیرالمومنین نے اس امر کا اظہار کیا کہ زیتون کے تیل کے استعمال سے ان کے پیٹ میں درد ہونے لگا ہے اور اگر مسلمان اجازت دیں تو وہ تین درہم کی قیمت کا گھی بیت المال سے لے لیں!"

یاشرہ بن سنی الیزنی نے ابن خطّاب کو جابیہ کے مقام پر یہ اعلان کرتے سنا تھا:
اللہ تعالےٰ نے ان کو اس مال کا یعنی مسلمانوں کے مال کا خازن، امین اور تقسیم کنندہ بنایا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ درحقیقت اس مال کو خود اللہ تقسیم کرتا ہے۔ اس کے بعد امیرالمومنین نے فرمایا:۔

"میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل یعنی ازواج سے اس مال کی تقسیم شروع کروں گا۔"

چنانچہ جویریہ رضؓ، صفیہ رضؓ اور میمونہ رضؓ کے علاوہ تمام دوسری ازواج کے لیے دس دس ہزار مقرر ہوئے تھے۔ چنانچہ اسی پر عائشہ صدیقہ رضؓ نے کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم ازواج میں عدل و انصاف برقرار رکھتے تھے اور عمر رضؓ نے بھی ہمارے فرقِ مراتب کا پورا لحاظ رکھا ہے۔ اس کے بعد مہاجرین اولین یعنی ان لوگوں کا جن کو ظالموں اور سرگشتگانِ راہ نے ان کے گھروں سے نکال دیا تھا، حق ہے۔ اہلِ بدر میں بھی یہ تخصیص ہوئی کہ مہاجرین کرام کے لیے پانچ پانچ ہزار۔ اور انصار کے لیے چار چار ہزار مقرر ہوئے اور معرکۂ احد میں شریک ہونے والوں کا تین تین ہزار وظیفہ مقرر ہوا۔ اس سلسلے میں معیار یہ مقرر ہوا کہ پہلے ہجرت کرنے والوں کو پہلے روزینے ملیں گے اور جس نے ہجرت میں جتنی تاخیر کی ہے اسی نسبت سے اسے روزینہ بھی دیر میں ملے گا۔ اور اگر اس بات سے وہ کبیدہ ہوتا ہے تو اسے خود اپنے ذوقِ سفر پر ملامت کرنا چاہیئے۔ اسی تاریخی تقریر کے دوران امیرالمومنین نے فرمایا:۔

"میں خالد بن الولید رضؓ کے معاملہ میں تم لوگوں سے معذرت خواہ ہوتا ہوں۔ میں نے خالد کو حکم دیا تھا کہ، وہ مال کو معذور اور کمزور مہاجرین پر صرف کریں مگر انھوں نے

اسے محض معززا اور آتش بیان لوگوں کے لیے مخصوص کر دیا۔ اس لیے میں نے خالدؓ سے سرداری چھین کر ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو ان کی جگہ قائد سپاہ اور امیر عساکر بنا دیا ہے۔"

انس بن مالک اور سعید بن المسیب نے بھی اپنے مشترکہ بیان میں یہی تفصیلات دی ہیں۔ مگر ان کے بیان میں یہ اضافہ ہے کہ جب عمرو بن ابی سلمہ بن عبدالاسد المخزومی، اسامہ بن زید، محمد بن عبداللہ بن جحش الاسدی اور عبداللہ بن عمر کا یعنی ان مہاجر زادوں کا جو معرکہ بدر میں شریک نہ تھے، روزینہ مقرر کرنے کا سوال اٹھا اور اسلام کے ان جوانان صالح کیلئے چار چار ہزار تجویز ہونے لگے تو عبدالرحمٰن بن عوف نے اعتراض کیا کہ عبداللہ بن عمر کا شمار ان لوگوں میں نہیں ہے۔ یعنی انہیں پورے پانچ ہزار پانے کا حق ہے اور پھر ان کے کارنامے کس درجہ عظیم ہیں۔ وہ رسول اللہؐ کے محدث ہیں اور بڑے فضیلت مآب ہیں۔ مگر امیر المومنین ذرا نرم نہ ہوئے۔

عبداللہ بن عمر نے کہا:۔

"مجھے میرا حق ملنا چاہیے اور اگر اس میں میرا حق نہیں ہے تو مجھے کچھ نہ دیا جائے۔"

فاروق اعظمؓ نے فرمایا:۔

"عبدالرحمٰن تم عبداللہ کے پانچ ہزار مقرر کر دو۔ اور میرے چار ہزار۔"

اور جب عبداللہ نے کہا "نہیں میں یہ نہیں چاہتا" تو فاروق غضبناک ہو گئے اور اعلان کر دیا کہ:۔

"خواہ کچھ ہو جائے انہیں اور عبداللہ دونوں کو بیک وقت پانچ پانچ ہزار نہیں ملیں گے۔"

عبداللہ ابن عمر نے سرِ تسلیم خم کر دیا (یہاں مجھے بلبلِ چمنستانِ رسول اللہ یعنی امیر مینائی کا ایک شعر یاد آ گیا ؎

کرتے ہیں بندگیٔ پیرِ مغاں
مغبچے کیا جوانِ صالح ہیں!
امیر مینائی
(ش۔ ح۔ ع)

جعفر بن محمد نے اپنے والد سے روایت کی ہے:-

"امیر المومنین عمر بن الخطّاب نے اپنے دیوان یا دفترِ حسابات کی تنظیم کی تو تمام لوگوں سے مشورہ کیا کہ ان حسابات کی ترتیب کیا ہونی چاہیئے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ آپ اپنی ذات سے شروع کیجیئے" فرمایا:-

"ہرگز نہیں، اس باب میں میرے لیے رسول اللہ کی قرابت معیار ہوگی۔ یعنی جو ان سے جتنا قریب ہے اسے اسی قدر مقدّم رکھا جائے"

سفیان نے ابو اسحاق سے اور انھوں نے (ابو اسحاق نے) مصعب بن سعد سے روایت کی ہے:-

"عمر بن الخطاب رضؓ نے اہلِ بدر کے لیے، یعنی اُن بادہ آشامانِ بزمِ توحید کے لیے جو معرکۂ بدر میں شریک تھے۔ چھ چھ ہزار اور امہات المومنین کے لیے دس دس ہزار مقرر کئے۔ ازواج مطہرات کے باب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے ان کی منزلت عند الرسول کے پیشِ نظر، یہ تخصیص برتی گئی کہ ان کے لیے بارہ ہزار مقرر ہوئے، البتہ صفیہ بنت حی اور جویریہ رضؓ کے لیے وہی چھ چھ ہزار مقرّر کئے گئے اور ہجرت میں پیش قدمی کرنے والی خواتین کو، جن میں ام معبد شامل تھیں، ایک ایک ہزار سے نوازا گیا۔ یعنی ان کے لیے ایک ایک ہزار کے روزینے مقرر ہوئے"

وکیع نے (جو امام شافعیؒ کے استاد تھے) اسماعیل بن ابی خالد سے اور موخر الذکر نے قیس کے حوالے سے ہمیں بتایا ہے:-

حضرت عمر رضؓ نے عرب اور غیر عرب، آقا اور مولا کی تخصیص کے بغیر، اہل بدر کے لیے پانچ پانچ ہزار مقرر کئے اور فرمایا:-

"میں اہلِ بدر کو تمام دوسرے اصحاب پر ترجیح دوں گا۔ ان حضرات کو سب پر فضیلت حاصل ہے۔"

امام زہری کہتے ہیں:۔

"عمرؓ نے عباس ابن عبدالمطلب رضؓ کا وظیفہ بھی دس ہزار مقرر کیا۔ ابوسلمہ ابنِ عبدالرحمٰن کا قول ہے کہ عمر بن الخطابؓ نے فرمایا تھا کہ وہ مسلمانوں کے مختار اور متولی ہیں اور روزینے اور عطیات بانٹنے کی ذمہ داری انہیں کی ہے اور اس سلسلہ میں وہ یہ دیکھیں گے کہ حق صرف حق دار کو ملے۔ اس موقع پر عبدالرحمٰن بن عوفؓ عثمان بن عفانؓ نے مشورہ دیا کہ تھا کہ وہ وظیفہ مقرر کرتے میں اپنے کو سب پر مقدم رکھیں۔ مگر امیرالمومنین نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ عم رسول اللہ سے ابتدا کریں گے اور عباس بن عبدالمطلب کے بعد آنحضرتؐ سے جو جتنا قریب ہو گا۔ اسی نسبت سے اسے فوقیت دی جائے گی! عباس کے بعد اہل بدر کی باری آئی اور انہیں پانچ پانچ ہزار دینے کے بعد ان مجاہدینِ حق پرست کی باری آئی جو بدر کے معرکے میں یعنی احد اور احزاب وغیرہ میں شریک تھے۔ اس طبقہ بندی میں حدیبیہ کو نقطۂ آخر قرار دیا گیا۔ ان بزرگانِ عرب وعجم کو چار چار ہزار سالانہ عطا ہوتے۔ تیسرا طبقہ ان لوگوں کا بنا جو حدیبیہ سے فتنۂ ارتداد تک (جیسے صدیق اکبرؓ کی شمشیر خارا شگاف نے اور انکی عزیمت نے سرنگوں کیا تھا) اسلام کے لیے اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ ان جاں نثارانِ محمدؐ کے تین تین ہزار مقرر ہوتے اسی طبقہ میں ان حضرات کے نام بھی لکھے گئے جو فتح مکہ کے تاریخی موقع پر قائدِ بشریت کے ہم رکاب تھے۔ اہل قادسیہ یعنی قادسیہ کے معرکہ کے مجاہدین اور شام کی تسخیر کی مہم میں شرکاء اور معرکہ یرموک کے شرکاء، یہ سب چوتھے طبقہ میں رکھے گئے۔ انھیں دو دو ہزار کے روزینے ملے اس چوتھے طبقے میں جن لوگوں نے شجاعت کا حق ادا کر دیا تھا ان میں سے ہر ایک کو اڑھائی اڑھائی ہزار ملے۔ طبقہ بندی ہو رہی تھی۔ کسی نے عرض کیا، کیوں نہ اہل قادسیہ کو بھی اسی گروہ

میں شامل کر لیا جائے جس نے اسلام کی ابتدائی تاریخ بنائی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس بات سے انکار کر دیا اور کہا کہ اسلام کے غازیانِ اوّل کی برابری کوئی نہیں کر سکتا۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے اسلام کے لیے شجاعت کے جوہر دکھائے اور اعدائے اسلام کا زہرہ آب کر کے رکھ دیا اور یہ تو اس سے بھی زیادہ کے مستحق تھے۔ پانچواں طبقہ ان لوگوں کا بنا جنہوں نے قادسیہ اور یرموک کی کشورکشائیوں کی تکمیل کی تھی ان کے ہزار ہزار مقرر ہوئے۔ مثنیٰ ابن الحارثہ کے ہمراہیوں کے پانچ پانچ سو مقرر ہوئے۔ ان مجاہدوں کے بعد جو فوجی ٹکڑیاں یکے بعد دیگرے محاذ پر گئیں ان کے ہر ہر فرد کا تین تین سو مقرر ہوا۔ چوتھی اور پانچویں فوجی ٹکڑیوں کے ارکان کے لیے، جنہوں نے مثنیٰ کی معیت میں عرب کے صحرا سے نکل نکل کر کسریٰ کے غرور کا سر نیچا کیا تھا، اڑھائی اڑھائی سو اور دو دو سو تجویز کئے گئے۔ دو سو سے کم کا روزینہ نہیں مقرر ہوا یہ کم سے کم رقم تھی جو حیاتِ فاروقی کے آفتاب کے غروب ہونے تک مسلمانوں کے لیے تجویز کی گئی تھی۔

حضرت عمرؓ نے چار اشخاص کو، ان کے اہلِ بدر نہ ہونے کے باوجود روزینہ کی مقدار کے معاملہ میں اہلِ بدر کا ہم پلّہ قرار دیا۔ یہ چار حضرات عبارت تھے حسنؓ حسینؓ ابوذرؓ اور سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ سے۔ ابوسلمہ کے نزدیک حضرت عباسؓ کو امیر المومنین نے پچیس ہزار کا وظیفہ دیا تھا۔ مگر امام زہری کے نزدیک وظیفہ کی رقم بارہ ہزار تھی۔ متعدد معتبر راویوں کے قول کے مطابق بدر کے معرکے میں شرکت کرنے والی خواتین کے لیے پانچ پانچ سو اور احد اور احزاب اور حدیبیہ میں شرکت کرنے والی خواتین کے لیے چار چار سو اور اس کے بعد کے معرکوں میں شریک ہونے والی خواتین کے لیے تین تین سو مقرر ہوئے۔ قادسیہ کی جنگ میں شریک ہونے والی عورتوں کو دو دو سو کے وظائف ملے۔ پھر باقی تمام عورتیں یکساں سلوک کی مستحق قرار پائیں۔ اہل بدر میں جو بچے شامل تھے ان کے لیے سو سو مقرر ہوئے۔ ازواج مطہرات کے دس دس ہزار مقرر ہوئے اور حضرت عائشہؓ کے اعتراض کے

باوجود ان کے لیے دس ہزار کے بجائے بارہ ہزار مقرر ہوئے۔ یہ اس منزلت کا احترام تھا جو تاریخِ انسانیت کی اس برگزیدہ خاتون کو فخر انبیاء کی نگاہوں میں حاصل تھی۔ ابوسلمہ، محمد، مہلب اور طلحہ بیان کرتے ہیں کہ روزینہ کی یہ تقسیم ہجرت کے پندرھویں سال عمل میں آئی۔ فی الجملہ صفوان بن اُمیہ اور سہیل بن عمرو کو بھی روزینے عنایت ہوئے۔ مگر جب ان لوگوں نے دیکھا کہ اہلِ بدر کو ان پر ترجیح دی گئی ہے تو صفوان نے اپنا حصّہ یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا کہ وہ ان لوگوں سے کم لینے پر آمادہ نہیں ہوں گے جو ان سے رتبہ میں کم ہیں۔

عمر فاروقؓ نے فرمایا

"ان عطیات کا معیار صرف یہ ہے کہ اسلام لانے میں پہل کس نے کی اور چوک کس سے ہوئی۔ اس میں حسب و نسب یا خاندان کا سوال اٹھتا ہی نہیں ہے"

پیرو عشق شدی ترکِ نسب کُن جامی

کہ دراین راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

صفوان تو خیر راضی ہوگئے۔ مگر سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام کو ان کے حصے ملے تو یہ دونوں بول اُٹھے:۔

"امیرالمومنین! آپ اہلِ قریش سے خوب واقف ہیں اور پھر آپ انھیں اتنا کم دے رہے ہیں"۔

امیرالمومنین نے اس کا مختصر سا جواب دیا:۔

"عمل خیر کی طرف لوگ تم سے بہت پہلے آگئے اور تم پیچھے رہ گئے۔

ان دونوں پر اس کا بڑا اثر ہوا اور انھوں نے اپنے حصّے کی رقمیں قبول کرنے کے بعد اعلان کیا کہ "بہرحال اب جہاد میں ان پر کوئی سبقت نہ لے جا سکے گا"۔

سیف بن عبدالملک بن عمیر راوی ہیں:۔

مدائن (جسے ایرانی تیسفون پایۂ تختِ جمشید اور یونانی پرسی پولس کہتے ہیں) کی تسخیر کے

عظیم موقع پر مسلمانوں کو کسریٰ کی بساط یا مسند ملی۔ لیکن وہ اس درجہ بھاری تھی کہ اس کا مدینہ تک لانا ایک مشکل معاملہ ہو گیا۔ مسلمانوں نے جاڑے کے موسم کا انتظار کیا جب ہوائیں اتنی تند و تیز نہیں چلتیں۔ یہ بساطِ کسریٰ بھی عجیب بساط تھی۔ پرویز کی بزم اسی بساط پر آراستہ ہوتی تھی۔ حریفانِ بادہ آشام جب اس پر بیٹھ کر جام پر جام لنڈھاتے تو وہ یہ محسوس کرتے جیسے وہ کسی چمنستان میں ہوں۔ یہ ایک بے پیوند ٹکڑا تھا اور اس کا رقبہ چوبیس سو مربع گز تھا۔ اس کی زمین زرِ خالص سے تیار ہوئی تھی اور یہ پوری زمین مختلف قیمتی جواہر سے مزیّن تھی۔ اس میں جواہر آسا درخت تھے جس میں زرو حریر کے پھل تھے۔ یہ بساط جسے بہار کسریٰ بھی کہتے ہیں جس وقت منجملہ دوسرے اموالِ غنیمت کے سعد و قاص کے سامنے لائی گئی تو وہ اس باب میں کوئی قطعی فیصلہ نہ کر سکے۔ پھر اسے کوئی خرید بھی تو نہ سکتا تھا۔ سعد رضؓ نے مجاہدین کو اس بات پر راضی کر لیا کہ بہارِ کسریٰ امیر المومنین کے پاس روانہ کر دی جائے۔ پھر وہ جو مناسب سمجھیں کریں۔

بساطِ کسریٰ، اپنے تمام ظاہری جاہ و جلال کے ساتھ نبی کے شہر میں لائی گئی تو حضرت عمرؓ کو ایسا محسوس ہوا کہ گویا وہ کوئی خواب دیکھ رہے ہیں۔ فاروقِ عادل و عالی ظرف نے ایک جلسۂ عام بلایا اور حمد ربِّ جلیل اور مدح پیغمبر کے بعد مسلمانوں سے مشورہ کیا کہ بساطِ کسریٰ کا کیا مصرف ہونا چاہیے۔"

کسی نے کہا اسے بحق بیت المال ضبط کر لیا جائے۔ کسی نے کہا اسے خود امیر المومنین اپنے تصرّف میں لائیں۔ اور بھی مختلف رائیں سامنے آئیں۔ مگر ابھی تک حضرت عمر رضؓ نے کسی ایک رائے کو بھی قبول نہ کیا تھا۔ آخر میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کھڑے ہو گئے۔ اور فرمایا:۔

"آپ اپنے علم اور یقین کو نادانی اور شک کی زد میں کیوں آنے دیتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں اس دنیا کی ہر شے فنا پذیر ہے۔ مال و دولت، لباس و پوشش اور سامانِ خورو نوش یعنی ہر چیز فانی ہے۔"

حضرت عمر رضؓ نے اس بلیغ اشارہ کو بنظرِ استحسان دیکھا اور فرمایا:۔

"صدَقْتَنِي"۔ اور اس کے بعد ہی بساطِ کسریٰ کو مسلمانوں میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے بانٹ دیا اس کا محض ایک ٹکڑا جو حضرت علیؓ کے حصّہ میں آیا تھا اور جو بساط کا سب سے نفیس ٹکڑا نہ تھا بیس ہزار میں فروخت ہوا۔

امام زہری کی روایت ہے:۔

ایک موقع پر امیر المومنین نے صحابہ کرام میں لباسوں کے جوڑے تقسیم کئے۔ ان میں حضرات حسنین کے لائق کوئی جوڑا نہ تھا۔ چنانچہ آپ نے ان دونوں کے لیے بڑے اہتمام سے یمن سے کپڑے منگوا بھیجے اور جب ان نونہالانِ بستانِ مصطفویؐ نے یہ کپڑے زیب تن کر لیے تو امیر المومنین کو چین نصیب ہوا۔

تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں   کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا

عامر بن شقیق نے ابو وائل کو یہ کہتے سنا تھا کہ انھیں ابنِ زیاد نے بیت المال کا امین مقرر کیا تھا۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ایک شخص ایک خط لایا جس پر سرکاری مُہر ثبت تھی۔ اس میں تحریر تھا کہ داروغۂ مطبخ کو تین سو درہم دے دو۔ میں نے اس آدمی کو وہیں روک لیا اور براہ راست ابنِ زیاد کے پاس پہنچا اور کہا:۔

عمر بن الخطابؓ نے عبداللہ ابنِ مسعود کو عہدۂ قضا اور عثمان بن حنیف کو وزارت زراعت و آب پاشی اور عمار بن یاسر کو نمازوں کی تنظیم اور امورِ لشکر سونپے تھے اور ان حضرات کی یومیہ اجرت ایک بکری تھی جس کے دو حصے عمار بن یاسر کو اور ایک ایک حصّہ ابنِ مسعود اور ابنِ حنیف کو ملتا تھا اور یہ بھی یاد رکھئے کہ امیر المومنین کو یہ اجرت بھی دینی ناگوار سی تھی۔ کہتے تھے۔ ایک ایک بکری یوں نکلتی جائے گی تو...... ابنِ زیاد بول اُٹھا:۔

"رکھ دے رکھ دے۔ بیت المال کی کنجی رکھ دے اور جہاں تیرا جی چاہے چلا جا۔"

باب ۶۱

فاروقِ رضؓ کا ایثارِ حق

نافع نے ابن عمر رضؓ کے حوالہ سے بتایا ہے کہ حضرت عمر رضؓ کو خیبر میں جب کچھ زمین حاصل ہوئی تو انہوں نے بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ان کی ملکیت میں اس وقت تک اس زمین سے زیادہ قیمتی اور کوئی چیز نہیں آئی! اور یہ کہ اس کے بارے میں فخرِ موجودات کا کیا ارشاد ہے؟

حضور سرورِ عالم نے فرمایا:۔

اگر تم پسند کرو تو اصل زمین پر قابض رہتے ہوئے اس پر منافع کو صدقہ جاریہ کی حیثیت دے دو۔" چنانچہ حضرت عمرؓ نے یہی کیا اور انھوں نے اپنی زمین کو جسے انھوں نے ناقابلِ انتقال اور ناقابلِ بیع و وراثت قرار دیا تھا، غربار، فقرار، ضعفار، اور غازیانِ اسلام کے لیے وقف کر دیا۔ اس جائداد کے والی کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اس سے بطور منتظم کے دیانت دارانہ طور پر کچھ معاوضہ لے لے اور اس پر اپنے نادار اور غیر متموّل دوستوں کا بھی بار ڈال سکے۔ اسی روایت کی رُو سے حضرت عمر رضؓ نے اُم المومنین حضرت حفصہ رضؓ اور ان کے انتقال کی صورت میں اپنے کنبہ کے اکابر کو اس جائداد میں اپنا وصی اور جانشین مقرر کیا۔

نافع نے ابنِ عمر رضؓ کا بیان دہرایا ہے: عمر رضی اللہ عنہ کو جس وقت خیبر میں کچھ زمین ملی تو وہ اس زمین کے بارے میں حضور انورؐ کا فرمان سننے آئے۔ یہ زمین بقول ابن خطابؓ کے ایک ایسی نفیس اور گراں بہا چیز تھی جس سے بہتر چیز اس وقت تک ان کے تصرف میں کبھی نہ آئی

تھی۔ حضور نے ان کو حکم دیا کہ وہ زمین پر قابض رہتے ہوئے اس کا منافع اور اسکے عائدات کو راہِ خدا میں صدقہ جاریہ کی شکل میں تبدیل کر دیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایسا ہی کیا کہ اس زمین کو ناقابلِ بیع، ناقابلِ ہبہ اور ناقابلِ وراثت وقف قرار دے دیا تاکہ اس سے فقراء اور غرباء یعنی مساکین اور نادار قسم کے راہ گیر خیر حاصل کر سکیں اور غلاموں کو بھی ان کی آزادی دلانے کا سامان زرِ فراہم کیا جا سکے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ وقف کی شرائط میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ متولّی اور منتظم خود بھی اس جائداد سے بقدرِ ضرورت فائدہ اُٹھا سکتا ہے اور اس کے غیر مستطیع اور نادار احبّاء بھی۔ خالد بن بکیر اسلمی نے حسن سے سُن کر بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے چالیس ہزار کی رقم کو جو اُن کی کُل املاک کا چوتھائی حصہ تھی، فی سبیل اللہ خرچ کر دینے جانیکی وصیّت کی تھی۔ ابو ھلال الطائیؔ نے وَسَقُ الرومی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں عمر بن الخطابؓ کا مملوک اور غلام تھا اور وہ مجھ سے کہا کرتے تھے کہ مسلمان ہو جاؤ تاکہ بحیثیت مسلمان کے تم بھی مسلمانوں کے بیت المال سے مستفید ہو سکو۔ وہ مجھ سے یہ بھی کہتے رہتے تھے کہ غیر مسلم ہونے کی صورت میں وہ میری مدد کر کے مسلمانوں کی امانت میں خیانت نہیں کر سکتے۔" وَسَقُ الرومی کا بیان ہے کہ میں نے اسلام لانے سے انکار کیا۔ اس پر فاروق عدل گستر نے فرمایا، "دین میں جبر و اکراہ نہیں۔" اور اپنی وفات کے موقع پر مجھے آزاد کر دیا اور کہا، "جہاں تیرا جی چاہے چلا جا۔"

قاسم کا بیان ہے کہ پہلا شخص جس نے بدر کے معرکۂ حق و باطل میں جامِ شہادت نوش کیا وہ حضرت عمرؓ کے غلام مِہجع رضؓ تھے۔

باب ۶۲

فاروق اعظمؓ کی تمنائے موت!

یحییٰ بن سعید الانصاری نے سعید بن المسیّب سے یہ تذکرہ سنا تھا کہ عمر بن الخطابؓ نے ایک بار چند پتھریلی کنکریاں جمع کیں۔ ان پر اپنی چادر ڈالی اور پھر اس پتھریلے بستر پر دراز ہو گئے اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا:۔

"معبود میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ میری قوّت اور توانائی کم ہو گئی۔ میری رعیت دُور دور تک پھیل گئی، اب مجھے اپنی جانب کھینچ لے اور مجھے ناکام و نامراد نہ رہنے دے۔"

چنانچہ ابھی ماہِ ذی الحجہ ختم بھی نہ ہوا تھا کہ عمرؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا اور ان پر اللہ کی رحمتِ تمام سایہ فگن رہے، وہ مر گئے۔ انہی سعید بن المسیّب سے روایت ہے کہ:۔

"عمر بن الخطابؓ جس وقت منیٰ سے چلے تو ایک چٹیل اور پتھریلی جگہ پر چند کنکریوں پر اپنی چادر ڈال کر پڑ رہے اور پھر اپنے ہاتھ آسمان کی جانب اٹھا کر فرمایا:۔

"اے اللہ میرا سِن زیادہ ہو گیا ہے۔ میرے قویٰ مضمحل ہو گئے۔ میری مملکت وسیع ہو گئی۔ اب مجھے اپنی طرف بلا لے اور مجھے نامرادی سے دُور رکھ۔

ماہ ذی الحجہ ابھی ختم نہ ہوا تھا کہ دعائے عمرؓ مستجاب ہوئی اور زخم کھانے کے بعد وہ واصل بحق ہو گئے۔

ایک اور موقع پر سعید بن المسیّب نے تقریباً انہی الفاظ میں از سرِ نو یہ روایت بیان کی ہے:۔

مدینہ پہنچ کر فاروق نے اُمت کو خطاب فرمایا اور کہا:۔

"میں نے تمہارے فرائض سے تم کو آگاہ کر دیا۔ طریق نبوی کی نشان دہی کر دی۔ تمہیں راہ روشن پر لا کر کھڑا کر دیا۔ اب ہر چیز واضح اور صاف ہو چکی ہے۔ اس کے بعد اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر مارتے ہوئے فرمایا:۔

اب تمہیں دائیں یا بائیں کسی طرف نہیں بھٹکنا چاہیئے۔ تمہیں آیت رجم (رجم یا سنگ ساری جو زنا کی سزا ہے) کے باب میں کسی دھوکے میں نہیں رہنا چاہیئے۔ کوئی یہ نہ کہے کہ کچھ شرعی حدیں کتاب اللہ سے واضح نہیں ہوئیں۔ تم نے رسول اللہ کو رجم کا حکم دیتے دیکھا اور ان کے بعد بھی ہمیں رجم کرنا پڑا اور بخدا اگر مجھے یہ شبہ ہوتا کہ لوگ مجھ پر کتاب اللہ میں اپنی طرف سے کچھ اضافہ کر دینے کا الزام لگائیں گے تو میں خود مصحف میں یہ لکھ دیتا"

والشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما (بوڑھا مرد یا بوڑھی عورت زنا کریں تو انہیں سنگ سار کیا جائے)

سعید کا بیان ہے کہ ابھی ذوالحجہ ختم نہ ہوا تھا کہ عمرؓ حملہ کا ہدف بنے اور یہ بات شداد بن اوس نے کعب سے سُنی تھی:۔

"بنی اسرائیل میں ایک بادشاہ تھا۔ جب بھی اس کا ذکر آتا ہمیں عمرؓ یاد آجاتے ہیں اور جب عمرؓ کا ذکر آتا ہے تو ہمیں وہ بادشاہ یاد آجاتا ہے۔ اس بادشاہ کا قصّہ یہ ہے کہ اس کے پاس ایک پیغمبر بیٹھے ہوئے تھے۔ انہیں وحی کے ذریعہ اشارہ ہوا کہ وہ بادشاہ سے کہہ دیں کہ اسے جو وصیت کرنی ہو کر لے اور اپنے تمام کام نمٹا لے۔ اس لیے کہ وہ دو تین دن کے بعد مر جائے گا۔ پیغمبر نے یہ پیغام بادشاہ کو پہنچا دیا۔ تین دن گزر گئے اور روز موعود یعنی مرنے کا دن آپہنچا۔ بادشاہ حالتِ احتضار میں اپنے بستر پر پڑا تھا۔ اس نے پروردگار سے تضرع کناں عرض کیا:۔

"خداوندا تو یہ جانتا ہے کہ میں نے حکومت کرنے میں عدل وانصاف کیا ہے اور جب کبھی مسائل اُلجھے ہیں تو میں نے تیری خوشنودی کو مدّنظر رکھا ہے اور میں ان میں کیسا کچھ

تھا سب تجھ پر عیاں ہے۔ لہٰذا تو میری عمر میں اضافہ کر دے ہیں کم از کم اتنا اور جینا چاہتا ہوں کہ میرا بیٹا بڑا ہو جائے اور میری قوم ترقی کر جائے اور طاقت ور ہو جائے۔"

پیغمبر وقت پر وحی آئی کہ بادشاہ نے یہ جو کہا ہے سچ کہا ہے اور میں نے اس کی عمر میں پندرہ سال کا اضافہ کر دیا ہے تاکہ اس عرصہ میں بادشاہ کا بیٹا بڑا ہو جائے اور اس کی قوم قوی ہو جائے۔

حضرت عمرؓ پر جب قاتلانہ حملہ ہوا تو کعبؓ نے کہا:۔

اگر عمرؓ بھی اپنے پروردگار سے یہی سوال کریں تو انھیں بھی باقی اور قائم رکھا جا سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے علم میں جب یہ بات آئی تو فرمایا:۔

"اے اللہ مجھے اپنی طرف بلالے، لیکن عاجز و بیچارہ اور قابل ملامت بنا کر نہیں۔"

ابو ملیکہ نے بھی یہی بیان دیا ہے:

"عمرؓ پر جب حملہ ہوا تو ان کے مکان کے دروازے پر کعبؓ آ کر رونے لگے اور قسم کھا کر کہنے لگے کہ "امیر المومنین اللہ سے دعا کریں تو انھیں ابھی کچھ دن اور جینا نصیب ہو سکتا ہے۔"

ابن عباس نے امیر المومنین سے جا کر یہ کہہ دیا کہ کعب یہ یہ کہتے ہیں۔ فرمایا:۔

"تب تو میں ہرگز یہ دعا نہ کروں گا۔" اس کے بعد ارشاد ہوا:۔

"مجھے کتنی بڑی اور کس قدر دردناک تباہی و بربادی کا سامنا ہو گا اگر اللہ نے مجھے نہ بخشا اور مجھے مغفرت سے نہ نوازا۔"

باب ۶۳

جوانِ بنی عدی کا ذوقِ شہادت

زید بن اسلم نے اپنی والدہ سے اور انھوں نے خود حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے سُن کر ان کا بیان ہم تک پہنچایا ہے:۔

"میں نے اپنے والد کو ایک بار یہ کہتے سُنا کہ:۔

"خداوندا مجھے تیری راہ میں شہید ہونا اور تیرے نبیؐ کے دیار میں مرنا نصیب ہو۔"

اِس پر میں نے پوچھا (بابا) یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" فرمایا کہ:۔

اگر خدا کو منظور ہو تو بے شک ہو سکتا ہے۔"

یہ روایت صرف بخاری میں موجود ہے اور وہاں یہ روایت ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے:۔

"اللہ مجھے اپنی راہ میں شہادت اور اپنے نبیؐ معظم کے شہر میں مرنے کی توفیق عطا فرما۔"

دار قطنی نے اس روایت کو رُوح بن القاسم اور حفص بن میسرہ سے بھی منسوب کیا ہے اور یہ حدیث ان تک زید بن اسلم، اسلم اور حفصہ رضہ کے واسطوں سے آئی تھی۔ لیکن صحیح روایت وہی ہے جسے زید بن اسلم نے اپنی والدہ کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔ ابو صالح نے کعب اور فاروق رضہ کا یہ سوز آگیں مکالمہ! یخ دسیر کے حوالہ کیا ہے:۔

کعب :۔ توراۃ میں آپ کی یہ یہ صفات بیان ہوئی ہیں، اور آپ کو وہاں شہید دکھایا گیا ہے۔

عمرؓ :۔ جزیرہ نمائے عرب میں رہتے ہوئے میرے لیے شہادت کے امکانات کیسے پیدا ہو سکتے ہیں؟"

کعب : بہر صورت ہمیں آپ توراۃ کے آئینہ میں شہید، امامِ عادل اور حق و صداقت کے معاملہ میں مطلقاً بے باک اور ملامتِ دوجہاں سے بالکل بے نیاز نظر آتے ہیں۔

عمرؓ :۔ ہر چند کہ یہ درست ہے کہ میں حق کے معاملات میں کسی کی مطلق پرواہ نہیں کرتا۔ مگر آخر شہادت کا جام مجھ تک کیسے پہنچے گا۔!

باب ۶۴

حضرت عمرؓ کی موت سے اجنہ کا اضطراب

عائشہ رضؓ فرماتی ہیں :-

"عمر رضؓ کا آخری حج تھا۔ ہم اُمہات المومنین بھی اِس سفر میں انکی ہم سفر تھیں ۔عرفہ کے قریب ایک چٹیل سے میدان میں ہم نے ایک سوار کو کسی سے پوچھتے سنا :-

امیر المومنین عمر رضؓ کون ہیں ؟ اسے ایک شخص نے جواب دیا :-

" یہ ہیں امیر المومنین "

سوار نے اپنے مرکب کو روکا اور اپنی آواز اونچی کرتے ہوئے یہ چند شعر پڑھے :-

علیک سلام من امام و بارکت ایدک فی ذاک الادیم الممزق

فمن یسع او یرکب جناحی نعامۃ لیدرک ما قدمت بالامس یسبق

قضیت امورا ثم غادرت بعدھا بوائق فی اکمامھا لم تفتق

ان شعروں کا مفہوم کتاب میں ایک اور مقام پر دیا جا چکا ہے۔

(ش ۔ ح ۔ ع)

ہم بالکل اندازہ نہ لگا سکے کہ یہ سوار کون تھا۔ بعد میں ہم کہتے رہتے کہ یہ شخص کوئی جن تھا۔ چنانچہ ابھی عمر رضؓ مدینہ پہنچے ہی تھے کہ چند دنوں بعد ان کو زخمی کر دیا گیا اور اسی میں ان کا انتقال ہو گیا۔

حضرت عائشہ رضؓ کا ایک اور موقع کا بھی بیان ہے :۔

دراصل وہ مکہ اور مدینہ کے درمیانی راستے کو طے فرما رہی تھیں ایک مہتابی رات کی صبح نمودار ہوئی تھی کہ کہیں سے پھر ایک آواز آئی اور کسی نے چند اشعار پڑھ کر عمر پر نوحہ سرائی کی"۔ وہ کہتی ہیں :۔

"ہم نے ہر چند تلاش کرایا مگر کوئی نظر نہ آیا"۔

چند ہی دنوں بعد حضرت عمر رضؓ پر قاتلانہ وار ہوا۔

ثابت البنانی نے اپنے والد سے حضرت عائشہ رضؓ کا ایک اور بیان نقل کیا ہے۔ اس بیان کا مضمون تو وہی ہے جو اوپر کے بیانوں میں ہے۔ البتہ یہاں اشعار دوسرے نقل کئے گئے ہیں۔

(ان اشعار کا مفہوم بھی کتاب میں کسی دوسری جگہ پیش ہو چکا ہے)

ش ۔ ح ۔ ع

باب ۶۵

اِک خونچکاں کفن میں کروڑوں بناؤ ہیں!

معدان بن ابو طلحۃ الیعمری کا بیان :۔

عمر بن الخطّابؓ نے ایک روز جمعہ میں ہمیں مخاطب کیا۔ تقریر کی ابتداء اللہ کی ستائش سے فرمائی اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر جمیل ہوا۔ اس کے بعد ابو بکرؓ کو یاد کیا گیا۔ پھر فرمایا :۔

"میں نے ایک خواب دیکھا ہے جس کی تعبیر اس کے ماسوا بظاہر کچھ اور نہیں ہے کہ میرا وقت قریب آ چکا ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایک مُرغ نے مجھے دو ٹھونگیں ماریں۔ میں نے خواب کا قصّہ ابو بکرؓ کی اہلیہ اسماء بنتِ عمیس سے بیان کیا، کہنے لگیں :۔

"تمہیں کوئی باہر کا آدمی قتل کرنے والا ہے"۔

اس کے بعد ابنِ خطّابؓ نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا :۔

"لوگ مجھ سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ میں اپنے جانشین برائے منصبِ خلافت کے نام کا اعلان کروں اور مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی خلافت کو جسے اس نے رسول اللہ کے توسط سے ہمارے درمیان بھیجا ہے، برباد نہیں ہونے دے گا۔ اب اگر مجھے جلد ہی مرنا پڑے تو نئے سردار کے انتخاب کے لیے انھیں چھ افراد کو جنھیں آنحضرتؐ کی حیاتِ طیّبہ کے آخری ایام تک حضورِ انورؐ کی خوشنودی حاصل رہی ہے۔ آپس میں صلاح و مشورہ سے اپنے ہی میں سے ایک شخص کے لیے ایک متفقہ فیصلہ کرنا ہوگا۔ بہرصورت

دان بیچھ میں) تم جسے بھی خلیفہ تسلیم کرو۔ اس کی مکمل اطاعت و فرماں برداری کرو۔ میں جانتا ہوں کہ کچھ لوگ اس انتخاب پر معترض ہوں گے۔ یہ وہی لوگ ہیں جن سے میں نے اسلام کی خاطر قتال کیا ہے، یہ دشمنانِ خدا، گمراہ اور کافر لوگ ہیں میں قلمروِ اسلام کے صوبوں کے بارے میں تصدیق کرتا ہوں کہ بنیادی طور پر انہیں میں نے اس لیے بھیجا ہے کہ وہ اُمّت کے افراد کی دینی تربیت کریں اور انہیں پیغمبرؐ کی زندگی کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنانے کی تلقین کریں۔ اور غیر واضح اموز میں میری رہنمائی حاصل کریں۔"

غرض یہ تقریر جمعہ کے دن ہوئی اور بدھ کے دن یعنی محض چار روز بعد حضرت عمرؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ بقول معدان جمعے کے روز حضرت عمرؓ نے یہ تقریر کی ہے جس کا ذکر ابھی ابھی ہوا ہے اور ابھی ذوالحجہ کے ختم ہونے میں چار دن باقی تھے کہ بدھ کے دن ان پر ہلاکت خیز حملہ ہوا۔

اب اس شہادت کا پس منظر ملاحظہ ہو بقول ابن شہاب کے حضرت فاروق اعظمؓ اس بات کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ نابالغ قیدیوں کے علاوہ باہر کے عناصر مدینہ میں داخل تک ہو سکیں۔ بہر حال اس پر عمل درآمد ہوتا رہا۔ کچھ عرصہ بعد یہ ہوا کہ مغیرہ بن شعبہؓ نے جو ان دنوں کوفہ کے حاکم تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ وہ ان کے غلام کو جو بہت سے ہنر جانتا تھا اور لوہار رنگ ریز، بڑھئی سبھی کچھ تھا، مدینہ آجانے کی اجازت دیدیں۔ حضرت عمرؓ نے اجازت دے دی کہ غلام کو مدینہ بلوا لیا جائے۔ مغیرہ نے غلام پر سو درہم ماہوار کے حساب سے حق المالکی کا ٹیکس عائد کر دیا۔ چنانچہ، غلام، عمرؓ کے پاس آیا اور شکایت کی کہ یہ ٹیکس بہت زیادہ ہے۔ غلام سے حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ تم کیا کیا کام کر سکتے ہو؟" اور جب غلام نے اپنے تمام کاموں کا ذکر کیا تو حضرت عمرؓ نے مغیرہ بن شعبہؓ کے لگائے ہوئے ٹیکس کو مناسب قرار دیا۔ غلام غضبناک ہو کر چلا گیا۔ اسکے بعد فاروقؓ چند دن اور جیئے۔ ایک دن یہی غلام کسی طرف سے گزر رہا تھا کہ حضرت والاؓ نے اسے طلب

کیا اور فرمایا:۔

"سُنا ہے تم ایسی چکّی بنا سکتے ہو جو ہَوا سے چلتی ہے۔"

غلام مُنہ بسورتا ہوا پرے ہٹ گیا۔ فاروقِ اعظمؓ کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے ان سے مخاطب ہو کر آپ نے ارشاد فرمایا:۔

"غلام نے مجھے دھمکی دی ہے۔"

دراصل غلام نے چکّی والی بات کا جواب یہ دیا تھا کہ میں ایسی چکّی بناؤں گا کہ دور و نزدیک اس کا ذکر کیا جائے گا۔ چند دن اور گزرے اور اس عرصہ میں ابو لؤلؤ نے ایک دو دھاری خنجر فراہم کر لیا۔ اس کے بعد وہ لور کے تڑکے مسجد میں آیا اور ایک سمت کو چھُپ گیا۔ قاتِل یونہی چھُپا بیٹھا رہا تا آنکہ عمرِ رضؓ کی چشمِ جہاں بیں بیدار ہوئی اور وہ لوگوں کو نیند سے جگاتے ہوئے اُٹھے۔ یہ آپ کا معمول تھا۔ جوں ہی عمر رضؓ غلام کے نزدیک آئے یہ (لعین) ان پر جھپٹا اور اُن پر پے بہ پے وار کئے۔ ایک وار پسلیوں کے نچلے حصّے پر پڑا جس سے عمرؓ کی آنتیں نکل پڑیں۔ اس کے بعد قاتِل اہلِ مسجد کی جانب مڑا اور جو جو سامنے آتا گیا اس پر وار کرتا گیا، اس طرح عمر رضؓ کے علاوہ گیارہ آدمی اور زخمی ہوئے۔ اِس کے بعد قاتل نے خود اپنے کو ہلاک کر لیا۔ جس وقت عمر رضؓ کے جسم سے خون جاری ہو گیا تو انھوں نے لوگوں سے کہا کہ وہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے کہیں کہ وہ نماز پڑھائیں۔ اس عرصہ میں زیادہ خون بہہ جانے سے عمر رضؓ پر غشی طاری ہو گئی۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ میں عمرؓ کو کاندھے پر لاد کر چند آدمیوں کی معیت میں انہیں ان کے گھر لے گیا۔ عبدالرحمٰن نے جب نماز پڑھانی شروع کی تو لوگ ان کی آواز پہچان نہ سکے۔ ابن عباس کہتے ہیں:۔

"میں اس تمام مدّت عمر رضؓ کے پاس بیٹھا رہا۔ ان پر اب تک بے ہوشی طاری تھی۔ صبح ہو چکی تھی۔ عمر رضؓ کی حالت میں وقتی طور پر افاقہ ہوا اور وہ ہم سب کے چہرے تکنے لگے۔ چھوٹتے ہی انھوں نے پوچھا:۔

"نماز پڑھائی گئی؟"

میں نے کہا "جی ہاں" کہنے لگے:۔

"نماز چھوڑ دینے والوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں رہ جاتا۔"

اب انھوں نے وضو کا پانی طلب کیا۔ اور پھر وضو کیا اس کے بعد نماز ادا کی اور فرمایا:۔

"ابن عباس رضؓ آپ جا کر معلوم کیجئے کہ یہ کس نے مجھ پر قاتلانہ وار کیا ہے؟

میں اس مہم پر روانہ ہوا، لوگ مرکز پر جمع تھے۔ انھیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ عمر رضؓ کی حالت کیا ہے۔ میں نے پوچھا:۔

"کیا معلوم ہوا۔ امیر المومنین کو کس نے زخمی کیا ہے؟"

لوگوں نے کہا:۔

"قاتل کا نام ابولؤ لؤ ہے۔ اور وار اُسی دشمنِ خدا نے کیا ہے۔"

اب جب میں عمر رضؓ کے پاس واپس آیا تو وہ جیسے میری ہی راہ تک رہے ہوں وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ میں کیا خبر لایا ہوں۔ میں نے عرض کیا:۔

امیر المومنین نے مجھے قاتل کا پتہ لگانے بھیجا تھا۔ میں نے لوگوں سے بات کی، لوگوں کا بیان ہے کہ مغیرہ بن شعبہ کے غلام ابولؤلؤ نے سب سے پہلے تو اپنے آپ کو زخمی کیا پھر اس نے مزید گیارہ آدمیوں پر وار کیا اور پھر اس دشمن خدا نے اپنے آپ کو بھی ہلاک کر لیا۔

عمر رضؓ بولے:۔

اللہ کا بڑا فضل ہوا کہ میرا قاتل کوئی کلمہ گو نہیں ہوا، ورنہ وہ خدا کے سامنے اپنی سجدہ ریزی کو اس جرمِ سیاہ کی سپر بناتا اور کوئی عرب تو مجھے یوں بھی ہلاک نہ کرتا۔"

سالم کا بیان ہے کہ:۔

میں نے عبداللہ بن عمرؓ کو کہتے سنا کہ ، پھر عمرؓ نے اپنے زخموں کا معائنہ کرنے کے لیے کسی طبیب کو بلانے کے لیے کہا۔

ایک طبیب آیا اور اس نے عمرؓ کو کھجور کا رس پلایا۔ یہ رس اس مقام سے جہاں پسلیوں کے نیچے گھاؤ لگا تھا خون کا ہم رنگ ہو کر باہر نکل آیا۔ ایک اور انصاری طبیب جو بنی معاویہ کے خاندان سے تھا، بلایا گیا۔ اس طبیب نے دودھ تجویز کیا لیکن دودھ بھی زخموں کی راہ سے بدن سے باہر آ گیا۔ اور یوں باہر آیا کہ اُس کی سفیدی تک غائب ہو چکی تھی۔

طبیب نے یہ دیکھ کر کہا:-

"امیر المومنین وصیت کرنے کی گھڑی آ پہنچی"

ارشاد ہوا:-

"میرے بھائی نے سچ کہا۔ اگر تم اس کے ماسوا کچھ اور کہتے بھی تو میں تمہاری بات پر یقین نہ کرتا"

راوی کا بیان ہے کہ یہ سُن کر لوگ رونے لگے۔ فرمایا:-

"جسے ہم پر رونا ہو وہ باہر چلا جائے" مگر وہاں تو یہ کیفیت تھی ے

گریہ نکالے ہے تری بزم سے مجھ کو
ہائے کہ رونے پہ اختیار نہیں ہے!

پھر فرمایا، "تمہیں یاد نہیں آقا نے فرمایا تھا کہ اعزّہ کے رونے سے مردہ پر عذاب ہوتا ہے۔ اس باب میں سالم بن عبداللہ نے اپنے والد کا بیان جو مورّخ کے سپرد کیا ہے وہ یہ ہے:-

"عمر رضی اللہ نے خود فرمایا کہ میرا قاتل ابولؤلؤ ہے اور جب اس نے تین وار

کر لئے اب کہیں جا کر میں نے اس نکتے کو شناخت کیا۔

ابن سعد نے اپنے شیوخ سے روایت کی ہے کہ:۔

"عبدالرحمٰن بن عوف نے ابو لؤلؤہ پر اپنا خمیصہ ڈالا۔ یہ خمیصہ ایک چوکور قسم کا سیاہ کپڑا ہوتا ہے۔ اس کے بعد قاتل نے خودکشی کر لی اور ابن عوف نے اس کا سر کاٹ ڈالا اور یہ بیان جعفر بن محمد نے اپنے والد سے سُن کر دیا ہے۔

"عمرؓ کے زخمی ہونے کی خبر پاکر تمام غازیانِ بدر، مہاجرین اور انصار جمع ہوگئے عمرؓ نے ابنِ عباسؓ سے کہا کہ ان لوگوں سے مل کر ذرا پوچھئے تو سہی کہ میرے ساتھ یہ جو معاملہ ہوا ہے اس پر ان کا کیا ردِ عمل ہے۔" ابن عباس آگے بڑھے اور پوچھا۔ لوگوں نے کہا:۔

"خدا جانتا ہے کہ اگر ہماری عمریں بھی امیرالمومنین کو دے دی جائیں تو ہم خوش ہونگے۔"

ابنِ عمرؓ نے اپنے والد کا یہ طرزِ عمل بیان کیا ہے کہ وہ اسلامی لشکر کو برابر لکھتے رہتے تھے کہ وہ عجمیوں کو دیارِ عرب پر مسلّط نہ ہونے دیں۔ ورنہ ان کے ساتھ ان کے عیوب بھی اسلام کے مرکز میں داخل ہوتے جائیں گے۔ چنانچہ ابو لوءلؤہ نے جب حضرت عمرؓ پر اپنے خنجر سے وار کیا تو انھوں نے قاتل کا نام پوچھا، لوگوں نے کہا:۔

"مغیرہ کا غلام ابو لؤلؤہ۔" فرمایا:۔

"میں نہ کہتا تھا کہ تم لوگ اس عجمی کفار کو اس دیار میں مطلق نہ داخل ہونے دو۔ آخر تم لوگوں نے میری بات نہ مانی۔"

عمرو بن میمون کا دیا ہوا بیان حسب ذیل ہے:۔

"جس دن عمرؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے میں نے انہیں دیکھا تھا۔ وہ زرد رنگ کا ایک قیمتی لباس پہنے ہوئے تھے۔ زخم لگنے کے بعد انھوں نے کہا:۔

"وکانَ اَمرُ اللہِ قدراً مقدوراً" یعنی اللہ کے احکامات متعین انداز میں نافذ

ہوتے رہتے ہیں اور ان کا وقت اور ان کی ساعت پہلے سے مقرر ہے۔ ابنِ عباس نے بیان کیا ہے کہ حملہ کے روز عمرؓ علی الصباح مسجد میں آ گئے تھے۔ ان کو اٹھا کر ان کے گھر تک میں لے گیا تھا۔ اور میرے ساتھ ساتھ وہ لوگ بھی ہو لیے تھے جو مسجد میں موجود تھے۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے عبدالرحمٰن بن عوف کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا جس وقت ہم عمرؓ کو لے کر ان کے مکان میں داخل ہوتے ان پر بے ہوشی طاری ہو چکی تھی۔ ان کے بدن سے کافی مقدار میں خون جاری ہو چکا تھا صبح ہوتے ہوتے کہیں انھیں ہوش آیا۔ ہوش میں آتے ہی پوچھا:۔

"نماز پڑھ لی تم لوگوں نے؟"

ہم نے کہا "ہاں"۔ اس پر ارشاد ہوا۔

"نماز نہ پڑھنے والے کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں رہ جاتا۔" اس کے بعد وضو کے لیے پانی طلب کیا اور وضو کر کے نماز ادا کی۔ اور جب انھیں بتایا گیا انھیں سوءِ قصد کا ہدف قرار دینے والا شخص ابولؤلؤہ ہے۔ تو انھوں نے اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ ان کا قاتل کوئی مسلمان نہیں نکلا۔ ابولؤلؤہ مجوسی، یعنی آتش پرست تھا۔

ابن عباس پہلے شخص ہیں جنھوں نے زخم لگنے کے بعد عمرؓ سے ملاقات کی انھیں دیکھتے ہی فاروقِ اعظم نے فرمایا:۔

"میرا خیال ہے اب عام لوگ مجھ سے ملاقات نہ کر سکیں گے۔ اس لیے تین باتیں ذہن میں رکھنی ہیں۔ پہلی یہ کہ میں کلالہ کے معاملہ میں پورا انصاف نہ کر سکا۔ (کلالہ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی ولدیت مجہول ہو اور جو بے اولاد بھی ہوں یعنی لا ولد اور لا والد قسم کے لوگ! ش۔ ح۔ ع)

دوسری بات یہ کہ میں نے اپنے جانشین خلیفہ کی حیثیت سے کسی کو نامزد نہیں کیا۔ تیسری یہ کہ غلاموں کو حتی الامکان آزادی دینی چاہیئے۔ (یہاں بھی ترجمہ میں متن اولی

کی مقصدیت برقرار رکھی گئی ہے۔ش ح۔ع)

قوم نے مطالبہ کیا:۔

"کسی کو خلیفہ نامزد کیجیے" ارشاد ہوا:۔

"ایک صورت تو وہ ہے جو نبی علیہ السّلام نے اختیار کی یعنی اس معاملہ کو اُمت کی صوابدید پر چھوڑ دیا۔ دوسری صورت اور مسئلہ کا ایک اور حل وہ تھا جو ابوبکرؓ کا اجتہاد تھا یعنی کسی کو نامزد کر دیا جائے۔ رسولؐ تو خیر رسولؐ ہیں مگر دوسری صورت بھی جس نے اختیار کی تھی اسے بھی مجھ پر فضیلت حاصل ہے۔"

ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے عمرؓ سے کہا۔

"آپ کو فردوسِ بریں مبارک ہو۔ آپ نے ایک مُدّت پیمبر کی صحبت اٹھائی اس کے بعد بحیثیت امیر المومنین بڑی دیانت اور لیاقت اور عزم کے ساتھ مسلمانوں پر حکومت کی۔"

عمر اعظمؓ نے جواب دیا:۔

"یہ جو تم نے مجھے جنّت کی مُبارک بادیش کی تو یقین جانو کہ دنیا اور اس کی تمام نعمتیں بھی مجھے مل رہی ہوں تو میں انہیں اس دہشت اور اس سراسیمگی سے بچ جانے کی خاطر جو بارگاہِ الٰہی میں پیش ہونے کے تصوّر سے مجھ پر طاری ہے قربان کر دینے کے لیے تیار ہوں۔ رہا میرے دورِ حکومت کا معاملہ تو میری تو بس اتنی سی خواہش ہے کہ میرا اور اُمت کا حساب بالکل صاف متصوّر ہو۔ یعنی اگر میں نے امت کو کچھ دیا نہ ہو تو اس سے کچھ لیا بھی نہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات جو تم نے کی ہے وہ بے شک قابلِ صد ہزار فخر و مباہات ہے۔"

عمرو بن میمون کہتے ہیں:۔

مجھے یاد ہے میں مسجد میں یوں کھڑا تھا کہ میرے اور عمرؓ کے درمیان صرف عبداللہ

ابنِ عباس تھے۔ یہ ذکر ہے اس صبح کا جس صبح کو عمرؓ پر حملہ ہوا تھا۔ عمرؓ کی عادت تھی کہ صفوں کے درمیان سے گزرتے تو کہتے جاتے "استووا" یعنی صفیں سیدھی کرلو۔ اور جب دیکھتے کہ صفوں میں کجی بالکل نہیں باقی رہی تو آگے بڑھ جاتے۔ خلاصہ یہ کہ عمرؓ آگے بڑھتے اور تکبیر کے بعد پہلی رکعت میں کبھی سورۂ یوسف اور کبھی سورۂ نحل وغیرہ پڑھا کرتے تاکہ لوگوں کو بآسانی نماز مل جائے۔ ابھی عمرؓ نے اللہ اکبر ہی کہا ہوگا کہ میں نے انہیں "قتلنی الکلب" یا شاید "اکلنی الکلب" (یعنی اس بدبخت نے مجھے مار ڈالا) کہتے ہوئے سنا۔ عمرؓ پر وار ہوچکا تھا اور کافر اپنا دودھاری خنجر کام میں لاکر فرار ہوچکا تھا۔ اس کے بعد جو جو بھی اس کے سامنے آتا گیا وہ اس کو گھائل کرتا گیا۔ قاتل نے تیرہ آدمیوں کو گھائل کیا، جن میں سے سات جاں بحق ہوگئے۔ یہ منظر دیکھ کر ایک فرزندِ اسلام آگے بڑھا اور اس نے قاتل پر ایک چادر پھینک ماری۔ کافر نے جوں ہی محسوس کیا کہ وہ گرفت میں آچکا ہے تو اس نے خودکشی کرلی۔ عمرؓ نے عبدالرحمٰن بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھا دیا۔ اب جو لوگ عمرؓ کے بالکل قریب تھے۔ وہ تو البتہ یہ سب دیکھ رہے تھے، لیکن مسجد کے نواح میں جو صفیں قائم تھیں ان میں مقتدیوں کو سوائے اس کے کہ عمرؓ کی آواز تو سنائی نہ دے رہی تھی۔ باقی ان کے نزدیک کوئی واقعہ سرے سے ظہور پذیر ہوا ہی نہ تھا۔

اس وقفہ میں پچھلی صفوں میں لوگ سبحان اللہ، سبحان اللہ کہتے رہے۔ اتنے میں عبدالرحمٰن نے مختصر سورتیں پڑھ کے نماز پڑھا دی۔ اب لوگ مسجد سے باہر نکل رہے تھے۔

حضرت عمرؓ نے ابن عباسؓ سے کہا:۔

"جاکر دیکھو مجھے کس نے زخمی کیا" تھوڑی دیر کی تفتیش کے بعد ابنِ عباسؓ نے آکر اعلان کیا:۔

"مغیرہ بن شعبہ کا غلام تھا" فرمایا:۔

"وہی کاریگر؟"

ابن عباس نے اثبات میں جواب دیا۔ اس پر خلیفہ راشد نے فرمایا :۔

"اللہ کی مار ہو اس لعین پر، یہ وہی ہے جس سے میں نے حسن سلوک کیا تھا، جس کی میں نے سفارش کی تھی۔ بہر حال اللہ کا فضل اور احسان ہے کہ میری موت کسی مسلمان کے ہاتھ نہیں واقع ہوئی۔ ابن عباس! تم اور تمہارے والد دونوں مدینہ میں ان عجمیوں کو بکثرت دیکھنے کے خواہش مند تھے۔ (حضرت عباس ان عجمیوں سے بڑی نرمی سے پیش آتے تھے) یہ سنکر ابن عباس نے کہا :۔

"آپ چاہتے ہوں تو ہم ان سب کو قتل کر دیں"۔ فرمایا :۔

یہ غیر مستحسن بات ہوگی۔ اور اب جب کہ یہ عجمی تمہاری زبان سیکھ چکے ہیں۔ تمہارے قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھ چکے۔ تمہارے طریق پر حج کر چکے تو اب انھیں مارنے کا کیا جواز ہو سکتا ہے"۔

بہر حال عمرؓ کو اٹھا کر ان کے گھر پہنچا دیا گیا۔ پیچھے پیچھے ہم سب لوگ تھے۔ عجیب روز مصیبت تھا یہ روز! عجب صبح نامراد تھی یہ صبح! ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آج کی صبح سے پہلے قوم پر کوئی مصیبت ہی نازل نہیں ہوئی۔ اب کوئی تو یہ کہتا تھا کہ کوئی خاص خطرہ نہیں ہے اور کوئی کہتا تھا عمرؓ اب نہ بچ سکیں گے۔ نبیذ لائی گئی (نبیذ یعنی کھجور کا شیرہ) حضرت مستطاب نے اس رس کو پیا تو وہ پیٹ کے راستہ یعنی چاکِ زخم سے باہر نکل آیا۔ پھر دودھ پلایا گیا۔ وہ بھی زخم کے راستہ سے باہر نکل آیا۔ لوگوں کو یقین ہو گیا۔ اب امیر المومنین نہیں بچیں گے۔ لاتعداد افراد جوق در جوق چلے آ رہے تھے۔ سب امیر المومنین کے ثنا گستر اور مداح اور جاں نثار! ایک انصاری نوجوان نے بڑھ کر عرض کیا :۔

"امیر المومنین آپ کو جنت کی بشارت مل چکی ہے اور نعمتِ صحبتِ سرورِ دو جہاں بھی، آپ اوّلین حلقہ بگوشانِ اسلام میں شامل ہیں۔ آپ کے بڑے بڑے کام آپ کا طرۂ امتیاز ہیں۔ پہلے ولایت پھر عدالت اور پھر شہادت!" فرمایا :۔

"میں تو بس اتنا چاہتا تھا کہ میرا معاملہ اور میرا حساب بالکل صاف ہو جاتا نہ امت کا میری طرف کچھ ہوتا نہ میرا اُمّت کی طرف کچھ رہ جاتا۔"

نوجوان جانے کے لیے مڑا، اس کا پاجامہ زمین کو مَس کر رہا تھا۔ امیر عادل نے اس کو دوبارہ بلوایا اور کہا:۔

"بیٹے! یوں نہیں چلا کرتے، کپڑوں کو اوپر کی جانب سمیٹ لیا کرو۔ اس سے کپڑوں کی طہارت اور تمہارا تقویٰ دونوں قائم رہیں گے۔ اس کے بعد عبداللہ بن عمرؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

"عبداللہ مجھ پر جو کچھ قرض ہو اس کا حساب کرو (اس قرض سے مُراد وہ رقوم تھیں جو امیرالمومنین نے بطور مشاہرہ کے مدّتِ خلافت میں بیت المال سے قبول کی تھیں ش۔ح۔ع) حساب کیا گیا تو یہ رقوم چھیاسی ہزار کے قریب نکلیں۔ فرمایا:۔

"اگر اس رقم کو آلِ عمرؓ ادا کر سکیں تو فبہا، ورنہ عدی بن کعب سے رجوع کیا جائے۔ اگر اس سے بھی کام نہ چلے تو البتّہ اہلِ قریش سے کہا جائے۔ لیکن اگر ان سے بھی قرض نہ چُکایا جاسکے تو مسئلہ کو وہیں چھوڑ دیا جائے۔ اور میں اس رقم کو جو اس تنگ و دو کے باوجود بھی ادا نہ کی جاسکے۔ اپنے کو معاف کرتا ہوں۔ اب تم امّ المومنین حضرت عائشہؓ کے پاس جانا اور ان کی جناب میں میرا سلام پیش کرنا۔ کہنا کہ عمرؓ نے سلام کہا ہے۔ امیرالمومنین مت کہنا، میں اب مومنوں کا امیر نہیں رہا۔ یہ کہو کہ عمر اجازت چاہتا ہے کہ اپنے دو ساتھیوں یعنی (آنحضرتؐ اور ابوبکر صدیق رضؓ) کے ساتھ دفن ہو۔"

ابن عمرؓ گئے۔ سلام عرض کیا اور اجازت حاصل کر کے مکان میں داخل ہوئے۔

امّ المومنین بیٹھی رو رہی تھیں۔ ابنِ عمرؓ نے عرض کیا:۔

"میرے والد نے سلام کہا ہے اور اجازت طلب کی ہے کہ انھیں اپنے رفیقانِ معظم کے پاس دفن ہونے دیا جاتے۔"

ام المومنین نے فرمایا:۔

"یہ جگہ دراصل میں نے اپنے لیے ذہن میں رکھی تھی، لیکن بخدا آج کے دن میں اس باب میں عمرؓ کو اپنی ذات پر ترجیح دوں گی"

لیجئے عبداللہ بن عمرؓ پلٹ کے آ بھی گئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:۔

"عبداللہ کو میرے سامنے لایا جائے" اور جب انہیں (عبداللہ کو) امیرالمومنین کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا:۔

"کیا خبر لائے ہو؟"

بیٹے نے کہا:۔

"بابا! جو آپ چاہتے تھے وہ ہوا، اجازت مل گئی"

عمرؓ نے فرمایا "الحمد للہ آج کے دن اس سے زیادہ کوئی چیز بھی مجھے مطلوب نہ تھی" اس کے بعد فرمایا:۔

"میری روح پرواز کرے تو میرا جنازہ لے کر مکانِ عائشہؓ تک لے جاؤ اور سلام عرض کرنے کے بعد کہو کہ عمر بن الخطابؓ اجازت طلب کرتا ہے۔ اگر وہ اجازت دیدیں تو پھر مجھے اندر لے جانا اور اگر میرا جنازہ واپس کر دیں تو مجھے گورستانِ عمومی میں لیجا کر دفن کر دینا"

اتنے میں ام المومنین حفصہؓ بہت سی خواتین کے ہمراہ تشریف لائیں اور ہم نے حفصہؓ کو آتے دیکھا تو ہم سب پرے ہٹ گئے۔ حفصہؓ اپنے والد پر جھک گئیں اور تھوڑی دیر تک کھڑی روتی رہیں۔ لوگ اندرونِ خانہ آنا چاہتے تھے۔ حفصہؓ بالکل اندر چلی گئیں۔ اندر سے ان کے گریۂ دخترانہ کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھی۔ امیرالمومنین! جانشین تجویز فرمائیے" قوم نے عمرؓ سے فریاد کی۔ ارشاد ہوا:۔

"خلافت کا حق سب سے زیادہ انہیں چند اصحاب کو پہنچتا ہے۔ جنہیں آخر وقت

تک آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل خوشنودی حاصل رہی۔ اس کے بعد نام لیے گئے:۔

"علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد اور عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم"

اس کے بعد فرمایا:۔

"ان مذاکرات میں عبد اللہ بھی شریک رہیں گے لیکن خلافت پر ان کا کوئی حق نہ ہوگا۔ اگر سعد بن ابی وقاص پر خلافت کا بار آپڑے تو ٹھیک ہے۔ لیکن اگر وہ منتخب نہ بھی ہوں تو بھی خلیفۂ منتخب کو ان سے مدد لینی چاہیئے۔ میں نے سعد کو (خدانخواستہ) کسی نا اہلی یا خیانت کے باعث معزول نہیں کیا تھا۔" حضرت فاروقِ اعظم نے اس کے بعد فرمایا:۔

"میں خلیفہ مابعد سے چند امور کی سفارش کروں گا۔"

(۱) اسے اوّلین ہجرت کنندگانِ راہِ اسلام کے مراتب کا پورا پورا لحاظ رکھنا چاہیئے اس کے دور میں مہاجرینِ اولین کے حقوق اور حرمت سب محفوظ رہنے چاہئیں۔

(۲) اسے انصار کو حُسنِ سلوک سے نوازنا چاہیئے۔ اس لیے کہ انصار اسلام اور ایمان کی دولتِ بیدار سے سرفراز ہوئے۔ ان کی اچھائیاں قبول اور اُن کی لغزشیں معاف ہونی چاہئیں۔

(۳) مختلف ریاست ہائے متحدہ اسلامی کے شہریوں کو اچھے سلوک سے نوزا جائے کہ یہی اسلام کے ناصر و پاسبان اور ملت کا قوام اور دشمنانِ اسلام کے لیے سراپا جوشِ غضب ہیں۔ ان سے بیت المال کے لیے کوئی وصول یابی جبریہ نہ ہونی چاہیئے۔

(۴) بادہ نشینانِ عرب بھی بھلائی کے مستحق گردانے جائیں گے اس لیے کہ یہ لوگ عرب کی اصل اور اسلام کا قوام اور خمیر ہیں۔ ان سے جو کچھ وصول کیا جائے وہ انہی کے

نادار طبقہ کو لوٹا دیا جاتے۔

(۵) ذمیوں اور غیر مسلموں سے کیئے ہوئے کُل کے کُل پیمان پورے کیئے جائیں۔ انہیں دشمنوں سے بچایا جائے۔ ان کی حفاظت کی ذمہ داری لی جائے اور ان پر ضرورت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔

روحِ مطہر اسدِ کردگار عمرؓ پرواز کر چکی تھی۔ ہم میّت کو لے کر نکلے اور پیادہ پا چل پڑے۔ حسب ہدایتِ سابق عبداللہ نے عائشہؓ کو سلام کیا اور کہا:۔

"یستأذن عمر بن الخطاب (خطّاب کے بیٹے عمر کو اجازت ہے؟"

ارشاد ہوا:۔"میّت کو اندر لایا جا سکتا ہے، اور یہاں دفن کی اجازت ہے"۔ میّت اندر لے جائی گئی۔ شیدائے محمدؐ اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ دفن ہو چکا تھا!

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار میں
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

یہ روایت ان الفاظ میں صرف بخاری میں ہے۔ عمرو بن میمون نے یہی روایت ایک اور مقام پر ذیل کے الفاظ میں بیان کی ہے۔

جس وقت عمرؓ کو محملِ دوش کر کے ان کے گھر لے جایا گیا تو لوگوں کا زبردست ہجوم ہو گیا۔ یہ سب تو تھا مگر ایک ایسا کلمہ بھی تھا جس پر سب ہی کا اتفاق ہو گیا یعنی الصلاۃ۔ چنانچہ عبدالرحمٰنؓ کو امامت کے لیے آگے بڑھا دیا گیا۔ عبدالرحمٰنؓ نے دو مختصر سورتیں یعنی سورۂ نصر اور سورۂ کوثر پڑھ کر نماز ختم کی۔ سالم نے عبداللہ سے سنا تھا کہ زخم لگنے کے بعد عمر بن الخطابؓ نے کسی عرب طبیب کو طلب کیا تھا کہ وہ ان کے زخموں کا معائنہ کرے۔ طبیب آیا اور خلیفہ مجروح کو نبیذ پلائی جو خون کا رنگ اختیار کر کے زخموں کی راہ سے نکل گئی۔ اس کے بعد ایک انصاری طبیب آئے جو بنی معاویہ سے تھے۔ طبیب نے فاروقِ زخم دار کے لیے دودھ تجویز کیا۔ جو اپنا رنگ بدلے

بغیر زخم کے چاک سے باہر آ گیا۔ طبیب اب بول اُٹھا:۔

"امیر المومنین وصیت کرنے کی تیاری کیجئے۔"

ارشاد ہوا:۔ "سچ کہا میرے بھائی نے۔ تم اس کے علاوہ کوئی اور بات کہتے تو مجھے یوں یقین نہ آتا۔"

لوگوں نے یہ مکالمہ سُنا تو ان پر رقت طاری ہو گئی۔ فرمایا:۔

"مت رو ہم پر اور جو رونا چاہتا ہے وہ باہر چلا جائے۔ تم نے آقائے دو جہاں کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ اعزہ کے رونے سے میت کو سخت تکدّر اور رنج لاحق ہوتا ہے۔"

شاید یہی سبب تھا کہ عبداللہ ابن عمر ایسے غم انگیز مواقع پر کسی کو بھی رونے کی اجازت نہ دیتے تھے۔

ابن عمر رضؓ فرماتے ہیں:۔

"میں اپنے والد کے پاس آیا اور میں نے عرض کیا:۔ میں سمجھتا ہوں یہ مناسب ہوگا کہ ایک بات جو اس وقت لوگوں کی زبان پر ہے آپ سے کہدوں۔ لوگوں کا خیال ہے آپ بحیثیت خلیفہ کسی کو نامزد نہیں کر رہے ہے۔"

یہاں اسحٰق بن ابراہیم نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ، یہ کہنے کے بعد عبداللہ نے کہا کہ:۔

"فرض کیجئے آپ کا ایک چرواہا ہو جو آپ کے اونٹ یا بھیڑیں چراتا ہو اب اگر وہ انہیں چھوڑ کے آپ کے پاس آجائے تو کیا آپ کی بھیڑیں بھٹک نہ جائیں گی! قوم کے لیے پاسباں کا ہونا بے حد لازمی ہے۔" اس پر حق و باطل میں تمیز کرنے والے (فاروقؓ) نے پھر میری طرف نگاہ اٹھائی اور کہا:۔

"اللہ اپنے دین کا محافظ ہے اور اگر میں اپنا جانشین نامزد نہ بھی کروں تو آنحضور

رسول اللہ نے بھی تو کسی کو اپنا نائب مقرر نہیں کیا تھا۔ اور اس کے برعکس اگر میں استخلاف کے لیے تیار ہوتا ہوں تو یہ ابوبکرؓ کا اتباع ہو گا۔ نبی علیہ السلام اور صدیقؓ کا بیک وقت ذکر سنتے ہی ہم سمجھ گئے کہ عمرؓ کسی معاملہ میں کسی صورت بھی رسول اللہ کی کسی سے برابری نہیں برداشت کر سکتے تھے۔ اور اب وہ کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کرینگے"۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جب ان کے والد سے سوال ہوا کہ آپ کسی کو اپنا جانشین نہیں نامزد کر رہے ہیں؟ تو فرمایا:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانشین نامزد کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا اور ابوبکرؓ نے اپنا جانشین نامزد کیا تھا۔ غرض میرے لیے دونوں صورتوں میں یعنی جانشین نامزد نہ کرنے اور کرنے، دونوں میں اپنے سے برتر شخصیتوں کے نمونہ ہائے عمل موجود ہیں۔

محمد بن سعد نے مالک بن انس سے سن کر بیان کیا ہے:۔

"عمرؓ ابھی زندہ تھے کہ عبداللہ نے عائشہؓ سے اس بات کی اجازت مانگی کہ انہیں ان کے مکان میں دفن ہونے کی اجازت عطا ہو" آخری گھڑی آپہنچی تو پھر ارشاد ہوا:۔

"میں مر جاؤں تو ام المومنین سے از سرِ نو اجازت مانگو۔ از سر نو اجازت مل جائے تو فبہا ورنہ اس پر اصرار مت کرنا۔ اس لیے کہ بہت ممکن ہے ام المومنینؓ نے پاسِ مقامِ خلافت میں یہ اجازت دے دی ہو"

بہر حال انتقال کے بعد بھی عائشہؓ نے یہ اجازت دے دی تھی۔ اب پھر ابنِ عباس کا بیان ملاحظہ ہو:۔

"عمر جب زخمی ہوئے تو میں ان لوگوں میں شامل تھا جو انھیں اٹھا کر ان کے گھر لے گئے تھے۔ ہم لوگ گھر پہنچ گئے تو مجھ سے فرمایا:۔

"بیٹے جا کر معلوم کرو کہ یہ کس نے مجھے زخمی کیا ہے اور میرے ساتھ اور کون
کون لوگ ہیں جو زخمی ہوئے ہیں؟"

میں گیا اور خبر لے کر واپس آ گیا۔ اب میں اطلاع دینا ہی چاہتا تھا کہ دفعتہً
میں نے محسوس کیا کہ اتنی دیر میں عمرؓ کا گھر آدمیوں سے کھچا کھچ بھر چکا ہے۔ میں
نے مناسب نہ سمجھا کہ مجمع کو چیرتا ہوا آگے بڑھوں۔ اس وقت میری عمر چھوٹی تھی۔
میں ایک طرف کو بیٹھ گیا۔ عمرؓ کو کپڑے سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ اتنے میں کعبؓ
آ گئے اور آتے ہی کہنے لگے:۔

"مجھے یقین ہے کہ اگر امیر المومنین اللہ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ انھیں
ابھی اور زندگی عطا کر دے گا اور امت کی قیادت کے لیے ان کو پھر کھڑا کر دے گا
اور پھر وہ اپنے بہت سے منصوبوں کو جو صلاحِ کارِ اُمّت کے لیے ان کے پیشِ نظر
تھے انجام دے سکیں گے اور منافق گروہ سے بھی نمٹ سکیں گے۔"

میں نے کہا "یہ جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں امیر المومنین سے کہہ دوں؟"

کعب نے کہا:۔ "ظاہر ہے میرے یہ سب کہنے کا مقصد ہی یہ ہے۔"

اب میں نے ذرا ہمت کی، اپنی جگہ کھڑا ہوا اور گردنیں پھلانگتا ہوا بالکل امیر المومنین
کے سرہانے پہنچ گیا۔ اب میں نے کہنا شروع کیا:۔

"آپ نے مجھے جن جن کاموں پر بھیجا تھا وہ پورے کر لیے گئے۔ میں نے عمرؓ کو ابن
کے قاتل کا نام بتایا اور یہ بھی بتایا کہ ان کے علاوہ تیرہ آدمی اور مجروح ہوئے ہیں ——
کلیب الجزار وضو کر رہے تھے۔ وہ اسی عالم میں حملہ کی زد میں آ گئے۔" پھر میں نے عرض
کیا: "کعب قسمیں کھا کھا کر کہہ رہے ہیں کہ اگر آپ اب بھی دعا کریں تو آپ بقیدِ حیات
رہ سکتے ہیں۔" فرمایا:۔

"کعب کو بلاؤ۔" کعب آئے تو امیر المومنین نے پوچھا:۔

"تم کیا کہہ رہے تھے؟"

کعب نے کہا، "اگر آپ......" عمر کا ارشاد ہوا:۔

"نہیں نہیں ہرگز نہیں، میں یہ دعا ہرگز نہیں کروں گا۔ یہ میری بڑی شقاوت اور بدنصیبی ہوگی، اگر مجھے بخشا نہ گیا"

عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ "عمر رضی اللہ عنہ کے زخمی ہونے کے بعد کعب ان کے پاس آئے اور قرآن حکیم کے یہ کلمات پڑھے:۔

"الحق من ربك فلا تكن من الممترين"۔ یعنی موت ایک امر یقینی ہے۔ اس میں شک کی بات نہیں"

پھر کہا "میں نے آپ کو خبر دی تھی کہ آپ کو شہادت ملے گی اور اس پر آپ کہتے تھے کہ "جزیرہ نمائے عرب میں رہ کر مجھے شہادت کیسے نصیب ہوگی"

مسور بن مخرمہ کہتے ہیں: زخم لگنے کے بعد ابن عباس حضرت عمر رض کے پاس پہنچے اور کہا:۔

"امیر المومنین! نماز پڑھ لیجئے" ارشاد ہوا:۔

"بالکل صحیح ہے۔ وہ شخص جو نماز سے بے بہرہ ہو جائے وہ اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتا" خلاصہ یہ کہ امیر المومنین نے نماز ادا کی۔ مگر عالم یہ تھا کہ ان کے زخموں سے خون رس رہا تھا۔ ا

ابن ابو ملیکہ نے بھی اسی قسم کا بیان مسور بن مخرمہ کے حوالہ سے دیا ہے۔ یعنی یہ کہا ہے کہ زخم لگنے کے بعد امیر المومنین پر غشی سی طاری ہونے لگی۔ اتنے میں کسی نے کہا نماز کا ذکر کرو۔ اگر ان میں ابھی کچھ جان باقی ہے تو یہ ترکِ نماز کے تصور سے ڈر کر ہوش میں آجائیں گے اور بعینہٖ یہی ہوا بھی۔ سب نے مل کر کہا:۔

"امیر المومنین آپ نے نماز پڑھ لی، نماز، نماز، نماز"

عمر اعظمؓ دفعتہً ہوش میں آ گئے، فرمایا :۔

"ارے ہاں نماز تو ابھی میں نے پڑھی نہیں ۔ تارکِ صلاۃ کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں"۔ اس کے بعد گھاؤ سے خون ٹپکتا رہا اور فاروق نماز پڑھتے رہے!

ابنِ ابی ملیکہ نے مسور بن مخرمہ کے حوالے سے کہا ہے :۔

"عمر بن الخطابؓ کو جس وقت زخموں کی جراحت نے بے تاب کیا تو ابن عباس نے روتے ہوئے کہا :۔

"امیر المومنین! آخر آپ نے رسول اللہ کی رفاقت بھی تو فرمائی ہے۔ اور پھر کیسی جاں نثارانہ رفاقت! پیغمبر علیہ السلام آپ سے آخر وقت تک مطمئن رہے اور خوش رہے۔ ایسے ہی آپ نے ابوبکرؓ اور دوسرے اصحابِ رسول کی بھی رفاقت اور دوستی کا پورا حق ادا کیا ہے۔ اور اب اگر آپ میں اور اصحابِ نبی میں جدائی واقع بھی ہو گئی تو کیا یہ امر آپ کے لئے سکونِ روح کا باعث نہیں ہے کہ یہ سب لوگ آپ کی قیادت پر پورا اعتماد کرتے آئے ہیں۔

امیر المومنین نے فرمایا :۔

"یہ جو تم نے آقا کی رفاقت اور ان کی خوشنودی کا ذکر کیا، تو یہ مجھ پر اللہ تعالےٰ کا خاص الخاص احسان تھا۔ اور اس وقت مجھ پر جو حالتِ غم طاری ہے۔ یہ تمہاری اور تمہارے رفقاء کی خاطر ہے۔ خدا گواہ ہے کہ اگر میں روئے زمین کی وسعتوں کے برابر بھی سونا حاصل کر لوں تو اسے عذابِ الٰہی سے بچنے کے لیے نثار کر دوں گا"۔

شعبی نے ابن عباس کا بیان انہی الفاظ میں دیا ہے :۔

"زخم لگنے کے بعد جب میں عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے کہا"امیر المومنین میں آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ آپ نے رسول اللہؐ کے سامنے اس وقت سرِ تسلیم خم کیا تھا جب عموماً لوگ کفر میں مبتلا تھے۔ آپ نے رسول اللہ کی سرکردگی میں اسوقت جنگ لڑی تھی جب لوگ انھیں چھوڑ بھاگے تھے۔ رسول اللہ آخر وقت تک آپ سے مطمئن اور آپکے کاموں

پر خرسند رہے۔ آپ کی خلافت پر دو آدمیوں میں بھی اختلاف نہیں پیدا ہوا۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا:۔

"ذرا ان باتوں کو پھر دُہراؤ۔"

چنانچہ میں نے دہرا دیا۔ فرمایا:۔

"فریب خوردہ وہ جسے تم لوگ فریب دو! جہاں تک میرا تعلق ہے اگر میں زمین کے تمام خزانۂ زر و سیم کا مالک ہوتا تو بھی وحشتِ گور کے عوض میں اسے سب کا سب نثار کر دیتا۔

قاسم بن عمر نے اس تاریخی واقعہ کی تصویر یوں کھینچی ہے:۔

" زخم لگنے کے بعد لوگ عمرؓ کی تعریف میں رطب اللسان، انھیں دیکھنے آئے۔ یعنی ان سے رخصت ہونے آئے۔"

امیر المومنین نے پوچھا:۔

"کیا تم لوگوں کے نزدیک میری امیر المومنینی قابلِ رشک ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، میرے لیے یہ بات کہ رسول اللہ آخر وقت تک خوش رہے اور مجھے آقائے دوجہاں کا قرب نصیب رہا اور یہ کہ مجھے ابو بکرؓ کی رفاقت اور خوشنودی حاصل رہی، اور میں برابر ان کی اطاعت کرتا رہا، زیادہ قابلِ فخر اور گراں ارز چیزیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس زعامت اور اس امارت کے ماسوا جو مجھے تم پر حاصل رہی مجھے اور کسی شے سے کبھی خوف نہیں محسوس ہوا۔"

سماک نے بھی عبداللہ بن عباس کو کہتے سُنا تھا کہ عمرؓ کے زخمی ہوتے ہی میں ان کے پاس گیا اور جاتے ہی کہا:۔

"امیر المومنین! آپ کو مبارک ہو، آپ کی ذات سے تازہ بستیاں آباد ہوئیں۔ نفاق و شقاق زائل ہوتے۔ رزق کی فراوانی ہوئی۔"

"فرمایا" ابنِ عباس! یہ میرے دورِ خلافت کی تعریف ہے کیا؟"

"اس کے علاوہ بھی آپ اہلِ جہاں میں ابنِ عباس کے لیے قابلِ رشک ہستی ہیں۔"

کہنے لگے: "اپنی جان کی قسم میں چاہتا ہوں اگر میرا دور میرے لیے باعثِ اجر نہ بنے تو باعث گرانی بھی نہ بنے۔

زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، زخمی ہونے کے بعد عمر نے کہا:۔

"اگر میرے تصرّف میں وہ سب کچھ آجائے جس پر مہر کا پڑتا ہے تو بھی میں اس شدّتِ الم کے مقابلے میں جو اس وقت مجھے حاصل ہے، اسے قربان کر دوں گا"

ابن عباس بولے:۔

"آپ امیر المومنین اور سید المومنین ہیں، آپ نے کتاب اللہ کی روشنی میں حکومت کی ہے اور مساوات کے اصول برقرار رکھے ہیں۔ آپ کی ذات سے شہر آباد ہوئے ہیں اور کشور کشائی ہوئی ہے۔ آپ پر اللہ تعالیٰ کی بہت سی اور دوسری عنایتیں رہی ہیں"

یہ سب سننے کے بعد امیر المومنین نے فرمایا:۔

"میں تو بس اتنا چاہتا ہوں کہ میں اس مقدمہ میں بری قرار پاؤں اور خلافت وامارت میرے لیے باعث اجر نہ بنیں تو باعثِ زجر بھی نہ ثابت ہوں"

ابن عباس کا ایک اور بیان ملاحظہ ہو:۔

"میں علیؓ کے ساتھ تھا۔ ہم نے سنا کہ کسی نے عمرؓ کا نام لے کر پکارا۔ چنانچہ علیؓ اور میں دونوں اس نالہ وشیون کو سن کر چل پڑے۔ تھوڑی دیر بعد ہم اس مکان میں تھے جس میں امیر المومنین موجود تھے"

علیؓ نے پوچھا "یہ کیسا شور تھا؟"

ایک عورت بولی "طبیب نے انہیں (امیر المومنین کو) نبیذ تجویز کیا تھا۔ نبیذ جسم سے باہر آگئی اور اسی طرح دودھ بھی باہر آگیا۔ طبیب نے کہا ہے کہ آپ شام تک کے مہمان ہیں جو وصیت کرنا

چاہیں کر دیں"۔

ام کلثوم بھی سن کر بے تاب ہو گئیں اور ان کے رونے سے اور عورتیں بھی رو پڑیں اور پورا گھر ماتم کدہ بن گیا۔

امیر المومنین نے ارشاد فرمایا کہ:۔

بارگاہِ الٰہی میں پیش ہونے کے تصور سے میں اس قدر مشوش ہوں کہ میں اس سراسیمگی کے معاوضہ میں پوری دنیا کی نعمتیں دینے کے لیے تیار ہوں"۔

ابنِ عباس نے دلاسا دیا کہ امیر المومنین اس گھاٹی سے ہر ایک کو گزرنا ہی ہے چنانچہ آپ کو بھی گزرنا پڑ رہا ہے۔ لیکن آپ کے لیے تشویش کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔

قیس بن ابی حازم نے بھی اس دردناک اور سوزناک آخری منظر کو تقریباً انہی الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

ابنِ عباس نے ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:۔

"عمرؓ زخمی ہوئے۔ اور میں ان کے پاس بیٹھا تھا۔ میں نے ان کے جسم پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا:۔

"یہ جسم وہ جسم ہے جسے آگ کبھی نہ چھو سکے گی"۔

اس پر امیر المومنین نے مجھے کچھ ایسی نگاہوں سے دیکھا کہ میرا دل بھر آیا۔ مجھ سے کہا کہ: "تم کیسے یہ یقین سے کہہ سکتے ہو؟" میں نے کہا:۔

"امیر المومنین! یہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے رسول اللہ کا ساتھ دیا اور پھر کیسا ساتھ، اور وہ آخر وقت تک آپ سے کس قدر خرسند و شاد رہے۔ پھر ابوبکرؓ کا دور آیا اور آپ نے ان کا بھی کیسا کچھ ساتھ دیا اور انھیں بھی تادمِ آخر کس قدر راضی رکھا اور خوشنود کیا۔ امت الگ آپ سے مطمئن اور آپ کے عہد میں شاد رہی"۔

حضرت عمرؓ بولے:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ کا جو میرا ساتھ رہا اور

مجھے ان کی رفاقتیں حاصل رہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر احسان ہو گا۔ لیکن اگر رُوئے ارض کی تمام نعمتیں بھی مجھے میسر ہو جائیں تو بھی میں انہیں عذابِ الٰہی سے بچنے کے لیے فدا کرنے کو تیار ہو جاؤں گا۔"

عبداللہ ابنِ زبیر کا بیان ملاحظہ ہو۔

"میں نے جب سے ہوش سنبھالا مجھے اُس رات سے زیادہ حزن و ملال سے کبھی سابقہ نہ ہوا تھا، جس رات کو عمرؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ ایک دن پہلے عمرؓ نے حسبِ معمول ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھائی تھیں۔ وہ بالکل اچھے بھلے تھے۔ فجر کی نماز کا وقت آیا تو ہمیں امام کی آواز بدلی ہوئی سنائی دی۔ تھوڑی دیر میں ہم نے محسوس کیا کہ یہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہیں۔ جس وقت ہم لوگ چلنے لگے تو ہمیں بتایا گیا کہ امیرالمومنینؓ پر کسی نے قاتلانہ حملہ کیا ہے۔ کافی لوگ آگے بڑھ گئے اور امیرالمومنین کے زخموں سے خون بہتا رہا۔ انھوں نے ابھی تک فجر کی نماز نہیں پڑھی تھی۔ ان سے کہا گیا:۔

"امیرالمومنین! نماز، نماز، نماز پڑھ لیجئے" فرمایا:۔

"نماز، بخدا نماز ضائع کر دینے والا اسلام سے بے تعلق ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ نماز پڑھنے کے لیے جھپٹ کر کھڑے ہو گئے۔ اب ان کے زخم نے بُری طرح خون تابہ بار ہونا شروع کر دیا۔ آپ نے زخم پر پٹی بندھوا دی اور اس کے بعد نماز ادا کی۔ سلام پھیرنے کے بعد لوگوں سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:۔

"کیا یہ جو کچھ ہوا ہے اس میں تم لوگوں کو دخل ہے؟"

علی بن ابی طالبؓ نے فرمایا:۔

"امیرالمومنین ہماری جانیں آپ کی جان پر اور ہمارے خون آپ کے خون پر نثار ہو جائیں ہمیں کچھ نہیں معلوم یہ کس نے آپ پر حملہ کیا ہے۔"

اس کے بعد وہ عبداللہ بن عباسؓ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:۔

"وہ جا کر دیکھیں تو سہی کہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں" اور پھر انھیں اصل صورتِ حال سے مطلع کریں۔

ابنِ عباس گئے اور واپس آ کر عرض کیا:۔

"امیرالمومنین آپ کو فردوسِ بریں مبارک ہو۔ جملہ زن و مرد میں میں نے کسی ایک فرد کو بھی تو نہ پایا کہ وہ آپ پر گریہ زن نہ ہو۔ اس واقعہ پر پوری قوم اشک بار ہے سب آپ پر اپنے ماں باپ نثار کرتے ہیں۔ آپ کا قاتل مغیرہ بن شعبہ کا مجوسی غلام ابولؤلؤ ہے۔ آپ کے غلام نے مزید بارہ آدمیوں کو بھی گھائل کیا ہے۔ یہ سب زخمی ہوئے ھیں دیکھئے ان کا کیا انجام ہوتا ہے؟ امیرالمومنین آپ کو جنت خوش آمدید کہہ رہی ہے"۔

"ارشاد ہوا" ابنِ عباس دھوکا کسی اور کو دینا"۔

ابنِ عباس بولے:۔

"کیوں آخر میں یہ کچھ کیوں نہ کہوں۔ آپ کا حلقہ بگوشِ اسلام ہونا اسلام کے لیے باعثِ توقیر بنا۔ آپ کی ہجرت نے اسلام کے لیے فتح و نصرت کے دروازے کھول دیے۔ آپکا دور دورِ عدل و مساوات تھا۔ آپ بے گناہ مارے گئے۔ آپ شہیدِ مظلوم ہیں"۔

اس پر امیرالمومنین نے ابن عباس سے کہا:۔

"قیامت کے دن تم میری طرف سے ان باتوں کی گواہی دو گے؟

ابنِ عباس کچھ متذبذب سے ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ وہیں موجود تھے انھوں نے فرمایا:۔

"امیرالمومنین، بے شک ہم قیامت کے دن اس بات کی شہادت دیں گے"۔

اب حضرت عمرؓ اپنے بیٹے عبداللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا:۔

"میرا سر زمین پر رکھ دو"

عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ میرے والد اب اپنے ہوش میں نہیں

ہیں۔ ایسا کرنے سے گریز کیا۔ انہوں نے دوبارہ کہا:۔

"میرا سر زمین پر رکھ دو"۔ میں نے اب کے بھی ایسا نہیں کیا تو تیسری بار انھوں نے سختی سے کہا:۔

"تیری ماں تجھے روئے، میرا سر زمین پر ٹیک دے"۔

اب مجھے احساس ہوا کہ ان کے حواس قائم اور برجا ہیں اور فرطِ ضعف کے باعث وہ خود اپنا سر زمین پر نہیں رکھ سکتے تھے۔ ورنہ وہ خود ہی رکھ لیتے۔ خلاصہ یہ کہ میں نے اپنے والد کا سر زمین پر رکھ دیا۔ ان کی داڑھی کے بال خاک آلود نظر آرہے تھے۔ ان پر گریہ طاری تھا۔ تھوڑی دیر میں ان کی آنکھوں میں مٹی لگ گئی تھی۔ اب میں نے کان لگا کے سُنا تو وہ کہہ رہے تھے:۔

"عمر تباہ ہو جائے گا اگر اللہ نے اسے نہ بخشا"۔

انہی عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے۔ امیرالمومنین زخم کھا چکے تو لوگوں نے کہا:۔

"امیرالمومنین آپ کوئی مفرّح اور مقوّی چیز پی لیں تو مناسب ہوگا"۔ فرمایا:۔

"میں نبیذ پی لوں گا"۔ نبیذ آپ کو سب سے زیادہ مرغوب تھی۔ مگر یہ نبیذ آپ کے چاکِ زخم سے خون اور پیپ کے ساتھ باہر آگئی۔ لیکن لوگ ابھی تک اس بات کو اچھی طرح نہ سمجھ سکے تھے کہ خون زخم کے ساتھ یہ وہی نبیذ ہے جو باہر آگئی ہے، جسے ابھی ابھی آپ نے پیا تھا۔ چنانچہ اس کے باوجود آپ کو دودھ پیش کیا گیا وہ بھی جسم سے باہر آگیا۔ سفیدی دیکھ کر حضرت عمرؓ رو پڑے اور ارد گرد جو لوگ کھڑے تھے وہ بھی رو پڑے۔ اس موقع پر فرمایا:۔

"ایک ایسی گھڑی آن پہنچی ہے کہ اس سے بچنے کے لیے میں پوری دُنیا کی نعمتیں اور لذتیں قربان کرنے کو تیار ہوں"۔ یہ سب کچھ دالّ ہے اس امر پر کہ ابن خطّاب ادب گہہ نبوی کے تربیت یافتہ تھے اور اللہ کے روبرو ہونے کے تصوّر سے ازروئے ادب و بندگی اور ازروئے کمال احترام لرزہ براندام تھے۔ موت کے خوف سے نہیں جس کے وہ

خود آرزومند تھے۔ یہاں مجھے غالب کا ایک مشہور شعر یاد آ گیا۔

پھر وضع احتیاط سے رُکنے لگا ہے دَم
برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کئے ہوئے

لوگوں نے پوچھا "اسی بات پر روئے ہیں آپ کیا؟" فرمایا:۔

"ہاں یہی اور صرف یہی بات تھی کہ میں رویا"

اس پر ابن عباس بول پڑے:۔

"امیر المومنین آپ کے اسلام لانے سے تو دین کو قوت اور حرارت ملی ہے، آپ کے عہد میں فتوحات روکش داماں نظر ہوئی ہیں۔ اور آپ نے اپنے انصاف سے عملاً پوری انسانیت کو فیض پہنچایا ہے۔ آپ کی عدالت میں جب کبھی کوئی قضیہ پیش ہوا آپ نے اسے فریقین کو مطمئن کر کے سلجھا دیا"

یہ سُنکر امیر المومنین نے حکم دیا کہ انھیں بٹھلا دیا جائے۔ بیٹھ گئے تو فرمایا:۔

"ابن عباس یہ جو کچھ تم کہہ رہے تھے اسے دہراؤ تو سہی"

ابن عباس نے ساری باتیں دہرائیں۔ فرمایا:۔

"جب اس سے (اللہ سے) ملوگے تو یہ سب کچھ کہہ بھی دو گے"

ابن عباس نے جواب دیا "بے شک"

عمر خوش ہو گئے اور اس بات کو پسند کیا۔

محمد بن سیرین سے روایت ہے:۔

"عمر زخمی ہوئے تو لوگ آنے شروع ہوئے۔ انھیں میں کوئی تھا جسے امیر المومنین نے مخاطب کرتے ہوئے کہا:۔

"تم ذرا میری نبض دیکھو، نبض دیکھ کر اس نے کہا کہ آپ میں ابھی اتنی جان یقیناً باقی ہے کہ آپ ضروری باتیں کہہ سُن لیں" حضرت عمرؓ نے فرمایا:۔

"تم ان تمام طبیبوں میں سب سے اچھے اور راست گو ہو" اس کے بعد اُسی شخص نے کہا:-

"مجھے امید ہے کہ آپ کے جسم کو آگ نہ چھو سکے گی" اس پر امیر المومنین نے ہمیں ایک ایسی نگاہِ ترحّم سے دیکھا کہ ہمارے دل پگھل گئے اور کہا:-

"تم اِس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے اور اگر میں روئے ارض کی تمام ثروتوں کا مالک ہوتا تو بھی میں اللہ سے اپنی ملاقاتِ اوّلیں کے تصوّر سے پیدا شدہ سراسیمگی اور دہشت پر اسے قربان کر دیتا"

ابن عباس نے یہ بھی کہا ہے کہ عمر رض نے ارشاد فرمایا:-

"قبل اس کے کہ مجھ پر ہذیانی کیفیت طاری ہو میری یہ بات پھر سُن لی جائے"

(۱) میں نے کسی کو اپنا جانشین نہیں نامزد کیا۔ اور

(۲) کلالہ (لاولد اور مجہول الولدیت) کے باب میں میں نے کوئی قطعی حکم نہیں لگایا"

باب ۶۶

عمری وصیتیں اور امتِ مرحومہ کو صبر وضبط کی تلقین

ہم نے پچھلے باب میں عمرؓ کی اس وصیت (سفارش) کا ذکر کیا تھا جو انھوں نے ممکنہ طور اپنے ہونے والے جانشین کے لیے کی تھی۔ اس سلسلہ میں ابن عمرؓ کا بیان یہ ہے:۔

میرے والد نے مجھے ایک تحریر عنایت کی اور فرمایا:۔

"جب قوم کسی ایک فرد کو خلیفہ منتخب کرے تو اسے میری جانب سے یہ تحریر دے دی جائے اور اس کی خدمت میں میرا اسلام بھی پہنچایا جائے۔" تحریر کے الفاظ یہ تھے:۔

" میں اپنے جانشین کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اللہ سے ڈرتا رہے (یعنی اس بات سے ڈرتا ہے کہ کہیں اس سے احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی تو نہیں ہو رہی) میرے جانشین کو چاہیئے کہ ان لوگوں کے حقوق کا خاص خیال رکھے جو اسلام کے مہاجرینِ اولین ہیں اور جنہیں اسلام ہی کی خاطر ان کے گھروں سے نکال دیا گیا تھا اور جنھوں نے رضائے الٰہی کی طلب میں اپنا سب کچھ تج دیا تھا۔ اسی طرح انصار بھی جنھوں نے اسلام اور اسلام کے وفار شعار پرستاروں کو گوشہ عافیت پیش کیا تھا، بہترین سلوک کے مستحق ہیں۔ ان کی نیکیاں قبول کی جانی چاہیئں اور ان کی لغزشوں سے درگزر ہونا چاہیئے اور انھیں حکومت کے کاروبار میں شریک

کرنا چاہیئے۔ اسلامی حکومت کے ماتحت رہنے والے غیر مسلم جو در اصل اللہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری میں ہیں اس بات کے مستحق ہیں کہ ان سے کیے ہوئے تمام وعدے پورے ہوں اور ان پر ایسا کوئی بوجھ نہ ڈالا جائے جو اُن کی طاقت سے زیادہ ہو۔ اسی طرح حملہ کی صورت میں ان کا دفاع اور ان کی حفاظت امر لازم ہے۔

ابو حمزہ السبیعی جویریہ بن قدامہ کا بیان نقل کرتے ہیں:۔

"میں نے حج سے فراغت کی اور مدینہ اسی سال آیا جس میں امیرالمومنین پر حملہ ہوا تھا اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا:۔

"میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک سرخ رنگ کے مرغ نے مجھے ایک یا دو ٹھونگیں ماریں چنانچہ گویا ان کے لیے مقدر ہو چکا تھا کہ وہ زخمی کیے جائیں۔ بہر حال زخموں سے نڈھال عمرؓ نے عام لوگوں کو عیادت کی اجازت دے دی۔ سب سے پہلے اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔ اس کے بعد مدینہ کے اہالی اور پھر شام کے لوگ آئے اور آخر میں عراقی آئے۔ بہر حال جسے جسے آنا تھا وہ آیا۔ جیسے جیسے لوگ آتے گئے انھوں نے عمرؓ کی جناب میں اپنا اپنا خراج تحسین پیش کیا۔ اور شاید ہدیۂ اشکباری بھی! چنانچہ ہم بھی امیرالمومنین کو دیکھنے گئے۔ ان کے شکم کو سیاہ رنگ کے ایک عمامہ سے باندھ دیا گیا تھا۔ لیکن خون کے فوارے برابر چھوٹ رہے تھے۔ ہم نے عرض کیا:۔

"ہمیں کوئی نصیحت فرمائیے" ہمارے علاوہ کسی نے یہ مطالبہ نہ کیا تھا۔

فرمایا:۔

"تم پر کتاب اللہ سے تعلق برقرار رکھنا بے حد ضروری ہے۔ جب تک تم کتاب اللہ پر عامل رہو گے تمہارے گمراہ ہونے کا سرے سے سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہم نے کہا:۔

"کچھ اور ارشاد ہو" فرمایا:۔

"مہاجرین اولین سے ضرور قریب رہنا اس لیے کہ لوگ تو ان کے بعد بھی آئیں گے لیکن

یہ پھر کہاں ملیں گے!"

یہاں مجھے میرؔ کا ایک لافانی اور مشہور شعر بے ساختہ یاد آگیا۔

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی! (ش۔ح۔ع)

انصار ایسی گھاٹی ہیں جس میں اسلام نے پناہ لی۔ اور یہ پورے احترام کے مستحق ہیں۔ اسی طرح بادیہ نشین جو عرب کا خمیر ہیں اور غیر مسلم جو تمہارے پیغمبرؐ کا عہد اور ان کی ذمہ داری ہیں، نظر میں رہنے چاہئیں۔" اس کے بعد ارشاد ہوا۔"

اب تم لوگ جا سکتے ہو۔"

اور جب یہ کہہ دیا تو پھر ایک لفظ کا بھی اضافہ نہ کیا۔

عمرو بن میمون کہتے ہیں:۔

"قاتلانہ حملہ کے دن میں امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ آپ نے علی، عثمان، طلحہ، زبیر، ابن عوف اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کو بلا بھیجا۔ یہ سب آئے تو امیر المومنین جو جاں بلب تھے ان میں صرف علیؓ اور عثمانؓ سے مخاطب ہوئے۔ پہلے فرمایا:۔

"علیؓ قوم تمہارے حق کو پہچانتی ہے اور یہ بھی جانتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہارا رشتہ کیا ہے۔ یعنی یہ کہ تم آپ کے داماد ہو۔ ساتھ ہی قوم کو یہ بھی معلوم ہے کہ علم اور قانون دانی میں اللہ نے تمہیں کیا مرتبہ تفویض کیا ہے۔ اگر تمہیں قوم کی ولایت ملے تو اتقا کا دامن ہاتھ سے مت چھوڑنا۔"

پھر عثمان رضؓ سے فرمایا:۔

"قوم کو معلوم ہے کہ تم کو رسول اللہ کی دامادی حاصل رہی ہے۔ اس سے تمہاری بزرگی اور تمہارے شرف کا بھی علم ہے۔ اگر تمھیں قوم کی ولایت ملے تو اتقاء پر کاربند رہنا۔"

اس کے بعد صہیبؓ کو طلب کیا اور جب وہ آئے تو ان سے کہا کہ:۔

"وہ تین دن تک امامت کے فرائض انجام دیں اور یہ چھ آدمی کسی ایک جگہ خلوت گزیں ہو جائیں۔ لیکن جب ان میں سے ایک شخص پر قوم کا اتفاق ہو جائے تو پھر مخالفت کرنے والے کی گردن اُڑا دی جائے۔

نافع نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے:۔

امیر المومنین نے حفصہ رضؓ کے لیے وصیت فرمائی اور یہ اعلان کیا کہ ان کے مرنے کی صورت میں آل عمر میں سب سے معمر شخص وصیت کا وارث اور مخاطب قرار پائے گا۔"

ابن سعد کہتے ہیں کہ عمرؓ نے یہ بھی وصیت کی تھی کہ انکے مقرر کردہ عاملوں کو ایک سال تک برقرار رکھا جائے۔ چنانچہ عثمان رضؓ نے یہی کیا۔

شعبی کہتے ہیں عمر رضؓ نے اپنی وصیت میں لکھ دیا تھا کہ:۔

ان کی قائم کردہ انتظامیہ اور ہیئت عاملہ میں ایک سال تک تبدیلی نہ لائی جائے۔"

چنانچہ ان کے جانشین نے یہی کیا۔ یعنی سوائے ابو موسیٰ اشعری کے، جنہیں چار سال تک ان کے عہدے پر رہنے دیا گیا، بقیہ عمالِ دورِ عمری صرف ایک سال تک اور اپنے اپنے مناصب پر رہنے دیئے گئے۔

ابن عون کہتے ہیں۔ میں نے ایک شخص کو کہتے سنا تھا:۔

حضرت عمر رضؓ کا وصیّت نامہ ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس تھا۔ ان کے انتقال کے بعد وہ عبداللہ بن عمرؓ کے تصرف میں آیا۔ ابن عمرؓ کے مرنے کے بعد یہ عبیداللہ کے پاس آگیا۔ سب کے بعد یہ سالم کے پاس آیا۔ ابنِ عون کہتے ہیں۔ میں نے سالم کو اس وصیت نامہ کی رو سے تقسیم کرتے دیکھا ہے۔

کسی ایسے ہی موقع پر ایک خوش پوش اور خوش ہیئت شخص آیا اور اسے بھی اِس وصیت نامہ کی رُو سے مِلا۔

شعبی نے ابن عمر کا قول نقل کیا ہے :۔

"میرے والد نے مجھے نصیحت کی کہ جب انہیں قبر میں اُتارا جائے تو اُنہیں کنپٹی کے بل زمین پر لٹا دیا جائے تاکہ ان کے چہرے میں اور زمین میں کوئی چیز حائل نہ رہ جائے۔"

مقداد بن معدی کرب کا بیان ہے :۔

"واقعہ ہائلہ کے دن حفصہ رضہ اپنے باپ کے پاس آئیں اور روتے ہوئے کہا :۔

"اے رسول اللہ کے رفیق، ان کے خسر اور اے مومنوں کے امیر!"

"امیر المومنین نے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا "مجھے بٹھا دو" اور پھر ارشاد ہوا :۔

"مجھے یہ سب سننے کا حوصلہ نہیں ہے" اور پھر حفصہ رضہ سے کہا :۔

"تم پر میرے جو بھی حقوق ہیں ان کا واسطہ، اس کے بعد مجھ پر نوحہ کناں مت ہونا۔ آنسو تم بے شک بہا سکتی ہو۔ جب کسی میت پر ان چیزوں پر نام لے کر جو اس میں نہیں ہیں نوحہ کیا جاتا ہے تو ملائکہ اسے ملامت کرتے ہیں۔"

نافع (حضرت عمر رضہ کے فرماں بردار غلام) ابن عمر رضہ سے روایت کرتے ہیں :۔

"عمر رضہ نے اپنے اہل و عیال کو اس بات سے روک دیا تھا کہ وہ ان پر گریہ وزاری کریں۔" ابن سعد اور ابن سیرین کہتے ہیں :۔

"جب صہیب نے واعمراہ! وا اخاہ ! کہہ کر رونا شروع کیا تو حضرت عمر رضہ نے ان سے کہا :۔

"بھائی یہ کیسا ہے! تم کو اس کا احساس نہیں کہ جس پر گریہ ہوتا ہے اس کو اذیت ہوتی ہے۔"

باب ۶۷

موت کے آستانہ پر ابنِ خطاب کی خشیتِ الٰہی

عاصم بن عبید اللہ نے سالم کے توسط سے ابنِ عمر کا ذیل کا بیان ہمارے سپرد کیا ہے:۔

"اپنے مرض الموت میں میرے والد نے اپنا سر میرے زانو پر رکھ لیا تھا۔ اسی عالم میں مجھ سے کہا:۔

"میرا سر زمین پر ٹیک دو"

میں نے کہا:۔

"آخر کیوں؟ آپ کا سر میرے زانو پر رہے یا زمین پر اس سے فرق بھی کیا پڑتا ہے"

والد نے کہا:۔

"زمین پر ٹیک دو" میں نے یہی کیا۔ اس کے بعد فرمایا:۔

"مصیبت ہو گی آہ! اگر پروردگار نے مجھ پر رحم نہ فرمایا"

حضرت عثمان بن عفانؓ کا بیان حسب ذیل ہے:۔

"تم لوگ اگر جاننا چاہو تو میں تمہیں عمرؓ کی وصیت کے بارے میں بتا سکتا ہوں۔ میں جس وقت (ان کے عالم نزع میں) ان کے پاس گیا تو میں نے دیکھا کہ ان کا سر ان کے بیٹے عبد اللہ کی گود میں ہے۔ عمرؓ نے عبد اللہ سے کہا۔ میرا سر زمین پر ٹیک دو۔ عبد اللہ کو اس میں تردد سا ہوا اور انھوں نے کہا:۔

"ایک ہی بات ہے، آپ کا سر میری آغوش میں رہے یا زمین پر۔"

عمر نے اس پر سخت اصرار کیا اور دوسری یا تیسری بار کہا:۔ تیری ماں تجھے روئے میرا سر زمین پر رکھ دے۔ اس کے بعد عمر برابر یہ کہتے رہے اور میں یہ سن رہا تھا کہ اگر اللہ نے مجھے نہ بخشا تو میرے لیے مصیبت ہی مصیبت ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد عمرؓ کی روح پرواز کر گئی۔ عثمانؓ نے یہی بات ایک اور موقع پر کہی کہ، وہ آخری کلمات جو عمرؓ کی زبان سے ادا ہوئے وہ یہ تھے:۔

ویلی وویل ای ان لم یغفر اللہ لی، خدا نے مجھے نہ بخشا تو میرے لیے مصیبت ہی مصیبت ہے۔ بربادی ہی بربادی ہے۔

باب ۶۸

فاروق (بین الکفر والاسلام) کی تاریخ وفات اور ان کی عمر

قتادہ رضؓ نے کہا ہے کہ حضرت عمر رضؓ پر بدھ کے دن قاتلانہ حملہ ہوا اور دوسرے دن یعنی جمعرات کو ان کی موت واقع ہوئی۔

اسماعیل ابن محمد بن سعد کا بیان ہے کہ :۔

وہ حضرت عمر رضؓ پر قاتلانہ حملہ چہار شنبہ کو ہوا تھا۔ جب کہ ماہ ذی الحجہ کے ختم ہونے میں ابھی چار راتیں باقی تھیں۔ یہ ۲۳ھ کا واقعہ ہے۔ البتہ تدفین آپ کی اتوار کی صبح کو جس سے ماہ محرم کی ابتدا ہوئی تھی، انجام پائی تھی۔ آپ دس سال پانچ ماہ اور ۲۱ دن تک اسلام کی ولایت اور مسلمانوں کی زعامت کا بارگراں سنبھالے رہے۔ بعض نے یہ مدتِ ولایت دس سال چھ ماہ اور چار دن کی تسلیم کی ہے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر کے بارے میں آٹھ الگ الگ باتیں کہی گئی ہیں۔

پہلی روایت :۔ ترسیٹھ سال ہے۔ اس روایت کے راوی شعبی کے واسطے سے معاویہ رضؓ ہیں۔ اس کی رُو سے حضرت عمر رضؓ کا سن ترسیٹھ سال تھا۔

دوسری روایت :۔ چھیاسٹھ سال کی ابن عباس رضؓ کی ہے۔ تیسری روایت ابن عمر رضؓ اور زہری کی پینسٹھ سال ہے۔

چوتھی روایت جو زید بن عبداللہ کی ہے اس کے مطابق حضرت عمرؓ پچپن سال میں مرے۔
پانچویں روایت چھپن سال کی ہے۔ چھٹی ستاون اور ساتویں اُنسٹھ سال کی ہے۔ میں نے یہ تینوں اقوال نافع کے تحریر کیئے ہیں۔ آٹھواں قول قتادہ کا ہے جس کی رُو سے فاروق اعظم کا انتقال اکسٹھ سال میں ہوا تھا۔ (چونکہ یہاں حضرت معاویہ رضؓ کی روایت کو اولیت دی گئی ہے اس لیے یہی روایت قابل قبول ہے اور اسی روایت پر اُمّت کا اجماع بھی ہے)
(ش۔ح۔ع)

باب ۶۹

حضرت خلیفہ ثانی کی نمازِ جنازہ اور تدفین

اس سلسلے میں نافع نے عبداللہ بن عمرؓ کا ذیل کا بیان ہم تک پہنچایا ہے:

"عمر شہید مرے اور انھیں غسل بھی دیا گیا۔ کفن بھی پہنایا گیا اور ان کی نمازِ جنازہ بھی پڑھی گئی۔ یہ نماز مسجد نبوی میں پڑھی گئی۔

ابن سعد کا قول ہے:۔

"علی بن الحسینؓ نے جب سعید بن المسیّب سے پوچھا کہ حضرت عمرؓ کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی تھی، تو انہوں نے جواب دیا گیا "صہیبؓ نے۔"

ابن حسین رضؓ نے اس نماز میں تکبیروں کی تعداد دریافت کی تو بتایا گیا کہ تکبیروں کی تعداد چار تھی۔ پوچھنے پر انھیں (علی بن حسین کو) یہ بھی بتایا گیا کہ، حضرت عمر کی نمازِ جنازہ قبر رسولؐ اللہ اور منبرِ نبوی کے درمیان پڑھی گئی۔

ابن المسیّب کا بیان ہے کہ:۔

جس وقت مسلمانوں نے صہیب رضؓ کو عمری احکام کے مطابق نماز پڑھتے دیکھا تو امامت کے لیے ان کو آگے بڑھا دیا۔ حضرت عمر رضؓ کو قبر میں لے کر اترنے والوں ہیں بقول جابرؓ:۔ حضرتِ عثمان رضؓ سعید بن زید بن عمرو رضؓ، صہیبؓ اور عبداللہ بن عمرؓ تھے

ہشام بن عروہ کے بیان کے مطابق:۔

جب ولید بن عبدالملک کے عہد میں شیخین کرام رضؓ کی قبروں پر دیوار گری اور

اس کی از سرِ نو تعمیر شروع ہوئی تو اس دوران انھیں ایک پاؤں نظر آیا اور اس خیال سے کہ کہیں یہ پاؤں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ ہو لوگ کانپ اٹھے۔

اب تلاش ایسے معتبر شخص کی تھی جو تیقن سے کہہ سکے کہ یہ پاؤں کس کا تھا، آخر میں حضرت عروہ نے فیصلہ کیا:۔

"یہ ہرگز آنحضرت صلعم کا پاؤں نہیں ہو سکتا۔ یہ پاؤں عمر کا تھا۔"

باب ۷۰

موت عمرؓ پر اسلام کی گریہ وزاری

ابی بن کعب نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ:۔
جبریل علیہ السلام نے آپ سے فرمایا کہ:۔
"عمرؓ کی موت پر خود اسلام گریہ کناں ہے"

باب ۱۷

اُمّتِ محمّدیؐ کا غمِ عمرؓ

ہم نے حضرت عمرؓ کے قتل کے بیان کے سلسلے میں یہ بات کہی تھی کہ ان پر قاتلانہ حملہ کی خبر نے لوگوں کو کچھ اس انداز میں حیران و مبہوت سا کر دیا تھا جس کا مشاہدہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ احنف بن قیس نے حضرت عمرؓ کا ایک مقولہ سُن رکھا تھا کہ:۔

"قریش سردارانِ قوم ہیں اور پوری قوم ان میں سے ایک ایک کے پیچھے ہے"۔

چنانچہ زخمی ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے صہیب کو حکم دیا کہ وہ تین دن تک یعنی جس وقت تک اُمّت نئے امیر کا چناؤ نہ کر لے، مسلمانوں کو نماز پڑھائیں اور امامت کے ساتھ ساتھ قوم کو کھلانے کی ذمہ داری بھی سنبھال لیں۔

دستر خوان چُن دیے گئے، لیکن شدّتِ غم و الم سے کسی نے بھی تو کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔ صورتِ حال کے پیشِ نظر حضرت عباس رضؓ نے قوم کو مخاطب کیا اور کہا:۔

"بھائیو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔ اور اس جانکاہ اور عظیم غم کے باوجود آخر ہم نے کھایا بھی پیا بھی پھر ابوبکرؓ مرے اور اتنے محبوب قائد کی مفارقت پر بھی ہم نے زندگی کے معمولات جاری رکھے۔ لہٰذا موجودہ غم کے باوجود ہمیں اپنے پر جبر کرنا ہے اور کھانا پینا پھر شروع کر دینا ہے"۔

حضرت عباسؓ نے اس کے بعد کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا، اور جب اور لوگوں نے بھی یہی کیا تو سب کو جیسے حضرت عمرؓ کا وہ ارشاد یاد آ گیا کہ "قریش سردارانِ قوم ہیں۔"

ابوبکر المروزی محمد بن الصباح کے اور انھوں نے جریر کے اور جریر نے اپنے دادا کے حوالہ سے کہا کہ:۔

"جس وقت ہمیں حضرت عمرؓ کی موت کی اطلاع پہنچی تو لوگ یہ کہتے ہوئے سنے گئے کہ آج قیامت اُٹھ کھڑی ہوئی ہے۔"

باب ۲۷

مرگِ فاروقؓ پر اَجنّہ کی نوحہ سرائی

یہ روایت ثمامہ بن عبداللہ بن انس کی بیان کردہ ہے۔

عمر بن الخطابؓ اپنی زندگی کا آخری حج ادا کرنے جا رہے ہیں۔ ابھی وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہیں کہ ناگاہ کسی نے کہیں سے پکار کے ذیل کے یہ چند اشعار پڑھے۔ مگر یہ پڑھنے والا تھا کون؟

لوگوں نے ہر چند صحرا میں سر مارا مگر کوئی نظر نہ آیا! زید کا بیان ہے کہ عبدالحمید بن الخطابؓ نے حضرت عائشہ رضؓ کو یہ کہتے سُنا تھا کہ یہ اشعار عمرؓ کی موت پر دراصل جنوں کی نوحہ سرائی تھے۔

جزیٰ اللہ خیرا من امیرو بارکت — ید اللہ فی ذاک الاٰ ھاب الممزق

ولیّت اموراً ثم غادرت مثلھا — فوا ئح فی اکما مھا لم تفتق

فمن یسع اویرکب جناحی نعامۃ — لیدرک ما قدمت بالامس یسبق

وَماکنت اخشیٰ ان تکون وفاتہ — بکفی سبنتی ازرق العین مطرق

فیا لقتیل باالمدینۃ اظلمت — لہ الارض واھتز العضاہ بأسوق

فلقاک ربی فی الجنان تحیۃ — ومن کسوۃ الفردوس لا تتخرق

یہاں چوتھے شعر میں السبنتی سے مُراد تیندوے سے ہے۔ یہ تشریح ابوعبید القاسم بن سلام کی ہے۔ اسی شعر میں ازرق العین (یعنی نیلی آنکھوں والے) سے یہ گمان

گزرتا ہے کہ ممکن ہے اس سے مراد غیر عرب اور دشمن سے ہو۔ اس لیے کہ عربوں میں نیلی آنکھیں نادر الوجود ہوتی ہیں۔ تو گویا اس شعر کا مفہوم یہ ہے کہ مجھے یہ توقع بالکل نہ تھی کہ عمر کی موت ایک نیلی آنکھوں والے درندہ صفت دشمن کے ہاتھوں واقع ہوگی۔ سلیمان بن یسار نے جنوں کی نوحہ سرائی کے سلسلے میں ذیل کے یہ چار اشعار نقل کئے ہیں جو متذکرہ بالا اشعار سے بڑی حد تک مشابہ ہیں۔

علیك سلام من امیر و بارکت | ید اللّٰه فی ذاك الادیم الممزق
قضیت اموراً ثم غادرت بعدها | بوائق فی اکمامها لم تفتق
فمن یسع او یرکب جناحی نعامة | لیدرك ما قدمت بالامس یسبق
ابعد قتیل بالمدینة اظلمت | له الارض واهتز العضاہ باسوق

معروف بن ابو معروف نے یہ کہا کہ عمرؓ پر جس وقت قاتلانہ حملہ ہوا تو انھیں ایسا محسوس ہوا کہ کوئی کہنے والا یہ کہہ رہا ہے:۔

لبیك علی الاسلام من کان باکیا
فقد اوشکوا ھلکا وما قدم العھد
وادبرت الدنیا و ادبر خیرھا
وقد ملھا من کان یومنه الوعد

محمد بن ثابت البنانی نے بھی اپنے والد کے توسط سے عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا ہے:۔

”تمہیں اپنی مجلس آرائیوں کا معیار بلند کرنا منظور ہو تو عمرؓ کا ذکر بار بار کرو۔ اور یہ قول بھی:۔

”شقی القلب ابو لؤلؤۃ عمرؓ پر جھپٹا اور ان پر قاتلانہ وار کر دیا جس سے وہ ہلاک ہوگئے اور ہمیں خوب یاد ہے کہ جس وقت عمرؓ کو کفن سے ڈھانپ کر لٹا دیا گیا تو

ہمارے مکان کی ایک نامعلوم سمت سے یہ آواز آتی سنائی دی۔

لبیک علی الاسلام من کان باکیا　　فقد اوشکوا ھلکا وما قدم العھد

وادبرت الدنیا وادبر خیرھا　　وقد ملھا من کان یومنہ الوعد

ذیل میں ان اشعار کا منظوم ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ مختلف روایات کی رُو سے ہیں جنوں کی نوحہ سرائی کے یہ چند اشعار جو پہنچے ہیں وہ قریب المعنی ہیں۔ ترجمہ درج ذیل ہے۔ ش۔ ح۔ ع)

ملبوس پارہ پارہ میں اک مرد ذی وقار
جاتا ہے اِس جہاں سے بصد شانِ اعتبار
پیماں پہ کاربند تھا روزِ الست کے
عقبٰی میں سُرخ رُو ہو محبت کا تاجدار
آلام سہہ کے خود، غم گیتی مٹا گیا
جاتے ہی اس کے مٹ گیا گلشن کا سب نکھار
اب کون مشکلوں کو مُسخّر کرے گا یوں
اب کون کرسکے گا نگاہِ خرد شکار
چاٹے ترا لہو ثمرِ نیلگوں نگاہ
کس کو خبر تھی آہ پیمبرؐ کے جاں نثار
گلگوں قبائے شہرِ مدینہ کی موت پر
کانپا فلک تو روئی زمینِ عزا گزار
جنت میں منتظر ہیں ملائک قدوم کے
فردوس نزہتوں کو سمیٹے گا جھوم کے

(ش۔ ح۔ ع)

باب ۳۷

ام المومنین حضرت عائشہؓ کی تعظیم عمرؓ

ہشام نے اپنے والد سے اور ہشام کے والد نے خود حضرت صدیقہ رضؓ سے سُن کر ان کا ذیل کا بیان ہم تک پہنچایا ہے:۔

عموماً جب میں اپنے اس مکان میں، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے والد (مدفون) ہیں، داخل ہوتی تو اس خیال سے کہ ان میں ایک میرے شوہر ہیں اور ایک والد، حجاب کا زیادہ لحاظ نہ رکھتی تھی۔ لیکن جب عمر رضؓ بھی اسی جگہ دفن ہو گئے تو پھر میں محتاط ہو گئی اور جب تک میرا لباس مجھے بالکل محجوب اور پوشیدہ نہ کر لیتا میں عمر رضؓ کی شرم سے گھر کے اندر نہ آتی۔ اس سلسلہ میں عمر رضؓ نے حضرت عائشہ رضؓ سے جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ بھی کم و بیش یہی ہیں۔ وہ الفاظ یہ ہیں:۔

"عمر کے دفن ہونے سے پہلے نہ تو میں اپنا آنچل سر پر ڈالتی تھی اور نہ پورا حجاب ملحوظ رکھتی تھی۔ مگر بعد میں میں اس سلسلے میں بے حد محتاط ہو گئی اور قبروں اور مکان کے رہائشی حصہ کے درمیان ایک دیوار اٹھا دی گئی تو البتہ میں پھر سے اپنے بعض کپڑے اپنے سے علیحدہ کر دیا کرتی اور حجاب کا زیادہ لحاظ نہ کرتی۔

باب ۴۷

فاروقؓ کے منامات یعنی
ان کے دیکھے ہوئے بعض خواب

ابن عمرؓ اپنے گرامی قدر والد کا بیان نقل کر رہے ہیں:۔

میں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ حضور انور میری طرف بالکل متوجّہ نہیں ہو رہے، میں نے عرض کیا:۔

"رسول اللہ آخر مجھ سے کیا خطا سرزد ہوئی؟"

حضور نے ارشاد فرمایا:۔

"تم اس کا لحاظ نہیں رکھتے کہ روزہ میں بوسہ سے اجتناب برتنا چاہیئے۔"

میں نے عرض کیا:۔

"اس کی قسم! جس نے آپ کو سچائی کے ساتھ ہمارے درمیان بھیجا ہے۔ میں روزہ کی حالت میں بوسہ نہیں لیتا۔"

محمد بن سعد نے حضرت عمرؓ سے یہ الفاظ بھی منسوب کئے ہیں:۔

"بھائیو! میں نے ایک خواب دیکھا ہے جس کی تعبیر اس کے ماسوا اور کچھ نہیں کہ میری موت بہت نزدیک ہے۔ میں نے دیکھا کہ سُرخ رنگ کے ایک مُرغ نے مجھے دوبار اپنی چونچ سے ٹھونگیں ماریں۔ اس خواب کو میں نے اسماء بنت عمیس سے بیان کیا تو انھوں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ مجھے ایک عجمی شخص قتل کر دے گا۔"

باب ۷۵

اُمّت کا خیالِ فاروقِ اعظم

عوف بن مالک الاشجعی کا بیان ہے کہ ابوبکرؓ کے دَور میں انھوں نے یمن میں ایک خواب دیکھا۔ وہاں سے آنے پر انھوں نے اپنا خواب صدیق اکبرؓ سے بیان کیا۔ عمرؓ نے بھی اس کے بارے میں سُنا تو مجھ سے پوچھا:۔

"یہ تم ٹھیک کہتے ہو؟"

میں نے کہا "بے شک"، مگر مجھے اسے ابوبکر سے بیان کرنے میں تھوڑا سا حجاب ہوا۔ خواب یہ تھا:۔

عمرؓ کا قد سب سے اونچا نظر آرہا تھا، اور جیسے وہ تمام لوگوں سے اونچے اونچے چل رہے تھے۔ مجھے حیرت ہوئی اور میں نے خواب ہی میں سوال کیا:۔

"یہ آخر کیسے ممکن ہوسکا۔ کسی نے کہا، یوں کہ عمرؓ حق کے معاملہ میں اس بات کی مطلق پرواہ نہیں کرتے کہ کوئی کیا کہے گا اور کیا نہ کہے گا۔ اس لیے بھی کہ انہیں اہلِ ایمان کی سرداری ملی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ انہیں شہادت کا درجہ نصیب ہوگا"

امیرالمومنین بول اٹھے:۔

"میں جزیرہ نُما کے اندر بیٹھا ہوا ہوں پھر قیصر وکسریٰ کی عملداریوں کے درمیان میرے لیے شہادت کا کیا امکان ہوسکتا ہے؟"

انہیں جواب دیا گیا :۔

"اللہ کو منظور ہو گا تو شہادت کا سامان یہاں بھی میسر ہو گا"۔

انہی عوف بن مالک الاشجعی کا بیان ہے :۔

"عہد صدیقی میں مین نے ایک خواب دیکھا کہ جیسے آسمان سے ایک رسی لٹکی ہوئی ہے اور سب گردن اٹھا اٹھا کے اسے دیکھنے کی اور چھونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ عمرؓ اور لوگوں سے بمراتب بلند نکلے۔ خواب ہی میں میں نے پوچھا، یہ کیا ماجرا ہے ؟"

کسی نے کہا :۔

درا صل عمرؓ اللہ تعالیٰ کے خلفاء میں سے ہیں۔ وہ حق کے باب میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے۔ اور وہ شہادت پائیں گے۔ دوسرے دن صبح میں نے یہ خواب ابوبکرؓ سے بیان کیا۔ ابوبکرؓ نے اپنے غلام کی معرفت ابوحفص کو بلا بھیجا اور جب وہ (ابوحفص یعنی عمر بن الخطاب) آئے تو کہا :۔

"عوف ! تم کیوں نہیں اپنا خواب عمرؓ سے بیان کرتے۔ میں نے بیان کیا اور جب میں یہاں پہنچا کہ عمرؓ کو خلافت بھی ملے گی، تو فاروق رضؓ نے کہا :۔

"کیا آدمی خواب میں یہ سب بھی دیکھتا ہے ؟"

ابوبکر نے فرمایا :۔

"عوف تم پورا خواب بیان کرو"۔

بہر حال میں نے پورا خواب بیان کیا۔ اس کے بعد وہ دور آیا جب عمر رضی اللہ عنہ کو ولایت سونپی گئی۔ اس وقت میں بھی جابیہ میں تھا۔ اس جگہ اُمّت سے خطاب کر چکنے کے بعد امیر المومنین نے مجھے اپنے پاس بٹھا لیا اور فرمایا :۔

"ہاں، وہ خواب پھر بیان کرو"۔

میں نے کہا "آپ نے تو اس خواب کو ناپسند فرمایا تھا"۔

کہنے لگے :۔

"مردِ خدا، تمہارا یہ خواب دھوکا تھا۔ یعنی خلیفہ تو میں بے شک ہوا اور حق کے معاملہ میں بھی میں کسی کی ملامت سے نہیں ڈرتا۔ اور خدا کرے میری یہ حق کوشی اللہ تعالےٰ کے یہاں مقبول ہوئی ہو، مگر یہ جزیرہ نمائے عرب میں رہتے ہوئے مجھے شہادت کیسے میسّر آجائیگی، بہرحال میں نے بھی تو ایک ایسا ہی خواب دیکھا ہے۔ ایک مرغ نے میرے جسم پر ٹھونگیں ماریں اور اسے کوئی چیز ایسا کرنے سے باز نہ رکھ سکی، یعنی وہ برابر مجھے ٹھونگیں مارتا رہا۔"

اعمش سے روایت ہے :۔

"ابو بکر رضی اللہ عنہ نے معاذ بن جبل کو عامل مقرر کیا اور جب وہ اپنی عملداری سے لوٹے تو ان کے ساتھ بہت سا ساز و سامان تھا۔ خلیفہ اول اور جانشین پیمبرؐ سے انھوں نے کہا، "ان میں تو کچھ بیت المال کے لیے ہے اور وہ اشیاء جو مجھے بطور تحفہ ملی ہیں وہ میں اپنے لیے رکھتا ہوں۔ فاروقؓ تقوی سرشت نے معاذ سے اصرار کیا کہ انہیں کُل کا کُل سامان بیت المال کو دینا ہوگا۔ یعنی ابو بکرؓ کو بحیثیت خلیفۃ الرسولؐ کے سپرد کرنا ہوگا۔"

معاذ بن جبل نے انکار کیا۔ انہیں اسی رات ایک خواب دکھائی دیا جو یہ تھا :۔

وہ آگ کے ایک بہت بڑے الاؤ سے ذرا ہٹ کر اوپر کی طرف کھڑے ہوئے ہیں۔ اور یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ آگ میں اب گرے اور اب گرے۔ اتنے میں عمرؓ آئے اور ان کو کمر سے پکڑ کر الاؤ سے دور کر لیا۔ صبح ہوتے ہی وہ ابو بکرؓ کے پاس آئے اور اپنا خواب بیان کیا اور جو جو اشیاء وہ عملداری سے اپنے ساتھ لائے تھے وہ حکومت کو سونپ دیں۔ ثانی اثنین نے فرمایا :۔

"معاذ ! اگر تم نے یہ سب کچھ بغیر اصرار کے کیا ہے یعنی خواب دیکھتے ہی یہ سارا

سامان میرے سپرد کر رہے ہو تو بہت اچھی بات ہے۔ اور اب یہ سب تم کو حلال ہے"۔
فاروق نے بھی فرمایا:۔
"ہاں اب البتہ یہ سب تم کو جائز ہے"۔
اعمش نے شقیق سے بھی اس خواب کا قصہ تقریباً اسی انداز سے سنا تھا۔ اس کی تکرار یہاں بے سُود ہے۔
ایک اور پر اسرار خواب مشہور اور جلیل القدر صحابی ابو موسیٰ اشعری رض کا ہے جو انس بن مالک کے وسیلے سے ہم تک پہنچا ہے۔ اشعری کا خواب خود اُن کے الفاظ میں یہ ہے:۔
"میں نے دیکھا جیسے میں نے بہت سی ٹڈیاں اپنے ہاتھوں میں پکڑ رکھی ہیں۔ اور ایک ایک کر کے وہ مرنے لگی ہیں۔ یہاں تک کہ صرف ایک ٹڈی باقی بچی ہے میں نے اسی کو پکڑے رکھا اور اس کو لیے لیے ایک دشوار گزار پہاڑی پر پہنچ گیا جسے سر کرنا بے حد مشکل تھا۔ یعنی وہاں قدم جما نا مشکل تھا۔ وہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ ان کے برابر میں ابو بکر رض بھی کھڑے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ حضور انور عمر رض کو ہاتھ کے اشارے سے بلا رہے ہیں"۔
بیدار ہوتے ہی میں نے کہا "انا للہ وانا الیہ راجعون۔ سمجھنا چاہیئے کہ اب میر المومنین جلد ہی مر جائیں گے"۔
انس بن مالک کہتے ہیں:۔
"میں نے کہا، یہ خواب اب آپ امیر المومنین کو کیوں نہیں لکھ بھیجتے؟"
ابو موسیٰ نے جواب دیا:۔
"میں اُنھیں (امیر المومنین کو) انہی کی موت کی خبر نہیں دوں گا"۔
یحییٰ بن عبد الرحمٰن نے عباس بن عبد المطلب سے روایت کی ہے:۔

"میں عمر رضؓ کا پڑوسی رہ چکا ہوں۔ میں نے ان کے شب و روز دیکھے ہیں۔ راتیں ان کی عابد شب زندہ دار کی طرح اور دن ان کے روزے اور اجتماعی خدمات میں کٹتے تھے۔ عمر رضؓ وفات پا گئے تو میں نے اللہ تعالےٰ سے دعا کی کہ وہ مجھے انھیں خواب میں دکھائے۔ بہر حال ایک دن مجھے وہ خواب میں دکھائی دیئے۔ میں نے دیکھا کہ وہ مدینہ کے بازار کی سمت سے چلے آرہے ہیں۔ سلام کے بعد میں نے پوچھا۔ آپ کیسے ہیں؟"

فرمایا، "اچھا ہوں۔"

پھر میں نے سوال کیا، "آپ کے ساتھ کیا ہوا؟"

فرمایا، "حساب سے مجھے اب کہیں جا کے فراغت ہوئی۔ حق تو یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ سے اِس رحمت اور اِس رافت کا برتاؤ نہ کیا ہوتا تو میرا تو تختہ الٹ گیا ہوتا۔"

عبداللہ نے عبیداللہ بن عباس سے روایت کی ہے:۔

عباس عمر رضؓ کے دوست تھے، عمر رضؓ کی شہادت کے بعد عباس رضؓ نے اللہ تعالےٰ سے دعا کی کہ وہ انھیں خواب میں عمر رضؓ سے ملوا دے۔ سال بھر کے بعد عباس کو خواب میں عمر رضؓ نظر آئے۔ ان کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھ رہے تھے۔ عباس نے پوچھا:۔

"یہ تم کیا کر رہے تھے؟"

کہا، "اب میں حساب سے فارغ ہوا ہوں۔ اور رحمتِ خداوندی میرے شاملِ حال نہ ہوتی تو میرا تو تختہ ہی الٹ گیا تھا۔"

عباس کا یہ خواب تقریبًا انہی الفاظ میں موسیٰ بن سالم اور ابو جہضم سے بھی مروی ہے۔

عبداللہ بن عمر رضؓ کہتے ہیں کہ میری شدید آرزو تھی کہ مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ عمر رضؓ

کے ساتھ کیا ہوا۔ چنانچہ ایک رات مجھے خواب میں ایک قصر نظر آیا۔ میں نے پوچھا:۔
"یہ قصر کس کا ہے، کون اس قصر کا مکیں ہے؟ مجھے بتایا گیا یہ قصر عمر بن الخطابؓ کا ہے۔ تھوڑی دیر میں عمرؓ قصر سے برآمد ہوئے۔ ان کے جسم پر ایک ملحفہ (بڑا تولیہ) تھا۔ معلوم ہوتا تھا ابھی ابھی انھوں نے نہایا ہے۔ میں نے پوچھا، "آپ کیسے ہیں؟" فرمایا:
اچھا ہوں، ربِّ غفور کی کرم گستری نہ ہوتی تو میں تباہ ہو گیا تھا"۔ پھر مجھ سے پوچھا، "تم لوگوں سے جُدا ہوتے مجھے کتنا عرصہ ہوا؟"

میں نے کہا، "بارہ سال"۔

فرمایا، "حساب سے مجھے اب چھٹکارا مل سکا ہے"۔

باب ۷۶

فاروق اعظم کی ازواج و اولاد

روایت از محمد بن سعد :-

حضرت عمرؓ کی اولاد میں عبداللہ[1] ابن عمرؓ ، عبدالرحمٰن اور حفصہؓ ، زینب کے بطن سے ہیں۔ یہ زینب[1] بیٹی ہیں مظعون بن حبیب بن حذافہ بن جمح کی۔ اس کے علاوہ زید الاکبر (جو لاولد مر گئے) اور رقیہ ہیں جو حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہ علیہا السلام کی صاحبزادی ام[2] کلثوم کے بطن سے ہیں۔ زید الاصغر اور عبید اللہ جو معاویہؓ کی طرف سے لڑتے ہوئے صفین کے معرکہ میں قتل ہوئے۔ ام[3] کلثوم بنت جرول بن مالک بن المسیب بن ربیعہ بن اصرم کے بطن سے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنی ایک بیوی ملیکہ بنیت جرول کو مشرکہ ہونے کی بناء پر طلاق دے دی تھی۔ حضرت عمرؓ کے بیٹے عاصم جمیلہؓ بنت ثابت بن ابی الافلح کے بطن سے ہیں۔

عبدالرحمٰن الاوسط یا ابوالمجبر (یا بقول زبیر بن بکار ابوشحمہ) لھیہ[6] کے بطن سے ہیں۔

لھیہ ام[7] ولد تھیں۔ اسی طرح عبدالرحمٰن الاصغر بھی ام ولد کے بطن سے ہیں۔

حضرت عمرؓ کی ایک اور صاحبزادی فاطمہ[8] ام حکیم بنت الحارث بن ہشام کے بطن سے ہیں۔ ان اولاد کے ماسوا عیاض بن عمر بھی ہیں جن کی والدہ عاتکہ[9] بنت زید بن عمرو ابن نفیل (حضرت عمرؓ کی چچازاد بہن) ہیں۔ حضرت عمرؓ کی سب سے کم عمر اولاد کا نام زینب ہے جن کی ماں فکیہہ[10] ام ولد ہیں۔

ام کلثوم بنتِ علی ابن ابی طالب سے نکاح کے بارے میں زبیر بن بکار کا بیان ذیل میں مسطور ہے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت علی کے گھر ام کلثوم کا پیغام دیا۔ حضرت علیؓ نے ام کلثوم کی صغر سنی کا عذر کیا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے حضرت ابوالحسنؓ سے کہا کہ انہیں ام کلثوم میں جو برگزیدگی اور نسبی شرف نظر آتے ہیں وہ ان کے اس پیام کے محرک ہیں۔ حضرت علیؓ نے تھوڑے سے تامل کے بعد اس رشتہ کو منظور کر لیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ مہاجرین اولین کی مجلس میں تشریف لے گئے اور فرمایا:۔

"مجھے مبارک باد دو، مجھے مبارک باد دو۔" مہاجرین نے پوچھا:۔

"مبارک باد کی تقریب بھی تو معلوم ہو!" فرمایا:۔

"میں نے ام کلثوم بنت علی بن ابی طالبؓ سے شادی کی ہے۔ اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ روز محشر تمام نسبی تعلقات، قرابتیں اور دامادیاں منقطع ہو جائیں گی۔ سوائے ان تعلقات، قرابتوں اور دامادیوں کے جو میری ذات سے متعلق ہیں۔ چنانچہ نسبی تعلقات اور قرابت داری پر میں نے اسی دامادیِ خاندانِ پیمبرؐ کا اضافہ کیا ہے۔"

ام کلثوم بنتِ علیؓ کے بطن سے حضرت عمرؓ کے یہاں دو اولادیں یعنی زید اور رقیہؓ ہوئیں۔ محمد بن سعد نے محمد بن عمر سے روایت کی ہے کہ جب فاروق اعظمؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو، ام کلثوم کے لئے شادی کا پیغام دیا تو آپ نے ام کلثوم کی کم عمری کے پیش نظر پہلے معذرت کی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا:۔

"یہ صحیح ہے، لیکن اس کے باوجود خاندانِ نبوت سے مزید قربت کی خاطر میری خواہش یہی ہے۔

اس کے بعد حضرت علیؓ نے ام کلثوم کو تہ کی ہوئی ایک چادر عنایت کی اور

فرمایا کہ :۔

"اسے لے کر امیر المومنین کی خدمت میں جاؤ اور ان سے میرا سلام کہو، اور پھر کہو کہ، اگر آپ اس چادر سے مطمئن ہوں، تو اسے اپنے پاس رکھ لیں اور یہ منظور نہ ہو تو اسے واپس بھجوا دیں۔"

"ام کلثوم جس وقت تشریف لے آئیں تو امیر المومنین نے فرمایا :۔

"اللہ تعالےٰ تمہاری اور تمہارے والد ماجد کی زندگی میں برکت دے ہم (اس چادر سے) مطمئن ہیں۔"

ام کلثوم نے واپس آن کر اپنے گرامی قدر والد سے بیان کیا کہ امیر المومنین نے نہ تو چادر کو کھولا اور نہ میری طرف نگاہ کی!

بعد ازاں حضرت علی رضؓ نے ام کلثوم کو فاروق اعظمؓ کے نکاح میں دے دیا۔

عطاء الخراسانی کے خیال میں اس شادی میں حضرت عمر رضؓ نے ام کلثوم کو چالیس ہزار درہم بطور مہر کے دیئے۔

بشر بن عبید اللہ نے بیان کیا ہے کہ :۔

"حضرت عمر رضؓ کی ایک بیوی عاصیہ[۱۱] نام کی تھیں۔ یہ بڑی صاحبِ جمال تھیں بعد میں حضور انور صؐ نے ان کا نام بدل کر جمیلہ رکھ دیا تھا۔

حضرت عمر رضؓ اپنی ان بیوی سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ اور بیوی بھی (یعنی جمیلہ) اپنے عظیم المرتبت شوہر سے محبت کرتی تھیں۔

ابن عمر رضؓ جو حدیث و روایات کی زنجیر زر کی ایک بڑی اہم کڑی ہیں، بیان کرتے ہیں :۔

"میرے والد کا طرز عمل یہ تھا کہ جب وہ قوم کو کسی خاص عمل سے باز رہنے کی تلقین کرتے تو اپنے اہل کنبہ کو اکٹھا کرتے تھے اور اعلان کر دیتے تھے کہ میں نے لوگوں پر مثلاً یہ

قدغن عائد کی ہے اور اب تمام لوگوں کی نگاہیں تم پر مرکوز ہیں۔ وہ تمہیں اب یوں دیکھ رہے ہیں جیسے گوشت خور پرندے گوشت کو دیکھتے ہیں۔

یاد رکھو! اگر تم میں گراوٹ پیدا ہوئی تو پھر قوم کو گرنے سے کوئی نہیں روک سکتا، لیکن اس کے برعکس اگر تم نے میرے وقار کو ملحوظ رکھا تو قوم بھی یہی کرے گی اور بخدا میں نے طے کر لیا ہے کہ تم میں سے کسی نے بھی قانون شکنی کی تو میں اس کی سزائیں اسکی میری اپنی ذات سے قربت کے پیشِ نظر اضافہ کر دوں گا۔ آگے تم لوگ خود ذمّہ دار ہو۔"

باب ۷۷

فاروقؓ کی عدالت

محمد بن عمر نے اسامہ بن زید بن اسلم سے، انھوں نے اپنے والد اور ان کے والد نے اپنے والد سے یہ روایت کی ہے :-

"ایک دن میں نے عمرو بن العاص کو عمرؓ کا ذکر کرتے سُنا تو جیسے بات کرتے ان کا دل بھر آیا۔ اور فرمایا، "میں نے رسول اللہ اور ابو بکرؓ کے بعد عمرؓ سے زیادہ کسی کو اللہ سے ڈرتے نہیں دیکھا۔ حق کے معاملہ میں نہ وہ باپ کی پرواہ کرتے نہ بیٹے کی۔ اس کے بعد عمرو نے بیان کیا :-

"جیسے ابھی کل کی بات ہو، میں مصر میں اپنی قیام گاہ میں بیٹھا ہوا تھا، کسی نے آن کر اطلاع دی کہ عمرؓ کے بیٹے عبداللہ اور عبدالرحمٰن بسلسلۂ جہاد آئے ہوئے ہیں۔ میں نے پوچھا :- "یہ دونوں کہاں ٹھہرے ہیں ؟" مجھے بتایا گیا کہ شہر کے بالکل سرے پر ٹھہرے ہیں۔ اس سے پہلے مجھے امیرالمومنین نے لکھ بھیجا تھا کہ اگر میں ان کے اہل خاندان میں کسی کے ساتھ کوئی ترجیحی سلوک کروں گا کہ تو وہ مجھے اس پر قرار واقعی تنبیہ کریں گے۔ چنانچہ ان دونوں کے والد کے خوف سے نہ تو میں انہیں تحائف دے سکتا تھا اور نہ ان سے ملنے جا سکتا تھا۔ ابھی یہ ہو ہی رہا تھا کہ کسی نے کہا :-

عبدالرحمٰن بن عمر اور ابو سروعہ دم در منتظرِ ملاقات ہیں۔ میں نے کہا :-

کہہ دو اندر آجائیں۔ یہ دونوں آئے تو مگر بھیس بدلے ہوئے آئے اور کہا :-

ہم پر حد قائم کیجئے، کل شب ہم نے نشہ آور چیز پی تھی۔ اس پر میں نے انھیں سخت سست کہا اور جھڑک دیا۔

عبدالرحمٰن نے کہا:۔

"اگر آپ نے ہم پر حد نہ قائم کی تو میں والد کو اطلاع دے دوں گا"۔ چنانچہ اب میری قطعی رائے یہ ہوئی کہ حد قائم ہونی چاہیئے ورنہ امیرالمومنین مجھ پر غضبناک ہو جائیں گے اور مجھے معزول کر دیں گے۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ عبداللہ بن عمرؓ بھی آگئے۔ میں انھیں دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے چاہا کہ ان کو مجلس میں ممتاز جگہ دوں۔ عبداللہ نے انکار کیا اور کہا:۔

"میرے والد کا حکم ہے کہ میں بغیر کسی بے حد اہم اور ناگزیر صورت کے آپ سے نہ ملوں۔ اور موجودہ صورتِ حالات اسی نوعیت کی ہے۔ میرا بھائی سب کے سامنے سر منڈوانے پر کسی صورت راضی نہ ہوگا۔ رہا ضرب کا معاملہ، سو اس میں آپ کو اختیار ہے"۔

میں نے عبدالرحمٰن اور ابوسروعہ کو قصرِ امارت کے صحن میں نکالا اور حدِ شرعی قائم کرتے ہوئے انھیں کوڑے رسید کئے۔ چونکہ حد قائم کرنے کے ساتھ ساتھ شرعی مجرموں کے سر بھی منڈوائے جاتے تھے۔ اسلئے ان کے اور عبدالرحمٰن دونوں کے برملا حلقِ راس سے انکار پر دونوں کی رعایت یوں کی گئی کہ عبداللہ اپنے بھائی عبدالرحمٰن اور ابوسروعہ کو لیکر محل کے ایک کمرے میں داخل ہوئے اور یکے بعد دیگرے دونوں کا سر مونڈا۔ میں امیرالمومنین کو اطلاع دینے ہی والا تھا کہ ان کا نامہ گرامی صادر ہوا جو یہ تھا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے بندے عمرؓ! امیرالمومنین کی جانب سے، عاصی ابنِ عاصی کے نام، ابنِ عاصی مجھے تمہاری جرأت و جسارت اور تمہاری بدعہدی پر حیرت ہوئی۔ میں نے تمہارے تقرر

ے معاملہ میں اصحاب بدر تک کے مشورہ کو قبول نہیں کیا اور جب تم نے مجھے قول دے دیا کہ تم اپنے تمام وعدے پورے کروگے اور میرے احکامات کے نفاذ میں کوشش کروگے تو میں نے تمہیں امارت کے لیے چن لیا۔ اب مجھے محسوس ہوا کہ تم نے بدعہدی کی ہے اب میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ تم کو معزول کردوں۔ تم نے میرے لڑکے عبدالرحمٰن کو برملا سزا دینے سے احتراز کیا۔ تمہیں معلوم تھا کہ یہ میرے احکامات کی صریح خلاف ورزی ہے۔ عبدالرحمٰن کی حیثیت بھی کسی دوسرے شہری کی حیثیت تھی اور ان کے ساتھ بھی وہی سلوک ہونا چاہیئے تھا جو کسی دوسرے کے ساتھ ہوسکتا ہے۔ مگر تم نے تو یہ سوچا کہ عبدالرحمٰن امیرالمومنین کے بیٹے ہیں۔ میرا مسلک یہ ہے کہ خدائی احکام کے نفاذ میں کسی کی رُو رعایت نہیں ہونی چاہیئے۔ میرا یہ نامہ پہنچے تو عبدالرحمٰن کو کو ایک اونٹ کی ننگی پشت پر سوار کرکے بھجوادو۔ تاکہ اسے اس کی کارگزاری کا مزا چکھایا جاسکے۔"

میں نے عبدالرحمٰن کو روانہ کر دیا اور ابن عمر کو ان کے والد کا خط پڑھوا دیا۔ اس کے بعد میں نے امیرالمومنین کو معذرت کا ایک خط لکھا اور اس میں میں نے لکھا:۔

"اُس کی قسم، جس کی قسم سے بڑھ کر کوئی قسم نہیں ہوسکتی۔ مسلمان یا غیر مسلم، حدّیں قصرِ امارت کے صحن ہی میں قائم کرتا ہوں۔"

اپنا یہ خط میں نے عبداللہ بن عمرؓ کے حوالے کر دیا۔

خلاصۂ کلام، جب عبدالرحمٰن اپنے والد کے پاس پہنچے تو حالت یہ تھی کہ وہ ایک لبادہ اوڑھے ہوئے تھے اور نقاہت کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے اونٹ سے اتر بھی نہ سکتے تھے۔ چھوٹتے ہی امیرالمومنین نے کہا:۔

"عبدالرحمٰن یہ تم نے کیا کیا؟" اور بس انہیں دُرّے رسید کرنے شروع کر دیئے۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا بھی:۔

"امیر المومنین! ایک بار تو اس لڑکے پر حد قائم ہی ہو چکی ہے"۔
عمرؓ ذرا متوجہ نہ ہوئے اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو جھڑک دیا۔ اب عبدالرحمٰن بن عمرؓ چیخنے لگے اور کہا:۔
"میں بیمار ہوں اور آپ مجھے مارے ڈال رہے ہیں" لیکن عمر بیٹے کو مارتے رہے اور انہیں قید کر دیا۔ اور وہ مزید بیمار ہوئے اور مر گئے۔
زہری نے سالم بن عبداللہ سے اور انھوں نے عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہوئے اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔
"خلافتِ فاروقی کا عہد تھا اور ہم مصر میں تھے۔ وہاں عبدالرحمٰن بن عمرؓ اور ابو سروعہ عقبہ بن الحارث نے کوئی ایسی چیز پی جو نشہ آور ثابت ہوئی۔ جب یہ بحال ہوئے تو مصر کے والی عمرو بن العاصؓ کے پاس گئے اور کہا:۔
"ہم نے نشہ آور چیز پی لی ہے ہمیں پاک کر دیجئے"۔
یہ سب کچھ ہوتا رہا اور مجھے اس کا احساس تک بھی نہ ہوا کہ یہ لوگ امیر المومنین کے پاس پہنچ گئے۔ جب میرے بھائی نے مجھ سے اس کا ذکر کیا تو میں نے کہا "تم اندر آ جاؤ، میں تمہاری شرعی سزا تم کو دے دوں اور تم کو پاک کر دوں"۔
عبدالرحمٰن نے مجھ کو بتایا کہ انھوں نے تو امیر سے ذکر کر دیا ہے۔ میں نے کہا:۔
"چلو میں خود تمہارا سر مونڈ دوں ورنہ برسرِ عام تمہیں یہ برداشت کرنا پڑے گا"۔
ان دنوں حد قائم کرنے کے ساتھ ساتھ شرعی خطا کار کا سر بھی مونڈ دیا جاتا تھا۔
عبدالرحمٰن میرے ساتھ ہو لیے اور میں نے اپنے ہاتھ سے ان کا سر مونڈا۔ اس کے بعد عمرو بن العاصؓ نے انہیں کوڑے مارے۔ یہ اطلاع امیر المومنین کو بھی پہنچی اور انھوں نے امیر مصر کو لکھا:۔
"میرے لڑکے عبدالرحمٰن کو اونٹ کی ننگی پشت پر سوار کر کے میرے پاس بھیج دو"۔

عمرؓ نے یہی کیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے انہیں (عبدالرحمٰن کو) دُرّے مارے اور ان کے پورِ خلافت ہونے کے باعث ان کو مزید سزا دی اور پھر چھوڑ دیا۔

اس کے بعد کئی مہینے تک وہ تندرست وسالم زندہ رہے۔ کچھ عرصہ بعد ان کی قضا آگئی اور وہ مر گئے۔

لیکن عوام یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ اس لڑکے کی موت فاروق اعظمؓ کے اسے سزا دینے سے واقع ہوئی ہے۔ حالانکہ اس کی موت طبعی موت تھی۔

میں (ابن جوزی) اس بات کا مخالف ہوں کہ یہ تصور بھی کیا جائے کہ عبدالرحمٰن بن عمرؓ نے شراب پی تھی۔ دراصل انھوں نے نبیذ پیا تھا اور ان کا خیال تھا کہ اس میں نشہ کی صفت نہیں پیدا ہوئی۔ یہی حال ابوسروعہ کا تھا جو اصحابِ بدر میں سے ہیں (یعنی وہ اس عظیم معرکہ حق وباطل میں پیغمبر کے جاں نثاروں اور اللہ کے غازیوں میں تھے) جس وقت نبیذ نے ان دونوں پر نشہ طاری کر دیا تو دونوں نے چاہا کہ ان کی تطہیر اور پاکی کا انتظام کر دیا جائے اور یہ اسی صورت میں ممکن تھا کہ ان پر شرعی حد قائم کی جاتی۔ ہر چند کہ اس نادانستہ نشہ خوری پر) ندامت ہی کافی تھی لیکن اللہ کے ان دونوں غیور بندوں نے اللہ کی رضا کی خاطر اپنے نفوس کو سخت ملامت کی اور اپنے کو حد کے لیے تسلیم کیا۔

جہاں تک عمرؓ کی ضرب کا تعلق ہے وہ حد نہ تھی۔ اس لیے کہ حد دہرائی نہیں جاتی بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ عبدالرحمٰن کی مزید فہمائش اور تنبیہ ہوسکے اور امت کے سامنے شرع محمدی کی عظمت کا نقش قائم ہوسکے۔

یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ لوگوں نے اس واقعہ کو امیرالمومنین سے انتقام لینے کا ایک حربہ بنا رکھا ہے۔

کبھی یہ لوگ کہتے ہیں کہ عمرؓ کے بیٹے کو بادہ نوشی کے سلسلہ میں مارا گیا اور کبھی یہ ان پر زنا کا الزام لگاتے ہیں۔ پھر رقت انگیز طرزِ کلام سے لوگوں کو

منافقانہ رُلاتے ہیں۔

میں نے اپنی تصنیف "کتاب الموضوعات" میں مختلف طریقوں سے اس روایت کا ذکر کیا ہے۔ لیکن اپنی اس کتاب کو میں نے ان روایتوں سے ملوث نہیں ہونے دیا۔

ابن عمرؓ کا ارشاد ہے:۔

"میرے والد کو اطلاع ملی کہ ان کے لڑکوں میں سے کسی نے اپنے بیرونی حصۂ مکان یا باغیچہ پر چھت ڈلوالی ہے۔ فرمایا:۔

"اگر واقعی ایسا ہے تو میں اس لڑکے کے گھر میں یقیناً آگ لگا دوں گا"۔

باب ۸۷

در حدیثِ دیگراں

ابوبکر الصدّیقؓ

پچھلے اوراق میں اس سے پہلے بھی متعدد مقامات پر حضرت عمرؓ کے بارے میں حضرت ابوبکرؓ کے تعریفی اقوال ضبطِ تحریر میں آ چکے ہیں۔ مثال کے طور پر جس وقت آپ نے اپنی جانشینی کے لیے اُمّت کے لیے عمرؓ کے نام کی سفارش کی اور آپ سے کہا گیا کہ آپ عمرؓ جیسے سخت گیر شخص کو ہم لوگوں کا حاکم بنا کر جا رہے ہیں، آخر آپ خدا کو کیا جواب دیں گے؟"

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:۔

"اس صورت میں میں یہ کہوں گا کہ اے خدا میں تیرے سب سے بڑے پرستار کو اُمّت کی زمام سونپ کر آیا ہوں۔"

اسی سے ملتی جلتی وہ بات بھی ہے کہ ایک بار لوگوں نے صدّیق اکبرؓ کے سامنے یہ تک کہہ دیا کہ:۔

"یہ تو بتائیے کہ خلیفہ آپ ہیں یا عمرؓ؟" تو اس پر آپ نے فرمایا تھا:۔

"نہیں خلیفہ دراصل عمرؓ ہی ہیں، اور کاش وہ مجھ سے پہلے ہی یہ بار سنبھال چکے ہوتے۔" غرض اس نوع کی بے شمار نظیریں ہیں جن کی تکرار بے سود ہے۔

عثمان بن عفانؓ

یہ ابن سیرین کی روایت ہے:

حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰؓ کو لکھا کہ جوں ہی میرا فرمان تمہارے پاس پہنچے تم تمام لوگوں کو ان کے روزینے بانٹ دینا اور تقسیم کے بعد جو سامان باقی بچے وہ زیاد کی معرفت میرے پاس بھجوا دینا۔ چنانچہ ابو موسیٰ نے ایسا ہی کیا۔ اتفاق سے جب حضرت عثمانؓ کا عہد خلافت آیا تو انہوں نے بھی ابو موسیٰ کو اسی قسم کی ہدایت لکھ بھیجی۔ ابو موسیٰ نے عثمانی ارشاد کی تعمیل کی۔ خلاصۂ کلام یہ کہ زیاد ساز و سامان کے ساتھ واپس آئے اور اسے پیش گاہ عثمانی میں لا کر پیش کر دیا۔ اتنے میں حضرت عثمانؓ کے گھرانے کا ایک بچہ آیا اور چاندی کا ایک گلدان لے کر چلا گیا۔ یہ دیکھتے ہی زیاد پر رقت طاری ہو گئی اور جب حضرت عثمانؓ نے زیاد سے ان کے رونے کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا:۔

"اس سے پہلے ایک بار میں اسی نوعیت کا سامان لے کر امیر المومنین عمرؓ کے پاس بھی آیا تھا اور مجھے یاد ہے کہ اس موقع پر جب ان کے یہاں کا ایک لڑکا ایک درہم لے کر چلا تو انہوں نے لڑکے کو بلا بھیجا اور درہم اس سے زبردستی چھین لیا اور لڑکا رونے لگا۔"

اس کے بعد زیاد نے کہا:۔

"اس کے برخلاف آج جس وقت آپ کے گھرانے کے ایک لڑکے نے ایک چیز اٹھالی تو میں نے نہ دیکھا کہ اسے کسی نے تنبیہہ کی ہو۔" اس پر عثمان بن عفانؓ نے ارشاد فرمایا:۔

"عمرؓ کی بات دوسری تھی۔ وہ اپنے اہل و عیال کو اللہ کی خوشنودی کی خاطر

محروم رکھتے تھے اور میں انہی اہل وعیال کو اللہ کی رضاجوئی میں داد و دہش سے نوازتا ہوں!
اب اس دنیامیں عمرؓ سا انسان کوئی نہیں آئے گا۔"

اسماعیل بن خالد کا بیان ہے کہ :۔
ایک بار عثمان بن عفان سے پوچھا گیا :۔ آپ عمرؓ بن الخطابؓ کیوں نہیں بن جاتے تو فرمایا:۔
"میں لقمان بننے کی اہلیت نہیں رکھتا" (یعنی عمر بن الخطاب بننا اتنا ہی مشکل ہے جتنا لقمان حکیم بننا مشکل ہے)

علی بن ابی طالبؓ

ابن ابی ملیکہ نے ابن عباس کا مسطورہ زیر بیان نقل کیا ہے :۔
"عمر کو ان کے بستر پر لٹا دیا گیا اور قبل اس کے کہ ان کا جنازہ حمل دوش ہو لوگوں نے گروہ در گروہ ان پر درود وسلام بھیجنا شروع کیا۔ خود میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا۔ دفعتہً میں نے محسوس کیا کہ جیسے کسی نے مجھے ہٹا کر اور میرا راستہ روک کر آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ یہ علی ابن ابی طالبؓ تھے۔ اس وقت حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کیلئے سراپا سوز و گداز تھے۔ چنانچہ فرمایا:۔
"عمرؓ تمہارے بعد اب دنیا میں کوئی ایک شخص باقی نہیں رہا جس کے اعمال پر مجھے رشک آتے اور نجدا میرا خیال بہت پہلے سے یہ تھا کہ تم اپنے دونوں ساتھیوں سے قرب حاصل کر لوگے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اکثر و بیشتر اس قسم کے جملے سنتا رہتا تھا، مثلاً :۔
"میں گیا، ابو بکرؓ گئے اور عمرؓ گئے۔ میں داخل ہوا اور ابو بکرؓ داخل ہوئے اور عمرؓ داخل ہوئے۔ میں نکلا اور ابو بکرؓ نکلے اور عمرؓ نکلے! چنانچہ مجھے یقین تھا کہ آخرکار

تم کو تمہارے دونوں ساتھیوں، رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صدیق اکبرؓ کا قرب حاصل ہوگا، یہ حدیث صحیح بخاری میں موجود ہے۔ عبدان اور ابو کریب جن سے یہ روایت مسلم نے بیان کی ہے۔ دونوں نے مبارک سے اور مبارک نے ابو جعفر سے اور ابو جعفر نے خود حضرت علیؓ سے سُن کر یہ مرتضوی بیان دیا ہے اور یہ بیان اس موقع کا ہے جب زخمی عمر کے بالیں پر شیرِ خدا تشریف فرما تھے۔ بیان کے الفاظ یہ ہیں:۔

"امت میں میں کسی کے اعمال کو عمرؓ کے اعمال کے مقابلے میں قابلِ رشک نہیں تصور کرتا۔"

جعفر نے محمد اور محمد نے اپنے والد سے روایت کی ہے۔ ان کا بیان یہ ہے:۔

"غسل اور تکفین کے بعد جب حضرت عمرؓ کو ان کے بستر پر لٹا دیا گیا تو اسوقت حضرت علیؓ نے فرمایا:۔

"بخدا! اس وقت پوری دنیا میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جس کے اعمال میرے لئے اس زیرِ کفن شخصیت کے اعمال کے مقابلے میں قابلِ رشک ہوں۔ عمرؓ نے اپنا عہد و پیمان پورا کر دکھایا۔"

اِس کے بعد حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کے چہرۂ انور سے کفن سرکایا اور یوں گویا ہوئے

"ابو حفص تم پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں۔ بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میرے لیے کوئی ایسی شخصیت نہیں جس کے بارے میں مَیں یہ سوچوں کہ کاش اس کا نامۂ اعمال مجھے مل جاتا۔"

اسی سے ملتا جلتا بیان ابن عمرؓ کا ہے:۔

یعنی جس وقت فاروقِ اعظمؓ کی نماز جنازہ پڑھی جانے والی تھی، علی ابن ابی طالبؓ تشریف لائے اور صفوں کے بالکل سامنے کھڑے تین بار ارشاد فرمایا:۔

"یہ ہیں، یہ ہیں، یہ ہیں۔ یعنی یہ ہیں عمرؓ!" پھر کہا:۔

"عمرؓ تم پر اللہ کی رحمت ہو، نبی اعظمؐ کے بعد پوری خدائی میں ایک متنفس ایسا نہیں جس کا صحیفۂ اعمال میرے لیے بھی قابلِ رشک ہو۔" اس کے بعد ارشاد ہوا:۔

"جب تک رسول اللہ صلعم کا وصال نہ ہوا تھا۔ ہمیں ابوبکرؓ کی فضیلت کا احساس نہ ہوا تھا۔ اسی طرح ابوبکرؓ کے مرنے کے بعد ہمیں احساس ہوا کہ ان کے بعد ہم میں سب سے افضل اور برگزیدہ شخصیت عمرؓ ہی کی ہے۔"

شعبی سے روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک بار فرمایا:۔

"ہم کہا کرتے تھے کہ "عمرؓ کی زبان فیضِ ترجمان اور ان کا دل آماجگاہِ عرفان ہے۔"

ابوحجیفہ نے علی اور زرین حنش سے سن کر کہا:۔

"ہمیں اس میں ذرا شک نہ تھا کہ زبانِ عمرؓ فیض ترجمان ہے اور ان کا طرزِ تکلم باوقار ہوتا ہے۔"

عمرو بن میمون نے علی بن ابی طالبؓ کو کہتے سنا تھا:۔

"ہم لوگ اگرچہ پیغمبر اکرمؐ کے رفقاء میں سے تھے تاہم ہم یہ بھی محسوس کرتے تھے کہ عمر کے کلام میں جاہ و جلال ہویدا تھا۔"

طارق بن شہاب نے بھی اسی قسم کا ایک قولِ مرتضوی نقل کیا ہے:۔

"عمرؓ سے اللہ راضی و خوشنود ہو۔ ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ (گویا) کوئی فرشتہ ہے کہ عمرؓ کی زبان سے بولتا ہے۔"

شعبی نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے:۔

ابوبکرؓ بردبار اور رحیم و کریم تھے اور عمرؓ سراپا خلوص تھے اور خود اللہ کے مخلص تھے اور اس کے کاموں کی بھلائی میں منہمک رہتے تھے۔ ہم تمام اصحابِ محمدؐ کی رائے یہ تھی کہ عمر کی زبان سے وقار و طمانیت ٹپکتے تھے۔ اسی طرح ہماری یہ بھی رائے تھی کہ شیطان کو یہ جرأت نہیں ہوتی تھی کہ وہ عمرؓ کو گناہ کی ترغیب دے سکے۔"

اسود بن قیس نے کسی سے حضرت علیؓ کا یہ بیان سنا تھا:۔

"عمرؓ نے اپنی جرأت اور شجاعت سے دین کو تقویت بخشی۔"

عبد خیر نے ذکر کیا ہے کہ ایک دن علی رضی اللہ عنہ نے قوم کو منبر سے خطاب کیا سب سے پہلے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کیا اور اس ذکر کے بعد کہا:۔

"حضور انور نے پردہ کیا اور پھر ابوبکرؓ ان کے جانشین ہوئے اور یہ جانشینی عین منشائے نبوی کے مطابق تھی۔ چنانچہ ابوبکرؓ نے پیغمبر کی اتباع کی اور اسی راہ پر گامزن رہے۔ اس کے بعد انھوں نے وفات پائی اور پھر ان کی منشاء سے عمرؓ کو خلافت سونپی گئی۔ عمرؓ نے پیغمبر اور ابوبکرؓ کی اتباع کی اور یہ کرتے کرتے ان کی زندگی تمام ہوئی۔"

ابو سریحہ سے روایت ہے:۔

"میں نے علیؓ کو کہتے سنا ہے کہ عمرؓ مخلصین خدا میں سے ہیں۔"

ابواسحٰق شعبی کہتے ہیں:۔

"نجران کے لوگ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا "امیر المومنین آج آپ کی زبان قانون ہے اور تمام احکام آپ کے ہاتھوں صادر ہوتے ہیں۔ عمری عہد میں ہمیں ہماری زمین سے نکال دیا گیا تھا۔ کیوں نہ آپ وہ زمینیں واپس کردیں۔"

حضرت علیؓ نے فرمایا:۔

"ظالمو، عمرؓ کے تمام کام صحیح ہوتے تھے اور میں ان کے دور کی کارروائیوں میں کوئی تبدیلی نہیں لاؤں گا۔"

سعید بن زیدؓ

عمرؓ واصل بحق ہوئے تو سعیدؓ بہت روئے۔ کسی نے کہا:۔

"کیسے رو رہے ہیں آپ؟" فرمایا:۔

"میں تو خود اسلام کو روتا ہوں۔ عمرؓ کی موت اسلام کا ایک کاری زخم ہے جو تا صبح محشر مندمل نہ ہو سکے گا۔ ایک خلا ہے جو تا ابد پُر نہ ہو سکے گا"۔

عبداللہ بن مسعودؓ

زید بن وہب کا بیان ہے:۔

"ایک بار ہم لوگ ابن مسعودؓ سے ملنے گئے۔ ذکر چھڑ گیا فاروق اعظم کا۔ ابن مسعودؓ پر گریہ طاری ہو گیا اور ان کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔ ہم نے دیکھا کہ ان کے آنسوؤں نے ان کنکریوں تک کو تر کر دیا ہے جن پر وہ بیٹھے تھے۔ ابن مسعود نے روتے ہوئے کہا:۔

"یاد رکھو! عمر اسلام کا ایک ایسا قلعہ تھے جس میں داخل تو ہوا جا سکتا ہے، لیکن اس میں سے نکلا نہیں جا سکتا۔ وہ مرے تو اس قلعہ میں دراڑیں پڑ گئیں۔ شگاف نمودار ہو گئے اور اب لوگ اس میں سے باہر آتے جاتے ہیں"۔

ابو وائل کہتے ہیں:۔

"عبداللہ بن مسعود ہمارے پاس آئے ہوئے تھے۔ اتنے میں کسی نے پکار کے کہا:۔ عمرؓ فوت ہو گئے"۔ ابن مسعود نے رونا شروع کیا۔ میں نے کبھی انہیں اتنا روتے، اتنا غمگین ہوتے نہیں دیکھا۔ کہنے لگے "مجھے معلوم ہوتا کہ عمر کسی جانور کو پسند کرتے ہیں تو میری نگاہوں میں وہ جانور بھی عزیز ہو جاتا"۔

عاصم نے ابو وائل کے حوالہ سے عبداللہ کا بیان نقل کیا ہے:۔

"عمر کی موت سے ہر شے متاثر ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ خار مغیلاں بھی، اور مجھے تو ہر وہ چیز محبوب ہے جو عمرؓ کو محبوب تھی"۔ انہی ابو وائل نے ایک اور موقع پر عبداللہ کا قول پیش کیا ہے:۔

"مجھے ہمیشہ یہ محسوس ہوتا رہا کہ فاروقؓ کے روبرو کوئی فرشتہ ہوتا تھا جو انھیں

راہِ راست پر قائم کیے رہتا تھا۔"

اعمش نے ابو وائل کا ایک اور بیان دیا ہے :۔

"عبداللہ بن مسعود نے کہا تھا کہ اگر عمر رضی اللہ عنہ کا علم ایک پلڑے میں اور تمام اہلِ دنیا کا علم دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو عمرؓ کے علم کا پلڑا بھاری رہے گا۔ اور میرے نزدیک تو عمرؓ کے مرنے سے علم کے دس حصوں میں سے نو حصے غائب ہو چکے ہیں۔"

ابن وہب کہتے ہیں کہ ایک بار عبداللہ نے کہا:۔

"یوں قرآت کرو جیسے عمرؓ نے تمہیں بتایا ہے اس لیے کہ وہ کتاب اللہ سے سب سے زیادہ واقف تھے اور ان کی دینی بصیرت سب سے فزوں تھی۔"

عاصم نے زر سے عبداللہ کی ایک تقریر کے چند جملے محفوظ کئے ہیں :۔

"میرا خیال یہ ہے کہ عمرؓ کے سامنے ہمیشہ ایک فرشتہ ہوتا تھا جو انھیں راہِ راست کی جانب رہنمائی کرتا تھا۔ اسی طرح میرے نزدیک شیطان کو عمرؓ سے خوف آتا ہے اور اُسے جراَتِ اغوا نہیں ہوتی ۔ عمرؓ کا اسلام لانا فیروز مندی، ان کی ہجرت باعثِ نصرت اور ان کا دورِ امارت دورِ رحمت تھا۔

حذیفہؓ کی مدح وثنا

"عمرؓ کے عہدِ معدلت گستر میں اسلام کا اقبال روز افزوں تھا اور وہ کیا گئے کہ اسلام کا ادبار شروع ہو گیا جو اَب تک جاری ہے۔"

اَبُو طلحہ الانصاریؓ

انس بن مالکؓ نے ابو طلحہؓ کا قول تاریخ وسیر کے حوالے کیا ہے :۔

"کوئی ایک گھر بھی نہیں جس کی دنیوی اور دینی زندگی میں عمرؓ کی موت سے فرق نہ آیا ہو۔"

عمرو بن العاصؓ

ابراہیم بن سعید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ :۔

"ایک بار عمرو بن العاصؓ نے چلتے چلتے خود ہی کہنا شروع کر دیا :۔

"سبحان اللہ، سبحان اللہ! ابن حنتمہ (حنتمہ حضرت عمرؓ کی والدہ کا نام تھا) بھی کیا شخص تھا؟"

خالد بن ولیدؓ کا اعترافِ عظمتِ عمرؓ

عروۃ بن قیس البجلی کہتے ہیں :۔

خالد بن ولید نے ایک دن تقریر کی اور فرمایا :۔

"عمرؓ نے مجھے شام کی مہم پر بھیجا۔ شام بے حد اہم جگہ ہے۔ چنانچہ جب وہ علاقہ فتح ہو گیا اور وہاں فراغت کی ریل پیل ہو گئی تو عمرؓ نے ارادہ کیا کہ مجھ پر اوروں کو ترجیح دی جائے اور مجھے ہند کی طرف بھیج دیا جائے۔" اس پر کسی نے کہا :۔

"صبر کیجئے صبر! ابھی تو فتنوں نے سر اٹھایا ہے۔"

میں نے کہا : "فتنے کیسے سر اٹھا سکتے ہیں، ابھی تو ابنِ خطابؓ زندہ ہیں۔"

عبداللہ بن سلامؓ کی مداحیٔ ابو حفص

عبداللہ بن ساریہ کا بیان ہے کہ :۔

"امیر المومنین کی نمازِ جنازہ پڑھی جا چکی تو عبداللہ بن سلام آئے اور کہا :۔ یہ صحیح ہے کہ تم نے نماز مجھ سے پہلے امیر المومنین پر پڑھ لی مگر میں یہ نہیں چاہتا کہ انہیں خراجِ تحسین دینے میں بھی تم مجھ سے آگے بڑھ سکو۔ یہ کہہ کر وہ تقریر کی نیت سے کھڑے

ہو گئے اور فرمایا:۔

"عمرؓ تم کتنے اچھے اور غمگسار تھے اسلام کے، سچائی تمہاری فیاضی کی جولانگاہ تھی، اور باطل کے معاملہ میں تم بے حد کم آمیز اور تمہاری محبت اور نفرت دونوں تابع حق تھیں۔ مدح وذم میں تم معتدل تھے۔ تمہارا باطن پاک وپاکیزہ اور تمہاری نگاہ عفت آگیں۔"

عائشہ رضی اللہ عنہا

قاسم بن محمد نے حضرت صدیقہ علیہا السلام سے روایت کی ہے:۔

"عمرؓ کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید ان کی تخلیق کا مقصد ہی یہ تھا کہ اسلام سرافراز ہو۔ بخدا عمرؓ بے حد زود گیر اور صاحب طبع دراک تھے۔ وہ منفرد اور اپنی مثال آپ تھے۔ اپنے معاصرین اور اقران کو انھوں نے مختلف کاموں کے لیے تیار کیا۔"

ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے قول عائشہ صدیقہؓ سنا تھا:۔

"اپنی مجالس کو مدح گستری پیمبرؐ اور ذکرِ عمرؓ سے مزین کرو۔"

عروہ نے عائشہ سے سنا تھا:۔

"عمرؓ کی بات ہوتی ہے تو مجلس خوشگوار ہو جاتی ہے۔"

در دل زِ تمنائے ملاقات تو شوریست
شوقت چہ نمک دادہ مذاقِ ادبم را!

ام ایمنؓ

طارق بن شہاب کہتے ہیں:۔

"جس دن عمر رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ ہوا گیا تو ام ایمن بولیں:۔

"آج اسلام شق ہو گیا۔"

الشفاءؒ بنت عبداللہ

محمد بن سعد نے سلیمان بن ابی حتمہ سے اور انھوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے:۔

"شفاءؒ بنت عبداللہ نے ایک بار چند نوجوانوں کو آہستہ آہستہ چلتے اور دھیمے دھیمے اور سست انداز میں بات کرتے ہوئے دیکھا، پوچھا" یہ کون لوگ ہیں؟" لوگوں نے کہا۔ یہ زاہد لوگ ہیں۔" فرمایا، "عمرؓ سے بڑھ کر زاہد کون ہوگا لیکن گفتار اور کردار سب میں وہ طاقت کا نمونہ تھے اور ان کی ضرب الگ کاری تھی۔"

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شباب جس کا ہو بے داغ ضرب ہو کاری!

علی بن حسینؓ

ابوحازم کے والد نے ان سے کہا تھا:۔

"علی بن الحسین سے پوچھا گیا:۔

"رسول اللہ کے دربار میں ابوبکرؓ اور عمرؓ کی منزلت کیا ہے؟"

"وہی جو آج ہے کہ یہ دونوں نبی علیہ السلام کے ہم مرقد ہیں۔"

عبدالرحمٰن بن غنمؓ

جس دن فاروقؓ رہ نوردِ ملکِ بقا ہوئے تو فرمایا،

"آج سے اسلام کا کوئی سرپرست نہیں رہا۔ لوگ اب اسلام سے یوں فرار ہو رہے ہیں جیسے وہ شخص بھاگے جسے کسی صحرا میں اطلاع ملے کہ اس کا دشمن سر پر آپہنچا ہے۔"

شعبیؒ کی مدح سرائی

عبداللہ بن ادریس کہتے ہیں :-

اشعث نے ایک بار شعبی کو کہتے سنا تھا کہ اختلافی نظریات درپیش ہوں تو دیکھنا چاہئے کہ عمرؓ کا عمل کیا تھا۔ عمر کا عمل اس لیے بھی معیاری چیز ہے کہ وہ مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ میں نے یہ بات ابن سیرین سے کہی تو وہ بھی تائیداً کہنے لگے، "وہ کوئی اپنے تئیں عمرؓ سے زیادہ عالم بتائے تو اس سے حذر واجب ہے۔"

قبیصہ بن جابرؒ

شعبی کہتے ہیں میں نے جابر کے بیٹے قبیصہ سے سنا تھا کہ :-

"انھوں نے عمر ابن الخطابؓ کی صحبتیں اٹھائی ہیں اور وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ان سے زیادہ قاری قرآن، متفقہ اور خوش مطالعہ کوئی دوسرا شخص نہ تھا۔"

حسن بن ابی الحسن بصریؒ

حسن نے ایک موقع پر قرہ بن خالد سے کہا تھا کہ :-

"اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری مجلسیں دل پذیر ہو جائیں تو ابن خطاب کی باتیں شروع کر دیا کرو، اور انہی حسن کا بیان ہے کہ :-

"جس گھر میں غم عمر داخل نہ ہوا ہو اسے ایک بُرا گھرانہ سمجھنا چاہیئے۔"

مجاہد رح

واصل الاحدب نے مجاہد سے سُنا تھا کہ ہم کہا کرتے تھے کہ امیرالمومنین کے عہد میں شیاطین مقیّد ہو چکے تھے اور اب ان کے قتل کے بعد زمین میں پھر پھیل گئے تھے۔

ابن سیرینؒ

سعید بن ابی صدقہ نے موصوف سے سنا تھا "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ علم کے معاملہ میں کوئی اتنا محتاط نہ تھا"

طارق بن شہابؒ

قیس بن مسلم نے طارق بن شہاب سے سُنا تھا:۔

"ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ ابن خطاب کی زبان سے کوئی فرشتہ بولتا ہے۔ یعنی ان کا کلام ملکوتی تھا ؎

خوشا وہ قافلہ جس کے امیر کی ہے متاع
تصوّرِ ملکوتی و جذبہ ہائے بلند!

ایّوب

حماد بن زید نے ایوب سے نقل قول کیا ہے:۔

"اگر آنحضرت سے متعلق کوئی بات یا قول لوگوں میں اختلافی مسئلہ بن جائے تو ابوبکرؓ اور عمرؓ کی آراء سے تمسک اختیار کرنا چاہیئے۔ یعنی انھیں کے مسلک کو اختیار کرنا چاہیئے۔"

عبدالملک بن مروان

محمد بن قدامہ الجوہری کہتے ہیں:۔

"مجھے بصرہ کے ایک شخص نے بتایا کہ اس نے اپنے والد سے اور اس کے والد نے مبارک بن فضالہ سے اور انھوں نے علی بن عبداللہ بن عباس سے یہ سنا تھا:۔

"ایک دن میں عبدالملک بن مروان سے ملنے چلا گیا۔ سردی بڑے ہی غضب کی پڑ رہی تھی عبدالملک نے ایک قبہ زیب تن کر رکھا تھا جو اندر سے کھردرا تھا اور اس پر ریشمین استر لگا ہوا تھا اموی خلیفہ نے مجھے دیکھا کہ میں سردی سے کانپ رہا ہوں۔ اس کے بعد کہا:۔

"میرا خیال ہے آج سردی بہت پڑ رہی ہے"!

میں نے کہا "اللہ امیر المومنین کا بھلا کرے۔ اہل شام تو کہتے ہیں آج کے دن سے زیادہ کبھی سردی ہی نہیں ہوئی"!

اس کے بعد امیر المومنین نے دنیا کا تذکرہ شروع کیا اور دنیا داری کی مذمت کی۔ اسکی بے اعتباری اور بے وقاری اور بے ثباتی کا ذکر کیا اور کہا:۔

"دیکھو معاویہؓ نے بیس برس امیری کی اور بیس برس خلافت کا بار سنبھالے رہے اور آج ان کی قبر پہ سبزہ اگا ہوا ہے۔ خدا ابن حنتمہ کو جزائے خیر دے انھوں نے دنیا کی حقیقت کو خوب سمجھا تھا۔

باب ۷۹

عشقِ ابوبکرؓ و عمرؓ کی جاں بخشیاں

بیان از حسن از جابر ابن عبداللہ:۔

رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد ہے کہ ابو بکرؓ اور عمرؓ کی محبت بھی ایمان ہے اور میرے صحابہ رضؓ پر لعن طعن کرنے والے ملعون ہیں۔

انس بن مالک فرماتے ہیں کہ :۔

پہلے صلحاء اپنی اولاد کی تربیت اور تعلیم کے سلسلے میں اس کا خاص لحاظ رکھتے تھے کہ ان کے اندر شیخین رضوان اللہ علیہما کی محبت کی تخم کاری ہو اور انھیں محبتِ شیخین کا درس یوں ہی دیا جاتا تھا۔ جیسے قرآن کی سورتیں پڑھائی جاتی ہیں۔

انس بن مالک سے روایت ہے کہ :۔

ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا "اللہ کے رسولؐ قیامت کب آئے گی؟"

ارشاد ہوا "تم نے قیامت کے دن کے لیے کیا تیاری کی ہے"۔

پوچھنے والے نے عرض کیا "میں نے کوئی بڑا کام نہیں کیا۔ البتہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں"۔

ارشاد ہوا "تم ان کے ساتھ رہو گے جنہیں تم چاہتے ہو"۔

انس رضؓ کہتے ہیں اسلام لانے کے بعد آنحضرت کے اس جاں نواز ارشاد سے زیادہ کہ تم اپنے محبوبوں کے ساتھ رہو گے، کسی چیز نے مجھے اس قدر سرور نہیں بخشا۔ اس کے بعد انسؓ نے کہا۔

"اگر ایسا ہے تو پھر میں رسول اللہ اور ابو بکر رضؓ عمر رضؓ اور عثمان رضؓ سے محبت کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ میں ان سب کی رفاقت حاصل کر سکوں گا۔ خواہ میرے اعمال ان جیسے نہ ہوں۔"

سالم بن عبداللہ نے اپنے والد سے روایت کی ہے :۔

قیامت کے دن کچھ لوگ رب العزّت کے رُوبرو پیش کئے جائیں گے ان کے لیے حکم صادر ہو گا کہ یہ جہنّم میں ڈال دیئے جائیں۔ چنانچہ فرشتگانِ عذاب ان لوگوں کو پکڑ کر دوزخ تک لے جائیں گے۔ وہاں مالک یعنی مہتمم دوزخ بھی انہیں اپنی گرفت میں لے لیگا کہ اتنے میں اللہ تعالیٰ رحمت کے فرشتوں کو حکم دے گا کہ ان لوگوں کو واپس اس کے حضور لایا جائے۔ یہ لوگ لوٹ آئیں گے اور کافی دیر تک پروردگار کے حضور کھڑے رہیں گے۔ تب باری تعالیٰ عزاسمہٗ کا ارشاد ہو گا۔

"میرے بندو! میں نے تمہارے گناہوں کی پاداش میں تمہیں جہنّم میں ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ تم واقعی دوزخ کے مستحق تھے اور تم کو وہ جگہ دکھا دی گئی ہے۔ چنانچہ تم دہشت زدہ بھی ہو چکے ہو۔ لیکن اب میں نے تمہارے گناہ اس لیے بخش دیے ہیں کہ تم ابوبکر رضؓ اور عمر رضؓ سے محبّت کرتے ہو۔"

یحییٰ بن اسمٰعیل کا بیان ہے :۔

"میری ایک بہن تھیں جو مجھ سے عمر میں بڑی تھیں۔ سوءِ اتفاق سے یہ دیوانگی کا شکار ہو گئیں اور بیس سال تک ایک ہی کمرے میں خود کو مقیّد کئے رہیں (یہاں مجھے میرٹھ کا مصطفیٰ کاسل یاد آ گیا جہاں میں اپنی طالب علمی کے دور میں مرحوم نواب اسمٰعیل خاں سے ملنے کے لیے اکثر و بیشتر جایا کرتا تھا۔ مرحوم مجھ سے حسن شفقت اور بزرگانہ محبت کا برتاؤ کرتے تھے۔

اس کی یاد میری زندگی کی متاعِ گراں بہا ہے۔ مجھے نواب صاحب کی زندگی کے بہت سے پہلوؤں سے مصطفےٰ کاسل ہی میں واقفیت ہوئی۔ ان کی زندگی کا ایک دل خراش پہلو یہ بھی تھا کہ اُن کے ایک حقیقی بھائی مدتوں سے ان کے محل کے ایک کمرہ کی چھت پر چہل قدمی کرتے رہتے تھے۔ یہ صاحب بالکل ماؤف الدّماغ تھے اور نیچے کاسل میں کیسی ہی ادبی سرگرمیاں اور ہنگامہ آرائیاں کیوں نہ ہوں، انہیں ان چیزوں سے مطلق سروکار نہ تھا۔ یہ صاحب اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے اور مصطفےٰ خاں شیفتہ کے پوتے اور اسمٰعیل خان کے بھائی تھے۔ مگر جنون اور دیوانگی نے انھیں ایک لفظ مہمل بے معنی بنا رکھا تھا۔ ش۔ ح۔ ع)

میری بہن کے ساتھ عجیب ماجرا تھا۔ ہر چند کہ وہ اپنے آپ میں نہ تھیں انہیں طہارت کا بے حد خیال رہتا تھا اور نمازیں غیر معمولی اہتمام کرتی تھیں۔ اکثر دنوں اور مہینوں ان پر جنون کا غلبہ رہتا تھا۔ تاہم نمازیں پابندی سے ادا ہوتی تھیں۔ ایک دن میں سو رہا تھا۔ نصف شب کا عمل تھا۔ کسی نے میری خواب گاہ پر دستک دی۔ میں نے پوچھا "کون ہے؟"

میری بہن بولیں، "بھائی میں ہوں"

میں نے فوراً اٹھ کر دروازہ کھولا۔ آج میری بہن بیس سال کے بعد اپنے مکان میں داخل ہوئی تھیں۔ میں نے کہا:۔

"بہن آپ اچھی طرح ہیں؟"

کہنے لگیں "اچھی ہوں۔ کل رات مجھے ایک بزرگ نظر آئے۔ بزرگ نے کہا:۔ بیٹی! اللہ تعالےٰ نے تمہارے والد کو تمہارے دادا کے طفیل معاف کیا ہے اور تم کو تمہارے والد کے طفیل۔ تم چاہو تو میں دعا کروں اور تمہارا مرض جاتا رہے۔ یا اگر تم صبر کرو تو اس کے عوض تم کو جنّت ملے گی۔ تمہارے والد اور دادا شیخین سے محبت کرتے تھے۔ اسی لیے شیخین (ابوبکرؓ اور عمرؓ) نے اللہ تعالےٰ سے تمہاری سفارش

کی ہے۔"

میں نے کہا "اگر مجھے ان دونوں باتوں میں سے ایک بات بالضرور ماننی ہے تو پھر میں اپنی موجودہ حالت پر صبر کرتی ہوں اور وسیع الرحمۃ خدا سے (جو اگر چاہے تو اس کے کرم سے مجھے دونوں چیزیں حاصل ہو جائیں یعنی جنون سے رہائی بھی اور جنت بھی) جنت طلب کرتی ہوں۔"

مجھ سے کہا گیا "تمہیں دونوں چیزیں حاصل ہو جائیں گی (یعنی تمہیں جنون سے بھی رہائی حاصل ہوگی اور تم جنت میں بھی داخل ہوگی۔ اللہ تعالے تمہارے والد اور دادا سے راضی ہے۔ اس لیے کہ وہ حُبِّ ابوبکرؓ و عمرؓ سے سرشار تھے۔ اٹھو اور نیچے جاؤ تمہارا مرض زائل ہو جائے گا۔"

ہبۃ اللہ بن سلامۃ المفسّر کا بیان ہے:۔

ہمارے ایک شیخ تھے۔ ان کے رفیق تھے، ان کا جب انتقال ہوا تو انہیں شیخ نے خواب میں بحالِ خوب دیکھا۔ شیخ نے پوچھا "تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟"

مرنے والے کہا:۔

"اللہ نے مجھے بخش دیا۔"

پوچھا گیا "نکیرین نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟"

کہا "منکر و نکیر نے مجھے قبر میں اُٹھا کر بٹھا دیا اور مجھ سے وہ پوچھ ہی رہے تھے کہ من ربّك اور من نبیّك (تیرا پروردگار کون ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟) کہ عین اس وقت میرے جی میں آئی کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ کا واسطہ دوں۔ چنانچہ میں نے یہی کیا۔

اب ان دونوں فرشتوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا:۔

"اس نے ہمیں ایک بہت بڑی قسم دلائی ہے اسے چھوڑ دو۔"

اور وہ چلے گئے۔ حسین بن القطان نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے

بشر بن حارث کو ایک درہم کی مشک خریدتے ہوئے دیکھا۔

مشک خریدنے کا مدّعا یہ ہوتا کہ بشر کو گھوڑوں اور کوڑے کرکٹ کے ڈھیروں پر اگر کوئی کاغذ کا ایسا پرزہ ملتا جس پر اللہ کا نام لکھا ہوتا تو وہ اسے فوراً اُٹھا لیتے اس پر مشک ملتے اور اسے کسی دیوار کے سوراخ میں رکھ دیتے اور پھر دُعا کرتے:۔

"بارالٰہ! اپنے نام کو اسی طرح اپنی طرف اٹھا لے"

ایک بار ایسا ہوا کہ انہی بشر کو کاغذ کا ایک پرزہ نظر آیا جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ تھا بلکہ کچھ اور لکھا ہوا تھا۔ بشر نے اس پرزہ کو پھینک دیا۔ بعد میں انہیں ایک خواب دکھائی دیا۔ کوئی ان سے کہہ رہا تھا:۔ تم نے اس رقعہ کو کیوں نہ اُٹھایا۔ اس پر دو ایسے نام تھے جو اللہ کو عزیز ہیں:

(ابوبکرؓ اور عمرؓ کے نام)

باب ۸۰

ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی محبت کی ناگزیری

اس باب میں جو اس عظیم الشان اور مستند کتاب کا آخری باب ہے، بہت سی حکایتیں ہیں۔ ان سب حکایتوں کا لبِ لباب یہ ہے کہ شیخین کرام اور خصوصاً (بقول علامہ اقبال اسلام کے پہلے سیاسی عبقری (Political genius) حضرت عمر رضہ سے بغض و عناد رکھنے والوں کا انجام بُرا ہوتا ہے۔ یہ دونوں بزرگ یا فیروز شاہ تغلق کی اصطلاح میں ہمارے دونوں سردارانِ اول (chieftains of Islam) اسلام پر دل و جان سے فدا تھے۔ جس دن سے یہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے اسی دن سے اپنی زندگیوں کے آخری لمحات تک اسلام کے چمن کو اپنے خون سے سیراب کیا۔

ابوبکر رضہ گوشِ پیمبر تھے۔ سراپا محبت، سراپا اطاعت۔ ان کے عہد میں نہ صرف یہ کہ منہاجِ نبوت پر زندگی گزاری گئی، بلکہ آنحضرت صلعم کے شروع کیئے ہوئے تمام کام پایۂ تکمیل کو بھی پہنچے۔ ان کاموں میں مدّعیانِ نبوت کو کیفرِ کردار تک پہنچانا اور اُسامہ کی سرکردگی میں رومیوں کے خلاف لشکر آرائی، دونوں شامل تھے۔ صِدّیقی فراست اور تدبّر اور دانش و عقل نے رحمۃ اللعالمین کے چمن کو ہر طرح محفوظ رکھا، اس کی شادابی اور خرّمی میں سرِمُو فرق نہ آنے دیا گیا اور چمن کدۂ اسلام کے اطراف جو شرک و جور کے خارزار تھے ان پر بھی یلغار کا کام شروع ہو گیا۔

یہ اس لیے نہیں کہ جیسا کہ بعض معاندین اور کوتاہ نظر کہتے ہیں کہ اسلام فی نفسہ کشور کشائی اور عسکری تاخت و تاراج کا حامی ہے۔ بلکہ یہ ارضِ قیصر و کسریٰ کے مستضعفین اور ستم زدوں کی رہائی اور نجات کیلیے ضروری تھا۔

اسلام اپنے ماننے والوں کو اس امر پر مکلّف قرار دیتا ہے کہ وہ خلافت ارضی کا بار اپنے کاندھوں پر اٹھالیں اور دنیا کے گوشے گوشے سے ظلم و جور اور استبداد اور استعمار کے نقش مٹادیں۔ اسی فلسفہ کے مطابق صدیق اکبرؓ کے عہدِ میمنت لزوم میں اسلام عرب سے باہر نکلا۔ اس کام کی تکمیل خلافتِ فاروقی میں ہوئی۔ فاروق رضؓ اسلام کی سطوت کا نشان بن گئے۔ فاروق کے سینے میں اسلام کا نور درخشاں تھا۔ اس نور کے سہارے وہ عجم میں آگے بڑھے اور اس ظلمت کدہ میں مجبور انسانوں کے ہاتھوں میں آزادی کی شمع تھمادی۔ اِن شخصیتوں پر لعن طعن یا تعریض و تشنیع اللہ کے نزدیک سخت مکروہ اور مبغوض عمل ہے۔

اس باب میں بیشتر حکایات سہیں اسی نتیجہ پر پہنچاتی ہیں۔ مجھے ذاتی طور پر ان روایات اور حکایات کو قبول کرنے میں کوئی امر مانع نہیں۔ مگر چونکہ میں الفاظ کے خم و پیچ میں زیادہ نہیں اُلجھتا۔ میں نے ان روایات کی روح مندرجہ بالا جملوں میں سمو دی ہے۔ صدیق اکبرؓ نے اسلام کی راہ میں اپنا سب کچھ لٹا دیا اور رجبِ اُمّتِ مرحومہ نے ان پر قیادت کا بوجھ ڈالا تو وہ معجزہ آسا طور پر اس سے عہدہ برآ ہوئے۔ اسی طرح ابنِ جوزی کے ممدوح یعنی فاروق اعظمؓ نے دیانت، بصیرت اور فراست و لیاقت کے ایسے ابوابِ درخشاں تصنیف کر دیے ہیں کہ انسانی تاریخ کی کتاب تا صبح محشر معزّز اور گراں مایہ ہو گئی۔ ان ذواتِ قدسیہ، ان شخصیات ملکی صفات اور ان برگزیدگانِ روزگار۔ ان رہ نوردان ملکِ محبّت اور ان عشّاق بنی آدم کی ادنیٰ سی توہین اور استخفاف میرے نزدیک کلیتہً غیر متمدّن اور انتہائی نامہذّب ہونے کی علامت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ دو ساتھی تمام عمران کے ساتھ رہے۔ اور یہ جب تک جیتے رہے اپنے محبوب کے چمن کے محنت کش مالی بنے رہے۔ مرنے کے بعد بھی پہلوئے پیمبرؐ میں جا سوئے اور روز محشر بھی انہیں کے ساتھ نظر آئیں گے۔ یہ رفاقت ناقابلِ شکست ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ کوئی منطق، کوئی برہان، کوئی تفلسف، کوئی سفسطہ (Sophistry) کوئی خطابت، کوئی گوئندگی۔ اس ہیم دواں، ہر دم رواں اور جاوداں عشق پر پردہ نہیں ڈال سکتی۔ ابوبکرؓ و عمرؓ کی کہانی عشق کی کہانی ہے۔

خوب کہا تھا امیر مینائی نے ؎

شیخین دامانِ عبا تھامے ہوئے ہیں حشر میں
ہیں بیچ میں شاہِ زمن اک اس طرف اک اس طرف

محمد بن یحییٰ الواسطیؒ کا بیان ہے کہ میں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ حضور انورؐ نے ارشاد فرمایا:۔

"یہاں کچھ لوگ ابوبکرؓ اور عمرؓ کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔ یہ دونوں میرے لیے یہ درجہ رکھتے ہیں۔" یہ کہہ کر آپ نے اپنی انگشتِ شہادت اور بیچ کی انگلی اٹھائی۔ پھر فرمایا:۔

"جس نے اِن دونوں کو بُرا بھلا کہا، اس نے گویا خود مجھے بُرا بھلا کہا۔"

(ش۔ ح۔ ع)

ہماری عظمت پارینہ کے زریں اوراق

تاریخ اسلام

مصنفہ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

مکمل تین حصوں میں

مغربی مورخین نے تاریخ اسلام کے واقعات کو تعصب کے زہر میں بجھے ہوئے قلم سے لکھ کر دنیا کے سامنے پیش کیا اور ایک عرصہ تک تاریخ اسلام کا طالب علم حقیقت سے ناواقف رہا۔ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے برسہا برس کی محنت سے یہ مفصل اور مستند تاریخ مرتب کی جس کی ہر سطر اسلامی سطوت و عظمت کی آئینہ دار ہے جو مسلمان حکمرانوں، جانبازوں اور بہادروں کے زندۂ جاوید کارناموں کی مفصل تاریخ ہے۔

یہ عظیم شاہکار تین حصوں پر مشتمل ہے

پہلا حصہ یہ عہد رسالت مآب سے لیکر خلافتِ راشدہ تک ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ ایک اَن پڑھ اور غیر متمدن قوم جب ہلاکت کے سرچشمے سے سیراب ہوتی ہے تو وہ کس طرح فاتح عالم بن کر ساری دنیا کو باغ و بہار بنا دیتی ہے۔

دوسرا حصہ عہد بنی امیہ سے لیکر خلافت بنی عباس مصر پر ختم ہوتا ہے یہ بلاد مسلمانوں کے دور کشور کشائی تمدن آفرینی اور قیادت علمی کے عروج کی مکمل تاریخ بھی ہے اور زوال و اسباب زوال کی عبرتناک داستان بھی اس کا مطالعہ سیکڑوں سامان بصیرت اور درس عبرت رکھتا ہے۔

تیسرا حصہ بنو امیہ اندلس، دولت صفاریہ، سلجوقیہ، عثمانیہ، مغولان چنگیزی، خوارزم شاہیہ، اور اس دور کی تمام مسلمان حکومتوں کے تفصیلی حالات پر مشتمل ہے۔ اس طرح مصنف نے مصر میں دولت مملوکیہ کے اختتام اور سلطان سلیم خاں کی فتح مصر اور خلافت تک ۹۲۳ھ کے حالات شرح و بسط کے ساتھ لکھے ہیں یہ ہماری عظمت پارینہ کی دردناک داستان ہے آج جبکہ مسلمان قوم ساری دنیا میں زندگی کی انگڑائیاں لے رہی ہے۔ ماضی کی یہ تابناک داستان مستقبل کے لئے راستہ کو روشن کرنے کا کام دے گی۔ صفحات۔ حصہ اول ۵۹۲، دوم ۶۷۲، حصہ سوم ۶۰۸



